آپ تلاوت کیسے کریں؟

تالیف:

الشیخ أبو جهاد محمد أبو الفرج صادق

ترجمہ:

مولانا محمد عبداللہ طارق

آپ تلاوت کیسے کریں؟

تالیف:

الشیخ أبو جهاد محمد أبو الفرج صادق

ترجمہ:

مولانا محمد عبداللہ طارق

تصحیح:

حضرت مولانا قاری عبدالرؤف (دارالعلوم دیوبند)

.....ناشر.....

محمد معین الدین غوری

این آر آئی ویلفیئر سینارٹیز ایجوکیشنل سوسائٹی

۴۰-۲-۱۶، اکبر باغ، حیدرآباد (انڈیا)

اُردو، ہندی، ملیالم اور تمل زبانوں میں ترجمہ واشاعت کے حقوق
باضابطہ طور پر محمد معین الدین غوری کے نام محفوظ ہیں

موضوع : علوم قرآن مجید- فن تجوید وقراءت
نام کتاب : آپ تلاوت کیسے کریں؟
مؤلف : الشیخ ابو جہاد محمد ابوالفرج صادق دمشقی
مترجم اُردو : مولانا محمد عبداللہ طارق، دہلی
تصحیح : حضرت مولانا قاری عبدالرؤف صاحب دارالعلوم دیوبند
قیمت : ۱۵۰/-

.....ہندوستان میں ملنے کے پتے.....

(۱) محمد معین الدین غوری مکان نمبر: 40-2-16 اکبر باغ، حیدرآباد۔
(۲) ادارہ اشاعت دینیات دہلی، ۲/ ۱۶۸، جہاہاؤس، حضرت نظام الدین، نئی دہلی۔
(۳) مولانا محمد یوسف خان قاسمی مدرسہ طاہرہ نسوان کرما گوڑہ، حیدرآباد۔
(۴) دارالکتاب دیوبند۔
(۵) ہندوستان پیپر ایمپوریم، حیدرآباد۔

فہرست مضامین

نمبر	مضامین	صفحہ
۱	اِنتساب	۹
۲	کلامِ ربّانی	۱۱
۳	فرمانِ رسالت	۱۲
۴	تعارف	۱۳
۵	عرضِ ناشر	۱۷
۶	جذباتِ شکر	۲۱
۷	آرائے گراں قدر	۲۲
۸	تقاریظ	۲۹
۹	مقدمہ مؤلف	۳۶
۱۰	تمہید	۳۸
۱۱	قرآنِ مجید کے لئے خصوصی اہتمام	۳۹
۱۲	نقطوں کی ضرورت اوران کا اہتمام	۴۱
۱۳	اعراب کا اہتمام	۴۲
۱۴	ضروری بات	۴۴
۱۵	باب اوّل	۴۶

نمبر	مضامین	صفحہ
۱۶	قرآن مجید کا تعارُف، اس کے نام اور اس کے اوصاف وکمالات	۴۷
۱۷	قرآنِ مجید کا تعارف لغۃً واصطلاحاً	۴۷
۱۸	لفظ ''قرآن'' اصطلاحاً	۴۷
۱۹	قرآنِ مجید کے نام	۴۸
۲۰	قرآنِ مجید کے نزول کی کیفیت اور اس کی جمع وترتیب	۵۲
۲۱	نزولِ قرآن کی کیفیت	۵۴
۲۲	قرآنِ مجید کے جمع ہونے کی تفصیل	۵۵
۲۳	دوسرا مرحلہ عہد صدیقی میں	۵۷
۲۴	مصحف صدیقی کی خصوصیت	۵۹
۲۵	تیسرا مرحلہ عہدِ عثمانی میں	۶۰
۲۶	جمع ابوبکر صدیقؓ اور جمع عثمان غنیؓ کے درمیان فرق	۶۱
۲۷	حضرت عثمان غنیؓ نے کتنے نسخے تیار کرائے تھے	۶۳
۲۸	قراء اور قرائتوں کا بیان	۶۶
۲۹	باب دوم.....آپ تلاوت کیسے کریں؟	۷۱
۳۰	تلاوتِ قرآن مجید کے آداب	۷۲
۳۱	آدابِ تلاوت	۷۶
۳۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت	۷۸
۳۳	تلاوت کے درجات	۸۲

نمبر	مضامین	صفحہ
۳۴	تلاوت میں یہ کام ناجائز ہیں	۸۵
۳۵	**دوسری فصل**	۸۸
۳۶	''لحن اوراس کے معنی، اس کی قسمیں اور ہر قسم کا حکم	۸۸
۳۷	پہلی قسم: لحن جلی	۸۸
۳۸	دوسری قسم: لحن خفی	۹۰
۳۹	خلاصۂ کلام	۹۱
۴۰	**تیسری فصل** .....علمِ تجوید کیا ہے؟	۹۴
۴۱	**چوتھی فصل** .....تعوذ وتسمیہ	۱۰۱
۴۲	سورۂ توبہ کا خصوصی حکم	۱۰۴
۴۳	کیا بسم اللہ قرآن مجید کی آیت ہے	۱۰۵
۴۴	نماز میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم	۱۰۶
۴۵	**پانچویں فصل** .....نون ساکن اور تنوین کا بیان	۱۰۸
۴۶	**چھٹی فصل** .....میم ساکن اور نون ومیم مشدّد کا بیان	۱۱۷
۴۷	جملہ ۲۸ حروف کے ساتھ میم ساکن کے احکام کا نقشہ	۱۱۸
۴۸	میم مشدّد اور نون مشدّد کا حکم	۱۱۹
۴۹	**ساتویں فصل** .....ادغام کا بیان صفت کے لحاظ سے	۱۲۲
۵۰	اوّل: ادغامِ متماثلین	۱۲۲
۵۱	دوم: ادغامِ متجانسین	۱۲۳

نمبر	مضامین	صفحہ
۵۲	سوم: ادغامِ متقاربین	۱۲۴
۵۳	**آٹھویں فصل** .....لامِ شمسی اور لامِ قمری کا بیان	۱۲۶
۵۴	**نویں فصل** .....مَدوں کا بیان	۱۳۱
۵۵	مد کی تمام قسموں کا نقشہ	۱۴۸
۵۶	**دسویں فصل** .....حروف کے مخارج کا بیان	۱۵۱
۵۷	حروف کے مخارج کا تقریبی نقشہ	۱۵۴
۵۸	مخارج اور ان کے حروف کا نقشہ	۱۵۵
۵۹	فم-حلق اور لسان کے مختلف حصوں کو واضح کرنے والا نقشہ	۱۵۹
۶۰	حروفِ شفتین	۱۵۹
۶۱	حروفِ خیشوم	۱۵۹
۶۲	کل بتیس دانتوں کا تقریبی نقشہ	۱۶۲
۶۳	**گیارھویں فصل** .....حروف کی صفات کا بیان	۱۶۵
۶۴	صفاتِ متضادہ کی تفصیل	۱۶۶
۶۵	صفات کی قوت وضعف کی درجہ بندی کا نقشہ	۱۷۵
۶۶	**بارھویں فصل** .....تفخیم اور ترقیق	۱۷۹
۶۷	**تیرھویں فصل** .....وقف وابتداء اور ان کی انواع واقسام	۱۹۰
۶۸	وقفِ تام	۱۹۴
۶۹	وقفِ کافی	۱۹۵

نمبر	مضامین	صفحہ
۷۰	وقفِ حسن	۱۹۵
۷۱	وقفِ قبیح	۱۹۶
۷۲	وقفِ معانقہ	۱۹۸
۷۳	آیتوں کے سروں پر وقف کرنا	۲۰۰
۷۴	وقف کے بارے میں خلاصۂ کلام	۲۰۱
۷۵	علاماتِ وقف	۲۰۵
۷۶	رَوم اور اِشمام	۲۰۷
۷۷	رَوم اور اِشمام کہاں ممنوع ہے	۲۰۹
۷۸	**چودھویں فصل**..... گول تاء اور لمبی تاء کا بیان	۲۱۴
۷۹	**پندرھویں فصل**.....ہمزۂ قطعی اور ہمزۂ وصلی کا بیان	۲۱۶
۸۰	**سولھویں فصل**.....مقطوع اور موصول کا بیان	۲۲۶
۸۱	**سترھویں فصل**.....حذف و اثبات	۲۳۸
۸۲	الف کا بیان	۲۳۸
۸۳	واوٗ کا بیان	۲۴۱
۸۴	یاء کا بیان	۲۴۲
۸۵	التقاء ساکنین سے بچنے کا طریقہ	۲۴۴
۸۶	دوسرا طریقہ حرکت دے دینا	۲۴۶
۸۷	تیسرا طریقہ بدل ڈالنا	۲۴۷

نمبر	مضامین	صفحہ
۸۸	**تکملہ**..... تلاوتِ قرآن مجید سے متعلق چند ضروری مباحث	۲۴۹
۸۹	سجدۂ تلاوت کا ثبوت	۲۴۹
۹۰	کیا یہ سجدہ فوراً کیا جائے	۲۵۳
۹۱	سجدے قرآن مجید میں کتنے اور کہاں کہاں ہیں	۲۵۴
۹۲	سجدۂ تلاوت کے مقامات	۲۵۴
۹۳	سجدوں کے مقامات کا نقشہ	۲۵۵
۹۴	دوسری بحث تکبیر کہنا	۲۵۶
۹۵	تیسری بحث قرآن مجید کا ختم	۲۵۹
۹۶	آخری کلمات (مؤلف کی طرف سے)	۲۶۸
۹۷	کتاب کے اہم مصادر و مراجع	۲۷۰
۹۸	مزید مصادر و مراجع	۲۷۵

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆☆

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی انزل القرآن بالترتیل وامرنا ان نرتّلہ بقولہ و رتل القرآن ترتیلاً والصلوٰۃ والسلام علی افصح رُسُلہٖ الذی قال انّ اللّٰہ یحب اَن یقرأ القرآن کما أنزل صلی اللّٰہ علیہ و علیٰ اٰلہٖ واصحابہ اجمعین.....امابعد:

اَدِلّۂ اَربعہ سے یہ بات ثابت ہے کہ قرآن کریم کو بالتجوید پڑھنا فرض عین ہے اور اس کی خلاف ورزی حرام ہے یا مکروہ۔

اس کے لئے شیوخ قرآن نے تقریباً ہر دور میں اپنی تصانیف اور تالیفات کے ذریعہ فن تجوید کو عام کرنے اور سہل بنانے کی کوششیں کی ہیں اسی سلسلہ کی ایک کڑی زیرِنظر کتاب ''آپ تلاوت کیسے کریں'' ہے۔

دراصل یہ کتاب شیخ ابو جہاد محمد ابو الفرج صادق کی عربی کتاب ''کیف تقرأ القرآن'' کا اُردو ترجمہ ہے۔

شیخ ابو جہاد ابوظبی متحدہ عرب امارات کے ایک جید عالم دین ہیں جنہوں نے اس فن شریف کے حصول میں اپنی عمر عزیز کا ایک طویل حصہ صرف کیا ہے اور متعدد ممالک میں جا کر مختلف شیوخ قرآن سے شرف تلامذہ حاصل کیا ہے۔

راقم السطور نے اس کتاب کو بالاستیعاب حرفاً حرفاً پڑھا ہے اور جہاں کوئی فرد گذاشت نظر آئی اس کی اصلاح بھی کی ہے۔

خاکسار کی محدود معلومات میں بزبانِ اُردو اپنی نوعیت کی یہ منفرد کتاب ہے اس جیسی اور کوئی مفصل کتاب اُردو زبان میں اب تک نہیں تھی کہ جس میں فن کے تمام مسائل یکجا طور پر جمع ہوں اس لئے اس کتاب سے ایک بڑا خلا پُر ہو گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقاریظ

استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد سلیمان صاحب مالبی زید مجدہٗ بانی و مہتمم مدرسہ تجوید القرآن، آزاد مارکیٹ، دہلی

ہندوستان کے مایہ ناز عالم و بے مثال خطیب و مقرر میرے محسن و کرم فرما محبّ صادق حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب میرٹھی دہلویؒ کے خلف الصدق عزیزم مولوی محمد عبداللہ طارق حفظہٗ اللہ و کرمہ نے میرے پاس قرآن پاک حفظ بھی کیا، دہرایا بھی اور تجوید و قراءت بھی پڑھی اور اچھی مہارت و صلاحیت پیدا کی اور میں نے انکو سبقاً سبقاً پورا قرآن مجید الحمد شریف سے والناس تک کہلوایا بھی ہے۔

اس ناچیز نے چند ماہ پیشتر خطوط کے ذریعہ اپنے تمام شاگردوں کو خصوصاً اور علماء کرام اور دیندار حضرات کو عموماً اور تمام مدارس دینیہ کو بہت اہتمام سے توجہ دلائی ہے اور برابر توجہ دلا رہا ہوں کہ آجکل مسلمانوں میں قرآن پاک کو درست پڑھنے کا اہتمام بہت کم ہوتا جارہا ہے، اس پر خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ میرے ایک لائق شاگرد نے اس پر توجہ کی اور ایک عرب عالم الشیخ أبو جهاد محمد أبو الفرج صادق صاحب کی عمدہ کتاب کیف تقرا ألقرآن کا بہت معیاری ترجمہ کیا ہے جس میں عربی دانی اور فن تجوید کی مہارت دونوں خوبیاں پوری طرح شامل ہیں۔

میں دعاء گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول بنائے اور عزیز موصوف کو دارین میں اس کی برکات سے نوازے، اور اہل اسلام میں اس کتاب کے ذریعہ قرآن مجید کے صحیح پڑھنے کا ذوق و شوق پیدا ہو۔ آمین۔

۱۲ر شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ

محمد سلیمان عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلام ربانی

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً (۷۳:۴)

''اور قرآن مجید کو خوب صاف صاف پڑھا کیجئے!''

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ط
اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ط وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ
ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ (۲:۱۲۱)

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے، وہی اس پر ایمان لاتے ہیں، اور جو اسکے ساتھ کفر کرے تو وہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔''

فرمانِ رسالت

فرمایا حضور سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

(۱) تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن مجید سیکھے اور سکھائے۔

(بخاری عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

(۲) (الفاظ و معانی دونوں میں) قرآن کا ماہر ان ملائکہ کے ساتھ ہے جو میر منشی اور نیک کار ہیں، فضائل قرآن شیخ زکریاؒ اور جو شخص قرآن مجید اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اسے اسکی تلاوت دشوار ہوتی ہے اسکے لئے دوہرا اَجر ہے۔

(بخاری و مسلم عن عائشہ رضی اللہ عنہا)

(۳) قرآن مجید کی تلاوت کیا کرو، یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا سفارشی ہوگا۔ (مسلم عن ابی اُمامہ رضی اللہ عنہ)

(۴) صاحبِ قرآن (حافظِ قرآن یا قرآن بکثرت پڑھنے والے) سے (قیامت کے دن) کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجوں پر چڑھتا جا اور صاف صاف پڑھ جس طرح تو دنیا میں صاف صاف پڑھا کرتا تھا۔ اسی طرح پڑھتا جا، تیری منزل وہی ہوگی جہاں تیری آخری آیت ہوگی۔

(ابوداود، نسائی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما وقال الترمذی: حدیث حسن صحیح)

(۵) اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن مجید) کے ذریعہ بہت سی قوموں کو سربلند فرماتا ہے اور بہت سی قوموں کو اسی کی (ناقدری کی) وجہ سے پستیوں میں بھی گرا دیتا ہے۔

(مسلم عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ)

☆ ☆ ☆

تعارف

موضوع: کسی علم وفن کی اہمیت، قدر ومنزلت اور فضیلت وعظمت اس بات پر موقوف ہوتی ہے کہ اسکا تعلق کس چیز سے ہے؟ اور اسکا فائدہ کیا ہے؟ اس لحاظ سے فن تجوید وقرأت اسلام کے اشرف ترین علوم وفنون میں سے ہے کہ اسکا تعلق قرآن مجید سے ہے جو اللہ رب العالمین جل شانہ کا کلام ہے، اس کلام مقدس اور کتاب معظم کا صحیح پڑھنا جس علم وفن پر موقوف ہو اور فرمان الٰہی **ورتل القرآن ترتیلا** کی تعمیل جس فن پر منحصر ہو اس کی عظمت اور قدر ومنزلت کا کوئی کیا اندازہ کرسکتا ہے۔

اشاعت کتاب کا سبب: سن ۱۹۹۰ء کے شروع کی بات ہے دہلی کی ایک چھوٹی سی مسجد میں اتفاقاً گزرتے ہوئے عشاء کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا، امام صاحب کی آواز ایسی سریلی اور دلکش تھی اور اسکا زیر وبم ایسا عمدہ تھا کہ فن سے ناآشنا شخص ان کو اعلیٰ درجہ کا قاری کہے بغیر نہ رہے گا۔ لیکن وہ انتہائی غلط پڑھ رہے تھے، میں نے سوچا کہ اگر مسجد کے متولی صاحب اور انتظامیہ کو توجہ دلائی جائے تو وہ سب بے علم ہیں، وہ یہ مان ہی نہیں سکتے کہ ایسے عمدہ قاری صاحب بھی غلط پڑھ سکتے ہیں، اسی کے بعد اس ناچیز کو ''ادارہ اُمور مساجد'' قائم کرنے اور چند علماء کو ہمراہ لے کر امامت وخطابت کی خدمات کو بہتر بنانے کی جدوجہد جاری کرنے کا خیال پیدا ہوا، جو الحمدللہ سن ۱۹۹۰ء ہی سے برابر جاری ہے۔

اسکے لئے جہاں اور کئی چھوٹے چھوٹے کتابچے تیار کئے گئے تجوید کے موضوع پر بھی ایک مختصر سی کتاب تیار کرنے کا شروع ہی سے خیال تھا، پھر حسن اتفاق کہ استاذ محترم حضرت مولانا قاری محمد سلیمان صاحب (بانی ومہتمم مدرسہ تجوید القرآن، آزاد مارکیٹ، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶) نے سال رواں کے شروع میں تمام علماء، ارباب مدارس دینیہ اور

خصوصیت سے ملک بھر میں اور بیرون ملک میں پھیلے ہوئے اپنے شاگردوں کو خط لکھ کر تجوید وقرأت کی طرف خصوصی توجہ دلائی اور اس ناچیز کے پاس بھی وہ گرامی نامہ بھیجا، جس نے اس دیرینہ خیال کو مزید تازگی اور قوت بخشی۔

اسی دوران اگست (سالِ رواں) کے شروع میں میرے محترم کرم فرما اور میرے والد مرحوم حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نیاز مند واہل تعلق محترم جناب معین الدین غوری حیدرآبادی صاحب اِس نیک ارادے کی تکمیل کا غیبی سبب اور مبارک ذریعہ بن کر تشریف لے آئے اور انہوں نے محترم شیخ ابو جہاد محمد ابوالفرج صادق صاحب حفظہ اللہ کی عمدہ، مفید اور جامع کتاب "**کیف تقرأ القرآن؟**" کا اُردو ایڈیشن شائع کرنے کا خیال ظاہر کیا اور مجھ سے اس کے ترجمہ کی طلب ظاہر فرمائی، میرا دل اپنی عدیم الفرصتی کی وجہ سے فوری طور پر آمادہ نہ تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اک خاموش تکوینی پیغام ہے کہ" جس کار خیر کا تم نے عرصے سے ارادہ کر رکھا ہے اب وقت آ گیا ہے کہ اسکی تکمیل کرو" چنانچہ میں نے بہ توکل علی اللہ یہ کام شروع کر دیا۔

فَيَارَبِّ اَنْتَ اللّٰهُ حَسْبِيْ وَ عُدَّتِيْ عَلَيْكَ اعْتِمَادِي ضَارِعًا مُتَذَلِّلاً

اصل کتاب کا تعارف:

اصل کتاب عربی زبان میں ہے جس کا ابھی پہلا ہی ایڈیشن سن ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء میں دار الفکر دمشق سے شائع ہوا ہے اور ترجمہ کے وقت وہی پیش نظر ہے، مصنف نے کتاب بڑی محنت سے اور جدید طرز واُسلوب میں لکھی ہے اور مضامین کو قارئین کے لئے زیادہ سے زیادہ آسان بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ جگہ جگہ نقشے اور جدولیں بنا کر مضامین کو آسان کر کے سمجھایا گیا ہے۔

اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں قواعد بیان کرنے کے علاوہ ان قواعد کے تجویز کئے جانے کے وجوہ واسباب بھی ساتھ ساتھ بیان کردئے گئے ہیں، مثلاً اخفاء کے حروف میں اخفاء کیوں ہوتا ہے؟ اور اظہار وادغام کے حروف میں اظہار وادغام کس لئے ہوتا ہے؟ یا حروف مدّہ میں مد کرنے کی وجہ کیا ہے؟ وغیرہ۔

اسی طرح کچھ حروف کا یا کسی مد کا یا کسی اور قاعدے کا جو کوئی نام تجویز کیا گیا ہے وہ کیوں تجویز کیا گیا ہے، ہر جگہ اس طرح کی وضاحتیں بھی کرتے گئے ہیں۔

قواعدِ تجوید وقراءت کے ضمن میں بہت سی وہ باتیں بھی آپ کو اس کتاب میں ملیں گی جو اصلاً اگر چہ عربی زبان وادب کی باتیں ہیں لیکن انکا تعلق تجوید وقراءت سے بھی ہے، ایسی باتوں کے ذریعہ فن کی تہہ تک پہنچنے اور اس کی گہرائی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

غرض یہ کتاب فنِ تجوید وقرأت کے موضوع پر ایک جامع اور مکمل کتاب ہے۔

یہاں یہ عرض کردینا بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ ترجمہ کے دوران بہت سی باتیں ایسی بھی سامنے آئیں جن پر مصنف کو توجہ دلانا ضروری ہوا، خوشی کی بات ہے کہ مصنف نے ہماری بتائی ہوئی سبھی باتوں کو نہ صرف پسند کیا بلکہ میرے نام جو خط مصنف نے لکھا ہے اس میں انہوں نے میرے اس کتاب کو بہت باریک بینی اور گہری نظر سے پڑھنے پر بہت مسرت کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ میری کتاب کے لئے ایسا مترجم مل جانا میری خوش نصیبی ہے۔ **ولله الحمد أولا وآخراً، والله يقول الحق وهو يهدي السبيل**۔ انہوں نے لکھا ہے کہ کتاب کی آئندہ اشاعت میں ان اصلاحات کے مطابق ترمیم کردی جائے گی۔

انسان کا کوئی کام کبھی خامیوں سے پاک نہیں ہوسکتا، میری تمام کوشش واحتیاط کے باوجود اس میں کوتاہیاں اور خامیاں ہوسکتی ہیں، جن علماء ومشائخ اور قراء کرام کے مطالعے میں یہ کتاب آئے ان سے میری مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ اگر کوئی خامی پائیں تو براہ کرم

ضرور مطلع فرمائیں، یا اس کتاب کو مزید نفع بخش بنانے کے لئے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں۔

اللہ تعالیٰ اسے اپنے کرم سے قبول فرمائے، فن تجوید وقراءت کے طلبہ واساتذہ کے لئے اسے نافع بنائے اور مؤلف ومترجم وناشر کو دارین میں اسکا اجر وثواب عطا فرمائے۔آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا بِتَوْفِيْقِ رَبِّنَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَحْدَهٗ عَـلاَ
وبعدُ صَلاةُ اللّٰهِ ثُمَّ سَلاَمُهٗ عَلٰى سَيِّدِ الْخَلْقِ الرِّضٰى مُتَنَخِّلاَ

محمد عبداللہ طارق

عرضِ ناشر

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمُ الْقُرْآن وَعَلّمَهُ (بخاری)

تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ اشد اذنا الیٰ قاری القرآن من صاحب القینۃ الی قینتہ۔ (ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قاری قرآن کی آواز کی طرف اس شخص سے زیادہ کان لگاتے ہیں جو اپنی گانے والی باندی کا گانا سن رہا ہو۔

تجوید قرآن کریم پر مختلف زبانوں میں اب تک بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں خدمت قرآن کریم کے کسی بھی شعبے میں ایک مسلمان کا نام درج ہو جانا ہی بہت بڑی سعادت ہے۔ ہم اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتے کہ اس نے ہمیں فن تجوید کی انتہائی اہم اور مفصل کتاب کیف تقرا القرآن کا اُردو ترجمہ بنام ''آپ تلاوت کیسے کریں'' شائع کرنے کی توفیق بخشی۔ عظیم المرتبت مصنف ابو جہاد محمد ابو الفرج صادق دمشقی میرے دوستوں میں سے ہیں اسوقت عالم عرب میں ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ موصوف کی کتاب کیف تقرا القرآن فن تجوید میں جدید طرز و اسلوب پر لکھی گئی ایک عمدہ کتاب ہے۔ عالم عرب کے علماء مشائخین کی آراء سے کتاب کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور خوشی بھی کہ مؤلف و امت برکاتہٗ کی محنت ولگن اور فن تجوید پر ان کی مہارت اور کتاب کے طرز و اسلوب کو اس درجہ سراہا گیا۔ مؤلف موصوف کو اللہ تعالیٰ نے علوم اسلامیہ اور خصوصاً فن تجوید میں کامل دستگاہ عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کو خدمت قرآن کریم کا بہترین اجر عطا فرمائیں۔ میں ہمیشہ سے ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا کہ پروردگار مجھ ناکارہ کو بھی اپنی زندہ و جاوید کتاب

کے خداموں میں شامل فرمالے اور آپ تو سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید کو صحیح پڑھنا جس فن پر موقوف ہو اس کی عظمت کا کیا ٹھکانہ، قرآن کریم اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی اور کتابوں کی طرح ایک کتاب ہی نہیں بلکہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے جانے والے معجزات میں سے سب سے بڑا اور زندہ وجاوید معجزہ ہے وہ فصاحت و بلاغت کا ایسا شاہکار ہے کہ جس کی مثال لانے سے اہل عرب کی زبانیں گنگ اور ان کی قلم دواتیں خشک ہوگئیں۔ اور یہ صرف ماضی کی بات نہیں بلکہ آج بھی مشرق ومغرب، شمال وجنوب میں رہنے والے سبھی عاجز ہیں۔ یوں کہئے کہ قرآن مجید ایک معجزہ نہیں بلکہ کئی معجزوں کا مجموعہ ہے۔ اس کا انداز بیان معجزہ ہے، اس کی فصاحت و بلاغت معجزہ ہے، اس کی حفاظت معجزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے میری خدمت قرآن کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور میری دیرینہ خواہشات کی تکمیل فرمائی۔

حضرت علماء کرام اور مخلص اصحاب نے مشورہ دیا کہ میں ''کیف تقراء القرآن'' جیسی اہم اور جامع کتاب کے فوائد کو عام وتام کرنے کے لئے اُردو، ہندی وغیرہ میں ترجمہ کرا کے شائع کروں چنانچہ میں نے بفضلہٖ تعالیٰ مؤلف ابو جہاد ابوالفرج صادق سے اُردو، ہندی، تلگو اور ملباری چار زبانوں میں ترجمہ واشاعت کے حقوق حاصل کئے۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس کے بعد میں نے اس کتاب کو اُردو میں منتقل کرنے کے لئے حضرت مولانا و قاری عبداللہ طارق صاحب دہلوی کی خدمت حاصل کی۔ مولانا موصوف محتاج تعارف نہیں ہیں۔ اب تک مختلف کتابوں کے وہ ترجمہ کر چکے ہیں، انہوں نے کتاب کو آسان سے آسان تر کرنے کی جو کوشش کی ہے اور جو اُردو کا سلیس لب ولہجہ اختیار کیا ہے یقیناً وہ اس کے لئے قابل صد مبارکباد ہیں، اور خیال ہے کہ اتنے عمدہ وآسان ترجمہ کے نتیجہ میں

کم اُردو جاننے والوں کے لئے بھی کتاب سے استفادہ آسان ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ چونکہ غلطیوں سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہے لاکھ کوششوں کے باوجود غلطیاں ہوتی ہی ہیں اس لئے میں نے کتاب کو منظر عام پر لانے سے پہلے مکمل اصلاح کر لینے کی پوری کوشش کی ہے۔ جس کے لئے میں نے ۲۰۰۱ء میں دارالعلوم دیوبند کا عزیزم مولانا محمد یوسف خان قاسمی کے ساتھ سفر کیا۔ مولانا یوسف سلمہ میرے جملہ دینی اُمور کے نگراں و ناظم ہیں۔ موصوف نے اس سفر کو کامیاب بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

بہر حال دارالعلوم دیوبند جا کر میں نے اس کتاب کو حضرت مولانا محمد احمد صاحب نائب ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں پیش کیا۔ اور درخواست کی کہ حضرت والا اس کتاب کی تصحیح کے لئے سرپرستی قبول فرمالیں۔ ظاہر ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے نائب ناظم تعلیمات ہونے کی حیثیت سے حضرت والا کی مصروفیات بے انتہا ہیں اس کے باوجود حضرت والا نے میری درخواست کو برضا و رغبت قبول فرمایا۔ جس کے لئے میں حضرت والا کا بے حد ممنون و مشکور ہوں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب مدظلہ العالی نے کتاب کی تصحیح کی ذمہ داری دارالعلوم دیوبند کے شعبہ تجوید و قرأت کے استاذ حضرت مولانا قاری عبدالرؤف بلند شہری کو سونپی۔ حضرت قاری صاحب کا تعارف کرانا بلکہ دارالعلوم دیوبند کے کسی بھی استاد کا تعارُف کرانا سورج کو چراغ دکھانے کے مانند ہے۔ حضرت قاری صاحب نے کتاب پر بے حد محنت کی اور اس کو بنظرِ تحقیق اوّل سے آخر تک حرفاً حرفاً پڑھا، کتاب کے مراجع کی مکمل تحقیق کی اور ساتھ ہی ترجمہ اور کتابت کی غلطیوں کی مکمل اصلاح بھی کی، حضرت قاری صاحب نے کتاب کی تصحیح میں جو دلچسپی لی اور جو محنت کی اس کے لئے وہ یقیناً اجر عظیم کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں شایان شان بدلہ عطا فرمائے۔

حضرت قاری صاحب کی نظر ثانی (تصحیح) کے بعد دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا مگر یہ

ضرور کہا جاسکتا ہے کہ برصغیر میں بزبان اُردو فن تجوید پر اس جیسی جامع ومفصل کتاب فی الحال موجود نہیں ہے حضرت قاری عبدالرؤف صاحب نے اس کتاب کی تقریظ میں لکھا ہے ''بزبانِ اُردو یہ اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے اس جیسی اور کوئی مفصل کتاب اُردو زبان میں اب تک نہیں تھی کہ جس میں فن کے تمام مسائل یکجا طور پر جمع ہوں اس لئے اس کتاب سے ایک بڑا خلاء پُر ہوگیا ہے''۔

حضرت قاری عثمان صاحب منصور پوری نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے کتاب پر پورے اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اس کو بے حد پسند فرمایا۔ حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی صدر شعبہ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند نے بھی اس کتاب کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور بے حد پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح حضرت مولانا وقاری جمشید علی صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے بھی کتاب پر پورے اعتماد کا اظہار فرمایا۔ غرض کہ جس طرح کتاب ''کیف تقرأ القرآن'' کو اہل عرب نے قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا اسی طرح ہندوستان میں اس کے ترجمہ ''آپ تلاوت کیسے کریں'' کو علماء کرام نے بے حد پسند فرمایا ہے میں ان تمام حضرات اکابر کا جنہوں نے کسی بھی طرح سے میری حوصلہ افزائی فرمائی بے حد ممنون ومشکور ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ساتھ ہی ان دوستوں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس عظیم کتاب کی طرف مجھے بار بار متوجہ کیا۔ یہاں پر میں اپنی اہلیہ محترمہ کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے میری اس کوشش میں پورا پورا ہاتھ بٹایا اور ہر طرح سے مجھے سکون واطمینان دیا پروردگار ان کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری اس حقیر سعی کو اپنے مبارک کلام کے طفیل قبول فرمائے۔ اور میرے لئے ذریعہ نجات بنائے اور اللہ تعالیٰ اس کتاب کو تمام مسلمانوں کے لئے اور خصوصاً مدارس دینیہ کے اساتذہ اور طلباء کے لئے نافع بنائے۔ (آمین)

محمد معین الدین غوری

رائے

متحدہ عرب امارات کے عظیم قاری الشیخ طلب حسن الشوبکی حفظہ اللہ کی گرامی قدر رائے

''شیخ موصوف متحدہ عرب امارات کے فن قراءت کے اونچے معلمین میں ہیں اور یہ مؤلف کے بڑے اساتذہ میں ہیں جن سے اس نے قرآن مجید پڑھا ہے اور موصوف کے سامنے متعدد ختم کئے ہیں۔''

الحمد لله الذي أنزل على عبده الكتاب ولم يجعل له عوجاً، والصلوٰة والسلام على المبعوث رحمة للعالمين، وعلى آله وصحبه ومن سلك طريقهم واتبع سنتهم إلى يوم الدين۔ وبعد :

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی حفاظت کا خود ذمہ لے چکا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ

''بلاشبہ ہم ہی نے قرآن مجید نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ونگہبان ہیں۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (کی خدمت) کے لئے بہت سے علماء تیار کئے جو اسکی تفسیر کی، اسکے احکام بیان کرنے کی، اسکی تلاوت کرنے اور اسمیں مہارت پیدا کرانے کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ اسلامیات کے کتب خانے (لائبریریاں) قرآن مجید سے متعلق مختلف علوم وفنون کی کتابوں سے مالا مال ہیں۔ اوران میں برابر اور مسلسل اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے، لائق مبارکباد ہیں وہ لوگ جو قرآن مجید سے (کسی بھی شکل سے) وابستہ ہیں اس لئے کہ وہ (حدیث نبوی کی بشارت کے مطابق) أهل الله وخاصّته ''اللہ والے وراسکے مخصوص لوگ'' کا مصداق ہیں۔ جنہوں نے اسکے خاص دسترخوان سے غذا پائی اور سی کے چشمہ صافی سے سیرابی حاصل کی اوراسی کے اخلاق پر اپنی عادات واطوار کو ڈھالا ہے۔ اوراپنے آپ کو ہمہ تن اسی کے حوالے کردیا ہے، اورانہوں نے قرآن مجید کے سیکھنے،

رائے

مصر کے عظیم قاری فضیلۃ الشیخ محمد محمود الطبلاوي حفظه الله کی موقّر رائے

الحمد لله رب العالمين ، والصلوة والسلام على سيدنا محمد خير المعلمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، وبعد:

میں نے فضیلۃ الشیخ محمد ابوالفرج صادق کی کتاب ''آپ تلاوت کیسے کریں؟'' کا مطالعہ کیا، بہت غور اور توجہ کے بعد میں نے پایا کہ اسکے احکام درست اور روایت حفص کے لحاظ سے اہم مباحثِ تجوید کے مطابق ہیں۔ مؤلف نے تجوید کے احکام کو موجودہ دور کے کامیاب اسلوب وانداز کے مطابق بڑی محنت وتوجہ سے واضح کیا ہے، انہوں نے اس کتاب میں علوم قرآن اور فن تجوید کو بھی جمع کر دیا ہے اور کسی قدر قراء کرام اور قرائتوں کا بھی بیان کر دیا ہے۔

اس طرح اس کتاب نے بہت آسانی پیدا کر دی ہے جو صرف مبتدیوں ہی کے لئے نہیں بلکہ اچھے خاصے علماء کے لئے بھی مفید ہے اور مدرسین کے لئے بھی مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، اس کتاب کی تیاری میں مؤلف نے اس فن کی اہم کتابوں سے مدد لی ہے، یہ کتاب اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مؤلف کو احکام تجوید کی تعلیم کا بھی اچھا سلیقہ ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ایسی کامیاب اور مفید کتاب تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے، مؤلف کی محنت اور انکی نیت کی پاکیزگی ہی کا یہ اثر ہے کہ اس کتاب نے اسلامی کتب کے ذخیرے میں تجوید کی کتابوں کے اندر اپنا ایک خاص مقام پیدا کر لیا ہے۔

میں دعاء کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ مؤلف کو بھی فائدہ پہنچائے، اسکے پڑھنے والوں کو، پڑھانے والوں کو اور اسکے ناشر کو بھی، اور یہ کتاب اپنے پڑھنے اور مطالعہ کرنے والوں کے لئے احکام تلاوت کے جاننے اور اجر وثواب حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہو، یقیناً وہ سننے اور دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔ و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

مطابق-۱۱رجنوری ۱۹۹۸ء عضو المجلس الأعلىٰ للشؤون الإسلامية

نائب نقيب القراء قارئ الأزهر الشريف

فضيلة الشيخ/ محمد محمود الطبلاوي

رائے

ملک شام کے شیخ القراء العلامہ محمد کریم سعید راجح حفظہٗ اللہ کی گرامی قدر رائے

الحمد لله ، والصلوة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه و من تبعهم بإحسان۔ وبعد :

میرے پاس استاذ محمد ابو الفرج صادق تشریف لائے اور مجھے ایک کتاب ''آپ تلاوت کیسے کریں؟'' دی، میں نے امکانی حد تک پوری توجہ سے اس کا مطالعہ کیا اور بعض مشورے دیئے، مؤلف نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ ان مشوروں سے فائدہ اٹھائیں گے۔

کتاب اپنے نام سے زیادہ بڑی ہے، اور اسمیں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ اسمیں علم تجوید کے علاوہ قراءت کے ساتوں قاریوں کا کچھ تذکرہ بھی ہے، حدیث نبوی ''قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے'' پر اقوال علماء کا خلاصہ بھی ہے، اشمام وروم کی بحث بھی ہے، مقطوع وموصول کا بیان بھی ہے اور مثبت ومحذوف کی بحث بھی ہے، جیسا کہ آپ کتاب کے یہ تمام مضامین پڑھیں گے۔

اسی طرح مؤلف نے بعض احکام وآداب کی بھی وضاحت کردی ہے، مدوں اور مخارج کا بیان بھی کیا ہے، اس طرح یہ کتاب اپنے پڑھنے والوں کے لئے بہت جامع اور نفع بخش ہوگئی ہے۔

لیکن جیسا کہ خود مؤلف نے بھی اس کی وضاحت کردی ہے کہ یہ فن اساتذہ کی ہم نشینی اور انکی زبان ودہن سے سیکھے بغیر حاصل نہیں ہوتا، یہ الگ بات ہے کہ کتاب کی بھی اپنی اہمیت ہے اسکے ذریعہ قواعد محفوظ ہوتے ہیں اور ایک درجے میں تلفظ میں بھی یہ مددگار ہوتی ہے۔

میں اللہ سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو لوگوں کیلئے نفع بخش بنائے اور مؤلف کتاب کو اس کا بھرپور اجر عطا فرمائے۔ بلا شبہ وہ سننے والا اور اپنے پکارنے والوں کے بہت نزدیک ہے۔

دمشق-۷/رجب ۱۴۱۸ھ　　محمد کریم سعید راجح

جذباتِ شکر

میرا اخلاقی فرض ہے کہ میں حلقہ ہائے تجوید کے ان تمام طلبہ کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے مجھے اس کتاب کی تالیف کا حوصلہ دلایا، اسی طرح ان علماء کرام کا شکریہ بھی لازم ہے جن کے مشورے اور رہنمائیاں میرے لئے شمع راہ بنیں۔ جیسا کہ میرے لئے معهد الامارات التكنولوجي کا شکریہ لازم ہے جنہوں نے اس کتاب کا مسودہ تیار کرنے میں مجھے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کیں، نیز ادارہ دار الفکر کا شکریہ بھی واجب ہے جس نے یہ ایڈیشن تیار کرنے میں خصوصی توجہ مبذول فرمائی۔

میرے لئے اپنی اہلیہ محترمہ أم جهاد حفظها الله کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جنہوں نے مجھے وہ راحت وسکون فراہم کیا جسکے نتیجے میں میں اس صبر آزما جدوجہد میں کامیابی حاصل کرسکا، انہوں نے اس کتاب کے تمام مسودات کی تبییض اور ان کو صاف کرکے مرتب کرنے میں بھی میرا ہاتھ بٹایا ہے۔

میں مولائے جلیل -عزوجل- سے دعاء گو ہوں کہ وہ ان تمام ہی لوگوں کو بہترین جزاء عطا فرمائے اور ان کی ان خدمات کا اجروثواب انکے اعمال ناموں میں محفوظ فرما دے۔ آمین۔

محمد ابوالفرج صادق

(مؤلف کتاب)

اس کے سکھانے اور اسکے درس وافادے کے ذریعہ اپنے وقت کو قیمتی بنایا ہے جسکے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انکو صحیح زندگی عطا فرمادی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ (۲۴:۸)

''اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو! جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں زندگی بخشنے والی چیز کی طرف بلائیں تو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہا کرو۔''

اور (خدمتِ قرآن کی) اسی (مذکورہ) جدوجہد کا تسلسل قائم رکھتے ہوئے شیخ محمد ابوالفرج صادق کی یہ کتاب ''آپ تلاوت کیسے کریں؟'' سامنے آئی ہے، میں نے اس کو دیکھا اور میں نے پایا کہ اسکی توضیح وبیان اپنے پڑھنے والے کے لئے احکام کے سمجھنے اور ان کو محفوظ کرنے میں مددگار ثابت ہوگی، اسلئے کہ اسمیں مؤلف نے مسائل کو پیش کرنے اور انکو واضح کرنے کا انداز ایسا اختیار کیا ہے اور ابواب کی ترتیب اور توضیحی مثالیں اسطرح پیش کی ہیں کہ پڑھنے والے کے لئے مراد کا سمجھنا آسان ہوگیا ہے۔

میں مؤلف کی اس کوشش سے بہت خوش ہوا، مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ وہ اسکا ثواب شیخ ابو جہاد کے نیکیوں کے اعمال نامے میں شامل کرے گا۔

یہاں میں مسرت کے ساتھ یہ بھی واضح کردینا مناسب سمجھتا ہوں کہ شیخ ابو جہاد ہمارے لئے نئے اور اجنبی نہیں ہیں، وہ ہمارے بھائی اور ہمارے دوست ہیں، ہم ان سے اور انکے پسندیدہ اعمال واخلاق سے اور کتاب وسنت پر انکے عمل سے اور علم کی خاطر انکی جہد مسلسل سے واقف ہیں، انہوں نے میرے سامنے دسوں بار قرآن مجید ختم کیا ہے اور ہمارے یہاں اسباق میں وہ سن ۱۹۸۵ء سے برابر تقریباً پانچ سال تک شریک رہے ہیں، پھر وہ قراءت اور علوم قرآن میں مشغول ہوگئے اور اسکے بعد بھی ہر رمضان میں قرآن مجید کا دور کرنے کیلئے برابر آتے رہے۔

میرے لئے اپنی اس خوشی کا اظہار کرنا بھی ضروری ہے کہ انکی خدمتِ قرآن مجید کی ہی یہ برکت ہے کومؤلف کے بڑے بیٹے جهاد حفظه الله کی تربیت بہت اچھی ہوئی ہے اور انہوں نے تمام احکامِ (تجوید) از بر کر لیے ہیں، اس لئے کہ انکے والد تجوید کے حلقوں میں پابندی سے شریک ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ وہ ابھی دس سال کی عمر میں بہترین قاری ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ راست پر قائم رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین

وآخر دعوانا أنِ الحمد لله رب العالمين

أبوظبی - ۲۶ رمضان ۱۴۱۸ھ خادم القرآن الكريم

مطابق - ۲۴ جنوری ۱۹۹۸ء طلب حسن الشوبكي

رائے

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر علاؤالدین محمد الشیخ حفظہ اللہ کی مؤقر رائے

''شیخ موصوف مؤلف کتاب کے قراءت قرآن مجید بروایت ورشؒ کے استاذ ہیں۔''

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف المرسلين، سيدنا محمد وآله وصحبه أجمعين۔ أمّا بعد :

میں نے برادرم فضیلۃ الشیخ محمد أبوالفرج صادق أبو جہاد کی کتاب ''آپ تلاوت کیسے کریں؟'' کا پوری توجہ اور غور سے مطالعہ کیا، میں نے اس کو بہت اہم اور قیمتی کتاب پایا جس میں مؤلف نے علمِ تجوید کے طلبہ کے لئے بہت کام کی باتیں جمع کردی ہیں، کتاب کا انداز واسلوب بھی مبسوط وآسان ہے، اور اس میں انشاءاللہ تعالیٰ وہ تمام چیزیں کافی اور مناسب مقدار میں آگئی ہیں جن کی توقع کی جاسکتی ہے۔

میں نے مشائخ وعلماء کی وہ آراء بھی دیکھیں جو اس کتاب پر انہوں نے ظاہر فرمائی ہیں، مجھے خوشی ہے کہ انہوں نے مؤلف کی محنت انکی دقت نظر اور مضامین کے نظم وانضباط کو سراہا ہے، انکی اس کوشش اور اہتمام نے پڑھنے والوں کے لئے مضامین کا سمجھنا پوری طرح آسان کردیا ہے۔

ہمارے ساتھ شیخ ابو جہاد کا تجوید وقراءت کی تعلیم کے دوران رہنا ہوا ہے، میں نے انکو بات کا سچا اور دُھن کا پکا پایا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن مجید سیکھتا ہے اور اسے سکھاتا ہے، اسی طرح آپؐ نے فرمایا: روحیں (اللہ کا) جمع کیا ہوا لشکر ہیں، ان میں سے جو ایک دوسری کی شناسا ہوتی ہیں وہ آپس میں مانوس ہوجاتی ہیں اور جو ایک دوسری سے اجنبی اور بے گانہ ہوتی ہیں وہ آپس میں مختلف رہتی ہیں۔ (میرا اور مؤلف کا ساتھ بھی دراصل اسی فطری ہم آہنگی اور روحانی قرب ویگانگت کا ظہور ہے)

مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے اُمید ہے کہ جب تک مؤلف کتاب اللہ کی خدمت میں اور اسکے سیکھنے سکھانے میں رہیں گے برابر اللہ تعالیٰ ان کی جدوجہد کو بابرکت بناتا رہے گا اور اپنی تائید و مدد انکے شامل حال رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ انکے اس عمل کو قبول فرمائے اور اسمیں انکو خلوص وللّٰہیت بخشے اور قیامت کے دن انکو اس کا فائدہ حاصل ہو، اور قرآن مجید کے پڑھنے والوں کو اللہ تعالیٰ اس سے فائدہ پہنچائے۔ آمین۔

وصلى الله وسلم على سيدنا محمد وآله وصحبه أجمعين والحمد لله رب العالمين

الدكتور

علاؤ الدين محمد الشيخ

ابوظہبی-۸ رمضان ۱۴۱۸ھ

مطابق-۶ جنوری ۱۹۹۸ء

اِنتساب

میں اسے اُن ہی کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جنہوں نے یہ دیا تھا اور اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی ایسی جزاء عطا فرمائے گا جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو۔

اور ان کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جنہوں نے یہ کاشت کی تھی اور اُمید کرتا ہوں کہ اس کی کٹی ہوئی فصل ان کو جنت میں لامحدود و بے نہایت ملے گی، یعنی اپنے والد صاحبؒ کی خدمت میں اور اپنی مشفق و مہربان والدہ محترمہ کی خدمت میں، اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ حفظ و امان اور عافیت و سلامتی میں رکھے۔

اور اپنے اساتذۂ کرام اور مشائخ و علماء ذوی الاحترام حفظھم اللہ کی خدمت میں اور ہر اُس آزاد مسلمان کی خدمت میں جو اپنا عقیدہ (و عمل) طرزِ قرآنی سے اور رسولِ عدنانی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے اخذ کرتا ہے۔

میں اپنی یہ طویل جدوجہد آپ تمام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

''مؤلف''

اِنتساب

میں اپنی اس حقیر سعی ''آپ تلاوت کیسے کریں'' کو بانیٔ تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے نام منسوب کرتا ہوں۔ جن کی محنتوں، کاوشوں اور خلوص وتقویٰ کے ذریعے رشد وہدایت کے چشمے جاری ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ اس حقیر سعی کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے قبول فرمائے۔ اور روزِ محشر احقر اور اس کے والدین و اہلِ خانہ اور جمیع مسلمانوں کو حضراتِ اکابر کے زمرے میں اُٹھائے۔ (آمین)

(محمد معین الدین غوری)

اس کتاب میں مسائل تجوید اور وقف کو بڑے وقیع پیرا میں بیان کیا گیا ہے اور تاریخ حفاظت قرآن اور قراءسبعہ کے تذکرے کے بعد حدیث سبعۃ احرفٍ پر بھی بڑا عمدہ کلام کہا گیا ہے اور ہمزہ قطعی اور وصلی کا بڑا واضح بیان ہے۔ عام رسم الخط القرآنی کے ضروری مباحث بھی بڑے خوبصورت انداز سے بیان کئے ہیں اگر چہ مؤلف عظیم المرتبت نے ہر مسئلہ کی بڑی تنقیح فرمائی ہے لیکن مزید برآں مترجم کتاب جناب حضرت مولانا محمد عبداللہ طارق صاحب مدظلہٗ کے سلیس ترجمے اور توضیح اور اضافی عبارات نے اس کتاب کی افادیت کو دو چند کر دیا ہے۔

ان سب خصوصیات کے تحت یہ کتاب ہمارے دیار میں اپنی نوعیت کی ایک عمدہ اور نادر کتاب ہے اور تجوید کے محنتی اور مبتدی باذوق طلبہ کے لئے بڑا قیمتی خزانہ ہے انشاء اللہ تجوید میں مہارت پیدا کرنے کے لئے یہ کتاب ممد ومعاون ثابت ہوگی۔

صدہا مبارکبادیوں کے مستحق ہیں جناب الحاج محمد معین الدین صاحب غوری دامت برکاتہٗ حیدرآبادی مقیم حال ابوظہبی کہ جنہوں نے اس عظیم کام کا بیڑا اُٹھایا اور اس جامع کتاب کے اُردو، ہندی، ملیالم اور تمل زبانوں میں تراجم کرا کے ان کی اشاعت کی سعادت حاصل کی یقیناً یہ کلام اللہ کی عظیم خدمت ہے اور یہ اس بات کی عملی دلیل ہے کہ موصوف کو کتاب اللہ سے والہانہ عشق ہے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس غیر معمولی خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور دعاء ہے کہ رب کریم مؤلف کتاب اور مترجم کتاب کو جزائے خیر عطا کرے اور کتاب کے افادے کو عام فرمائے اور شائقین علم تجوید کے لئے اس کتاب کو نافع بنائے آمین۔ فقط والسلام

عبدالرؤف بلند شہری

خادم التجوید والقرأت دارالعلوم دیوبند یوپی۔الہند

۲۲ رشوال المکرّم ۱۴۲۲ھ

ابو الحسن اعظمی

صدر شعبۂ تجوید و قرأت، دار العلوم دیوبند

الحمد للّٰہ و صلی اللّٰہ علی نبیہ و مصطفاہ

امابعد.....جس طرح پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام انبیاء ورُسل پر افضلیت حاصل ہے اسی طرح قرآن کریم کو کتب سماوی پر فضیلت حاصل ہے۔ اور یہی اس کا طرۂ امتیاز ہے، قرآن کریم عربی مبین میں نازل ہوا ہے، عربی زباں نہایت حساس زبان ہے اسے ام الالسنہ کہا گیا ہے، اس کا واضح تقاضہ ہے کہ اس کتابِ عزیز کی تلاوت کے کچھ اصول وآداب ہوں جن کی پابندی لازمی ہو، انہیں اصول وقواعد کو علماءِ محققین نے علم تجوید کے نام سے منضبط فرمادیا ہے۔ واضح رہے کہ علم تجوید کو اقدم العلوم اور افضل العلوم قرار دیا گیا ہے، اسی اہمیت کے باعث ہر زمانہ کے علماء نے اس علم کی ترویج واشاعت میں تعلیم وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کو اپنی زندگی کا اہم مشغلہ بنایا۔ اسی سلسلۃ الذھب سے مربوط جن کے لئے بڑے اجروحسنات کا وعدہ فرمایا گیا ہے، جناب محترم ابو جہاد محمد ابو الفرج صادق الدمشقی بھی ہیں، آپ کی گرانقدر تالیف ''**کیف تقرأ القرآن**'' دار الفکر دمشق سے طبع ہوئی۔ مقامِ مسرت ہے کہ اب اس بیش قیمت عربی کتاب کو برصغیر کی مقبول زبان اُردو میں منتقل کیا گیا ہے، جس سے اب اُردو داں شائقین کے لئے استفادہ آسان ہوگیا ہے۔

مؤلف نے علم تجوید کے اہم اور ضروری عنوانات کو نہایت سلیقہ کے ساتھ قلمبند فرماتے ہوئے اس علم کے ضروری اور مفید متعلقات پر بڑی ہنرمندی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

راقم الحروف اس کتاب کے مشتملات پر مکمل اعتماد ظاہر کرتے ہوئے شائقین علم سے سفارش کرتا ہے کہ اس سے بھرپور طور پر استفادہ کریں، اس کتاب کے ورق ورق سے افادیت کی کرنیں پھوٹتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کتاب کی طرح مترجم کتاب حفظہٗ اللہ کو اپنی شایانِ شان اجروحسنات

سے نوازے، اور نفیس طباعت کے ساتھ جلد منصۂ شہود پر جلوہ ہو کر نگاہ وقلب کے لئے باعثِ نور و سرور بنائے، آمین۔ بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ ہمارے محترم جناب معین الدین غوری صاحب نے اس مفید ترین کتاب کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا، بلاشبہ یہ بڑی عزیمت کی بات ہے۔ فجزاہ اللہ حسن الجزاء۔

ابو الحسن اعظمی

۱۵ر محرم ۱۴۲۲ھ خادم شعبہ تجوید وقرأت دار العلوم دیوبند (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ : حضرت مولانا قاری جمشید صاحب

استاذ تجوید دارالعلوم دیوبند (یوپی)

امابعد! علومِ دینیہ مقصودہ میں جو شرف وفضیلت اور اہمیت علمِ تجوید کو حاصل ہے۔ وہ اہل علم سے مخفی نہیں کیونکہ اس کے بغیر قرآن کریم کی تلاوت کا حق ہی ادا نہیں ہو پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ تجوید کے خلاف قرآن پاک پڑھنا بھی منع ہے اور سننا بھی۔

خداوند عالم کا ہزار شکر واحسان ہے کہ فی زمانہ تجوید وقرأت کا چرچا اکثر مدارس اسلامیہ میں ہوتا جارہا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے حصول کے لئے علماء وقراء کرام نے سبھی زبانوں میں گرانقدر تالیفات فرمائی ہیں۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی محترم جناب المقری الشیخ ابو جہاد محمد ابوالفرج صادق صاحب کی تالیف ''کیف تقرأ القرآن'' ہے بندہ نے اس کے اکثر مسائل کو بغور دیکھا۔ ماشاء اللہ ترتیب عمدہ اندازِ بیان آسان اور حشو وزوائد سے محفوظ ہے۔ غرض اس میں مولف موصوف زادہ اللہ شرفاً نے تجوید کے اہم اور ضروری مسائل کو نہایت عمدہ انداز میں قلمبند فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں جناب محمد معین الدین صاحب غوری کو۔ کہ اب انہوں نے اس کتاب کے فائدہ کو عام وتام کرنے کے لئے اُردو زبان میں اس کے ترجمہ کی اشاعت کا عزم فرمایا ہے اور اپنے کو خدامِ قرآن میں شامل فرمالیا ہے۔

اب ترجمہ کے بعد الحمدللہ اس سے اُردو داں حضرات بھی مستفیض ہوسکیں گے۔

اس کے تمام مسائل منقولہ ہیں۔ بندہ ان پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتا ہے۔ اُمید ہے اہل شوق اس کی قدر فرمائیں گے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اور اس کے ترجمے کو قبول عام عطا فرمائیں اور مؤلف موصوف اور جناب محترم محمد معین الدین غوری صاحب کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

جمشید علی عفا اللہ عنہ

استاذ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند

۱۵ر محرم ۱۴۲۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ : حضرت مولانا وقاری عثمان صاحب

نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند (یوپی)

آقائے نامدار سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :

"ان اللہ یحب ان یقرأ القرآن کما انزل"

یعنی قرآن کریم اسی طرح پڑھنا خداوند کریم کو پسند ہے جس طرح وہ نازل کیا گیا ہے۔

اس بنا پر خداوند کریم نے اس امر کا انتظام فرمایا ہے کہ اس طریقِ ادا کو محفوظ رکھنے کے لئے ہر زمانہ میں خادمانِ قرآنِ کریم پیدا فرماتا رہا ہے۔ آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے جس کی بڑی قیمتی مثال جناب محترم ابو جہاد محمد ابوالفرج صادق دمشقی کی کتاب "کیف تقرأ القرآن" سامنے ہے۔ جناب مولانا عبداللہ طارق صاحب نے جناب محمد معین الدین صاحب کی فرمائش پر، جس کا ترجمہ کیا ہے۔

دلی دعا ہے کہ اس خدمت میں حصہ لینے والے جملہ حضرات کو بہترین بدلہ دنیا وآخرت میں عطا فرمائے۔ آمین

محمد عثمان غفرلہٗ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿مقدمۂ مؤلف﴾

الحمد لله حمداً يوافي نِعَمَه، و يكافي مزيده، و أفضل الصلاة والسلام على خاتم الأنبياء و المرسلين، المبعوث رحمة للعالمين، سيدنا محمد وعلى آلهٖ وصحبهٖ أجمعين۔

امابعد:

میرے بعض اُن شاگردوں نے جن کو تجوید پڑھانے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی تھی مجھ سے یہ طلب ظاہر کی کہ میں ان کے لئے ایک مختصر سی کتاب لکھ دوں جو اُن مسائل واحکامِ تجوید پر مشتمل ہو جو دورانِ تدریس انہوں نے سیکھے تھے تاکہ ان کو ان مسائل کا یاد رکھنا اور ان میں رسوخ حاصل کرنا آسان ہو جائے۔

میں نے چاہا کہ میں اپنی کم علمی و بے مائیگی کی وجہ سے اس اہم خدمت سے معذرت کردوں لیکن پھر میں نے سوچا کہ جس طرح ان لوگوں نے میرے ساتھ حسن ظن سے کام لیا ہے کیوں نہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے حسن ظن قائم کروں، بلاشبہ وہی مجھے اور ان سب کو راہ راست پر چلانے والا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے میں نے یہ کتاب تیار کی ہے، اسمیں میں نے اُکتا دینے والی اور یاد کرنے والوں کے لئے مشکلات پیدا کردینے والی تفصیلات سے بھی گریز کیا ہے اور مقصد کو پورا نہ کرسکنے والے بہت زیادہ اختصار سے بھی پرہیز کیا ہے، بس اسمیں میانہ روی اختیار کی ہے اور اس کا نام ''آپ تلاوت کیسے کریں'' تجویز کیا ہے، میں اللہ تعالیٰ سے توفیق اور قبولیت کا اُمیدوار ہوں۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ جن حضرات کے مطالعے میں یہ کتاب آئے وہ میرے لئے حسن خاتمہ کی دعا فرمائیں اور اگر وہ میری کوئی خامی وکوتاہی دیکھیں تو مجھے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ

طباعت میں اس کی اصلاح کی جا سکے انشاء اللہ تعالیٰ، بلاشبہ کمال مطلق اور غلطیوں سے مُبرا ہونا تو صرف خدائے واحد ہی کی شان ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ میرے اس عمل کو قبول فرمائے اور اس میں خلوص عطا فرمائے، اور مجھے اس سے اس دن فائدہ پہنچائے جس کا حال یہ ہوگا کہ **یومَ لاینفع مالٌ ولا بَنُوْن إلاَّ مَن أتیَ اللہ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ** (اس دن نہ مال کام دے گا نہ اولاد سوائے اس کے کہ کوئی سلیم و بے داغ دل لے کر بارگاہ الٰہی میں پیش ہوا ہو۔) (۸۹-۸۸:۲۶)

ابوظہبی: یکم اپریل ۱۹۹۲ء — **ابو جہاد**

مطابق: ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ — محمد ابوالفرج صادق

تمہید

تعارف قرآن مجید حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: **ألا إنَّهَا ستكون فتنة** (خبردار: عنقریب ایک فتنہ اُٹھنے والا ہے)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا **ما المخرج منها يا رسول الله؟** (اے اللہ کے رسول! اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟)

آپؐ نے اِرشاد فرمایا:

> اس سے بچنے کا طریقہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبر ہے، تم سے بعد میں جو کچھ ہوگا اس کی اطلاع ہے اور تمہارے درمیان جو کچھ معاملات اٹھیں گے انکا فیصلہ بھی اس میں موجود ہے۔

یہ ایک فیصلہ کن حقیقت ہے کوئی تفریح کی بات نہیں ہے، جو کوئی اسے غرور وتکبر کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے کچل کر رکھ دیتا ہے، اور جو اس کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے ہدایت تلاش کرتا ہے خدا تعالیٰ اسے گمراہ کر دیتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے (جو آسمان سے لٹکی ہوئی ہے) وہ اللہ کو یاد کرنے کا حکمت سے بھرپور وسیلہ ہے، وہ سیدھا راستہ ہے، یہی وہ ذریعہ ہے جس کے ساتھ چل کر خیالات کبھی بھٹکتے نہیں اور زبانیں کبھی غلطی کا شکار نہیں ہوتیں، علماء کو اس سے کبھی سیری نہیں ہوتی، اس کے بار بار پڑھنے سے کبھی پرانے پن (اور سنی سنائی پڑھی پڑھائی چیز ہونے) کا احساس نہیں ہوتا، اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے (جتنا جتنا غور کیجئے نئے نئے علوم اور عجیب وغریب نکات سامنے آتے جائیں گے) یہ وہ کتابِ عظیم ہے کہ جب جنات نے اس کو سنا تو وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ

إنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَّهْدِيْ إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهٖ (۷۲:۱-۲)

(ہم نے ایک ایسا عجیب اور حیرت انگیز کلام سنا ہے جو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لئے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں)

جو اس کے مطابق بولا وہ سچا ہے، جس نے اس کے مطابق عمل کیا وہ انعام کا حقدار ہوا، جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے اِنصاف کیا اور جس نے اس کی طرف دعوت دی وہ صراط مستقیم پر گامزن ہے۔ (رواه الترمذي عن علي بن ابي طالب رضي الله عنه في "باب ما جاء في فضل القرآن") [1]

قرآن مجید کے لئے خصوصی اہتمام:

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ قرآن مجید کے لئے جو اہتمام ہر دَور میں ہوتا رہا ہے وہ کسی دوسری آسمانی کتاب کے ساتھ نہیں ہوا، حد تو یہ ہے کہ قرآن مجید کو ضائع ہونے سے بچانے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ہم بندوں پر ڈال کر نہیں چھوڑ دی جیسا کہ قدیم آسمانی کتابوں کے ساتھ ہوا ہے۔[2] بلکہ خود بنفس نفیس اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا، چنانچہ فرمایا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ (ہم ہی نے یہ قرآن مجید نازل کیا ہے اور ہم ہی خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) (۹:۱۵)

اور یہ حفاظت کا انتظام دراصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم (علمی) ابدی معجزے کا تحفظ ہے (اس لئے کہ قرآن مجید رہتی دنیا تک کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وحقانیت کا زندہ ثبوت ہے)

چنانچہ ابتداء اسلام ہی سے علماء اُمت ہر دور میں قرآن مجید سے دلائل و براہین اور احکام کا استنباط کرتے رہے اور ہر دور کے علماء نے بہت کچھ اس میں سے وہ سمجھا جو پہلے لوگ

---

[1] یہ حدیث ترمذی کے علاوہ اسی سند سے احمد (رقم ۷۰۴) اور دارمی (۲/ ۴۳۵) نے بھی روایت کی ہے اور جیسا کہ خود ترمذیؒ نے بھی کہا ہے یہ ضعیف ہے لیکن اس کے جملہ مضامین کی صحاح اور زوائد کی متعدد حدیثوں سے تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۴/ ۳۵۹ (ملتان) میں کہا ہے کہ معنی کے لحاظ سے اس حدیث کے صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ (طارق)

[2] چند سطروں کے بعد سورۂ مائدہ کی آیت میں اس کی صراحت آرہی ہے۔ (طارق)

نہیں سمجھ سکتے تھے اور جو کچھ ایک دَور کے لوگوں نے سمجھ لیا اسی پر انحصار نہیں کہ بعد میں اس سے کچھ اور نہیں سمجھا جا سکتا۔

قرآن مجید تو ایک ایسا بے کنار سمندر ہے جس کا کوئی ساحل ہی نہیں اور اس کی کوئی حد ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس اُمت کے لئے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں جیسا کہ گزشتہ اُمتوں کے لئے ہر دور میں ایک نہ ایک نبی تشریف لاتے تھے اور اپنی اپنی کتابوں کے ذریعہ ان لوگوں کی رہنمائی اور ان کے معاملات کے فیصلے کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَ نُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَ الرَّبَّانِيُّونَ وَالأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللهِ۔

''ہم نے توریت نازل فرمائی جس میں رہنمائی بھی تھی اور روشنی بھی، تمام نبی جو اسلام پر قائم تھے اسی کے ذریعہ ان یہودیوں کے معاملات کا فیصلہ کیا کرتے تھے اور اسی طرح (توریت ہی کے ذریعہ) علماء ربانی اور مشائخ فیصلے کرتے تھے، کیونکہ انہی کو اللہ کی کتاب کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا تھا۔'' (۴۴:۵)

یہاں توریت کی حفاظت کی ذمہ داری جیسا کہ آیت میں صاف صاف وضاحت کر دی گئی ہے انہی لوگوں کے ذمے کی گئی تھی چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد اس میں اور تبدیلی ہوگئی، اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے اور اس کے لئے اپنی مخلوق میں سے (ذریعہ کے طور پر) جسے چاہا استعمال فرمایا اور اپنے منتخب بندوں میں جسے چاہا اس کا امین تجویز فرما دیا چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا

''پھر ہم نے جن بندوں کو (اپنے کاموں کی انجام دہی کے لئے) چن لیا اور منتخب فرما لیا تھا ان کو اس کتاب (قرآن مجید) کا وارث و امین بنا دیا۔'' (۳۲:۳۵)

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ إِنَّ لِلّٰهِ أَهْلِيْنَ مِنَ النَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ اپنے مخصوص لوگ ہیں، پوچھا گیا اللہ کے رسول وہ کون لوگ ہیں؟ ارشاد ہوا کہ

أهلُ القُرآنِ هُمْ أهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُه یعنی قرآن مجید والے (جنکا مشغلہ شب وروز قرآن مجید اوراسی سے متعلق خدمات ہیں) اللہ تعالیٰ کے اپنے اور مخصوص لوگ ہیں۔ [۳]

اس اہتمام کی عملی شکلیں:

نقطوں کی ضرورت اوران کا اہتمام:

مصحف عثمانی ایک عام رائے کے مطابق بغیر نقطوں اور بغیر اعراب (زبر، زیر، پیش) کے تھا اور کلمات میں اس بات کی گنجائش تھی کہ اس کو مختلف قرائتوں کے مطابق پڑھ سکیں، اگر چہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حروف کے اوپر نیچے نقطوں کا رواج اسلام سے پہلے بھی عربوں میں موجود تھا لیکن ان کو مذکورہ مقاصد کے تحت [۴] بلا نقطہ چھوڑ دینا مناسب سمجھا گیا۔

مثال کے طور پر:

(۱) يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسَرِ قُلْ فِيْهِمَا إِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (۲:۲۱۹) (نقطہ نہ ہونے کی صورت میں) یہاں لفظ "کبیر" ایک نقطے والی باء کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں اور "کثیر" تین نقطے والی ثاء کے ساتھ بھی، [۵] اور اس کو دونوں ہی طرح پڑھنا درست ہے اور (نقطے نہ ہونے کی صورت میں) قرآن مجید کا رسم الخط دونوں ہی کی گنجائش رکھے گا۔

(۲) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا (۴۹:۶) اس آخری لفظ کو "فَتَبَيَّنُوْا" (مادّہ بین سے) بھی پڑھا جاتا ہے اور "فتثبتوا" [۶] (مادہ ثبت سے) بھی، اور دونوں ہی طرح پڑھنا صحیح قرائتوں میں پایا جاتا ہے۔ [۷]

---

[۳] ابن ماجہ، احمد، دارمی وغیرہم عن انسؓ باسناد درجال الثقات، یہ حدیث علامہ ابن الجزریؒ نے بھی النشر میں نقل کیا ہے

[۴] یعنی الفاظ کو مختلف قرائتوں کے مطابق پڑھنے کی گنجائش رہے، جیسا کہ آگے مثالوں سے ظاہر ہے۔ (طارق)

[۵] یہ حمزہ اور کسائی کی قراءت ہے۔

[۶] یہ بھی حمزہ اور کسائی کی قراءت ہے۔ (اور معنی دونوں صورتوں میں تقریباً یکساں ہی ہیں) (طارق)

[۷] إتحاف فضلاء البشر بالقراءات الأربعة عشر۔ للبنا۔

مشہور یہ ہے کہ عبد الملک بن مروان (متوفی ۸۶ھ مطابق ۷۰۵ء) کے دور میں جب عالم اسلام کی سرحدیں وسیع ہوگئیں اور عربوں کے علاوہ بڑی تعداد میں عجمی لوگ بھی اسلام میں داخل ہوگئے اور الفاظ وحروف کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوگیا تو حجاج بن یوسف ثقفی (متوفی ۹۵ھ مطابق ۷۱۴ء) نے قرآن مجید کے حروف پر نقطے لگوانے کی ضرورت محسوس کی اور اس خدمت کے لئے دو جلیل القدر علماء کو تجویز کیا گیا:

☆ نصربن عاصم الليثي رحمة الله عليه (م ۸۹ھ مطابق ۷۰۸ء) اور
☆ يحي بن يَعمَر العَدواني رحمة الله عليه (م ۱۲۹ھ مطابق ۷۴۶ء)

یہی وہ پہلی نقطہ کاری تھی جو عام لوگوں میں مروج ہوئی۔

ایک رائے یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے قرآن مجید کے حروف پر ذاتی طور پر ابوالاسود دُؤلی (م ۶۹ھ مطابق ۶۸۸ء) نے نقطے لگائے تھے، اور یہ بھی ملتا ہے کہ امام ابنِ سیرینؒ (م ۱۱۰ھ مطابق ۷۲۹ء) کے پاس قرآن مجید کا ایک نسخہ تھا جس میں یحییٰ بن یعمرؒ نے نقطے لگائے تھے۔

عراب کا اہتمام:

عرب لوگ زبر زیر پیش اور سکون وغیرہ کی علامات سے نا آشنا تھے، وہ چونکہ صاحب زبان تھے اس لئے انہیں اس کی ضرورت بھی نہیں تھی[۸]۔ ایک بار ابوالاسود دُؤلی نے ایک شخص کو قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا، اس نے جب یہ آیت پڑھی إِنَّ اللّٰهَ بَرِيٓءٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ رَسُوْلُهٗ۔ ''اللہ تعالیٰ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی۔'' (۹:۳) تو اس نے ''رَسُوْلُه'' کے لام پر پیش کے بجائے کسرہ (زیر) پڑھا[۹]، ابوالاسودؒ اس سنگین غلطی پر لرز اٹھے اور بولے معاذ اللہ یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بری الذمہ ہوجائے۔

---

۸ جیسا کہ اُردو اور دیگر زبانوں کے لوگوں کو اپنی زبان کے الفاظ کو درست پڑھنے کے لئے زبر زیر وغیرہ کی وئی ضرورت نہیں ہے۔ (طارق)

۹ اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوجاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بری الذمہ ہے مشرکین سے بھی اور اپنے رسول سے بھی (معاذ اللہ) (طارق)

اس واقعہ سے قبل بصرے کا گورنر زیاد (وفات ۵۳ھ مطابق ۶۷۳ء) ان سے یہ پیشکش کر چکا تھا کہ آپ قرآن مجید کے حروف پر اعراب لگا دیں (تا کہ غیر عربی داں لوگ اس کے پڑھنے میں غلطی نہ کریں) لیکن یہ اس معاملے میں سرد مہری برت رہے تھے۔ جیسے ہی ابوالاسودؒ کے سامنے یہ واقعہ گزرا وہ فوراً زیاد کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ آپ نے جو پیشکش میرے سامنے رکھی تھی میں اب اس کے لئے تیار ہوں، پھر انہوں نے بھرپور محنت و کوشش سے اعراب لگائے۔

لیکن ابوالاسودؒ نے جو اعراب لگائے تھے ان کی شکل ہمارے موجودہ دور کے اعراب کی سی نہ تھی، انہوں نے جو شکل اُس وقت اوّل اوّل تجویز کی تھی وہ یہ تھی:

فتحہ (زبر) کے لئے یہ ---- (حرف کے اوپر ایک نقطہ)

کسرہ (زیر) کے لئے یہ ---- (حرف کے نیچے ایک نقطہ)

ضمہ (پیش) کے لئے یہ ---- (اجزاء حرف کے سامنے ایک نقطہ)

سکون (جزم) کے لئے یہ ---- (حرف کے اوپر دو نقطے)

ایک عرصے تک یہی علامات مروج رہیں (لیکن ظاہر ہے ان علامتوں میں بڑی خامی تھی، نقطوں اور اعراب میں اشتباہ ہونے کا پورا اندیشہ تھا، مثال کے طور پر نون کے اوپر اگر فتحہ کی علامت لگائی گئی تو دو نقطے جمع ہو گئے اور اب نون اور تاء میں فرق مشکل ہو گیا، یا باء کے نیچے زیر کی علامت کے طور پر ایک نقطہ لگا دیا گیا تو اسے ''ی'' پڑھنے کا اندیشہ ہو گیا، اس لئے تجربات کی روشنی میں اس میں تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی) چنانچہ عبدالملک بن مروان نے اِن نقطوں کو بدل کر انکی جگہ اعراب کی وہ شکلیں تجویز کیں جو آجکل مروج ہیں۔

ضروری بات

میرے مومن بھائی!

جب ہم اس کتاب کے ذریعہ پوری پوری کوشش کر رہے ہیں اور قرآن مجید کی صحیح تلاوت کا طریقہ حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں تو یہ بات بھی ضروری ہے کہ (ہم صرف عربی دانی کے بل پر ہی ازخود قرآن مجید پڑھنا نہ شروع کر دیں بلکہ) کسی ایسے باصلاحیت آدمی سے شروع سے آخر تک پورا قرآن مجید اس کے سامنے بیٹھ کر حاصل کریں جس نے قرآن مجید کے تلفظ پر پوری طرح قابو پایا ہو اور کسی صاحب فن سے علم تجوید بالمشافہ سیکھا ہو، تاکہ (حدیث کی سند کی طرح قرآن مجید کی) سند حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل ہو جائے اس لئے کہ آپؐ نے بھی اس کو حضرت جبریل علیہ السلام سے اخذ کیا تھا (اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ إِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ (۲۷:۶)

''اے نبی آپ بلاشبہ یہ قرآن مجید ایک حکیم وعلیم ہستی کی طرف سے حاصل کر رہے ہیں۔''

(گویا اللہ تعالیٰ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے اخذ کیا اور ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور) آپؐ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور ان سے حضرات تابعین نے اور ان سے بعد کے قراء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے۔

(بالمشافہ قرآن مجید سیکھنے کے بعد) اس کتاب کا (یا تجوید کی کسی بھی کتاب کا) فائدہ یہی ہے کہ جو احکام اور جو باتیں اساتذہ نے بالمشافہ پڑھانے کے دوران بتائی ہیں ان کی شرح و توضیح ہو جائے (یا جو باتیں طالب علم کے ذہن سے نکل سکتی ہیں وہ کتاب کے ذریعہ محفوظ ہو جائیں)۔

پھر یہ کہ تلاوت کے احکام وقواعد کے سیکھنے سے اس نفع بخش علم کو دیگر اہل اسلام تک پہنچانے میں مدد ملتی ہے اور اس طرح ایک سے دوسرا اور تیسرا سیکھتا چلا جاتا ہے اور یہ اس ارشاد نبوی کی تعمیل کی ایک صورت ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ

خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَه

''تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو قرآن مجید کو سیکھتا ہو اور سکھاتا ہو۔'' [1]

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مجھے بھی اور آپ کو بھی ان لوگوں میں شامل فرمادے جنہوں نے علم سیکھا، اس پر عمل کیا اور اسے دوسروں تک پہنچایا اور وہ دوسرے لوگوں کے لئے قابل تقلید نمونہ بن گئے اور اپنے علم میں، عمل میں اور سیکھنے سکھانے میں اپنی نیتوں کو پاک رکھا، اور اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کے اُمیدوار رہے، بلاشبہ اس کے پاس کسی نیکوکار کا کوئی عمل کبھی بے کار نہیں جاتا۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

[1] بخاری، ترمذی، أبو داود، ابن ماجه، عن عثمانؓ۔ كما في جامع الآصول ۲/۲۲۷ وغیرہ۔ (طارق)

باب اوّل

اس میں تین فصلیں ہیں:

پہلی فصل : قرآن مجید کا تعارف ،اس کے نام اور اوصاف و کمالات

دوسری فصل : نزولِ قرآن اوراس کی جمع وترتیب

تیسری فصل : قراءات اورقاریوں کا تذکرہ

پہلی فصل

قرآن مجید کا تعارف اس کے نام اور اس کے اوصاف وکمالات

قرآن مجید کا تعارُف لغۃً اور اصطلاحاً:

لفظ ''قرآن'' لغۃً ''قرأ'' (پڑھا) کا مصدر ہے، بولا جاتا ہے کہ قَرَأَ قِرَاءَةً وَ قُرْآنًا ، یہ فُعْلَان کے وزن پر مصدر ہے جیسے غُفْرَان، شُکْرَان، جو علماء یہ رائے رکھتے ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَ قُرْآنَه، فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَه (۷۵:۱۷-۱۸) یہاں لفظ ''قرآن'' بول کر ''قرأت'' یعنی پڑھنا مراد لیا گیا ہے، اس رائے کے مطابق لفظ قرآن مشتق ٹھہرتا ہے۔

دوسرے بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ لفظ قرآن مشتق نہیں ہے بلکہ اس کتاب مقدس کا عَلَم یعنی نام ہے جیسے ''توریت'' اور ''انجیل'' نام ہیں، امام شافعیؒ اسی رائے کی طرف گئے ہیں۔ [1]

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ لفظ لغۃً مشتق اور استعمالاً عَلَم (نام) ہے اور اکثر ناموں (اعلام) کا یہی حال ہے، مثال کے طور پر لفظ ''محمود'' کو دیکھ لیجئے یہ ''الحمد'' سے مشتق بھی ہے یعنی اسم مفعول ہے لیکن بطور علم کے استعمال ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لفظ ''قرآن'' اصطلاحاً:

اصطلاح میں قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا صاحبِ معجزہ کلام ہے جو خاتم الانبیاء حضرت محمد

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب ''مباحث القرآن'' از استاذ مناع قطان ، و کتاب ''التبيان في علوم القرآن'' از شیخ محمد علي صابوني۔

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جبریل امین کے واسطے سے نازل ہوا اور مصاحف عثمانیہ میں لکھا ہوا ہے۔ تواتر و تسلسل کے ساتھ نقل در نقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے، جس کی تلاوت عبادت قرار دی گئی ہے، جو سورۂ فاتحہ سے شروع ہو کر سورۂ ناس پر پورا ہوتا ہے۔

قرآن مجید کا یہ تعارُف علماء اور اصولیین کے نزدیک معتبر اور متفق علیہ ہے۔

یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے اُمت کے لئے ایک دستور اور ساری مخلوق کے لئے ذریعہ ہدایت اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت کی جیتی جاگتی نشانی اور آپ کی نبوت کی روشن دلیل و برہان بنا کر نازل فرمایا ہے۔ یہ قیامت تک قائم رہنے والی ایسی حجت ہے جو برابر اس بات پر گواہی دیتی رہے گی کہ یہ ایک دانا اور نہایت بلند ہستی کا نازل کیا ہوا کلام ہے، اور یہ تمام قوموں اور نسلوں کے لئے ایسا ابدی معجزہ ہے جو ہر ہر زمانے میں چیلنج کرتا رہے گا۔

قرآن مجید کے نام:

قرآن مجید کے بہت سے نام ہیں جو اس کی رفعتِ شان اور بلندیِ مقام کا پتہ دیتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہیں کہ یہ بلا امتیاز و بلا استثناء تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت رکھتا ہے۔

خود قرآن مجید میں اس کے یہ نام وارد ہوئے ہیں:

☆ **اَلْقُرْآن** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ** (۹:۱۷) ''واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن مجید وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے۔'' (''قرآن'' کے معنی پڑھی جانے والی چیز کے ہیں اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت رکھی ہے کہ یہ دنیا کی تمام کتابوں سے زیادہ پڑھی جاتی ہے، گویا پڑھنے کے لائق اگر کوئی چیز سب سے بڑھ کر ہے تو وہ یہی ہے۔)

☆ **اَلْفُرْقَان** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا** (۱:۲۵) ''بڑی برکت ہے اس کی جس نے اتاری فیصلہ کی کتاب اپنے بندے پر تا کہ رہے جہان والوں کے لئے ڈرانے والا۔'' (ترجمہ شیخ الہند)

(فرقان دراصل اس کسوٹی کو اور فرق و امتیاز کرنے والی اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ اچھا برا اور کھرا کھوٹا الگ ہو جائے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی صاف سامنے آجائے، یہی صفت دنیا کے تمام مذاہب اور ازموں میں قرآن مجید کو حاصل ہے)۔

☆ **التَّنْزِیْل** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ** (۲۶:۱۹۲)

''اور یہ قرآن رب العالمین کا اُتارا ہوا ہے۔''

(یہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور بشر کی تصنیف و اختراع اور کسی انسانی ذہن کی ایجاد نہیں ہے)۔

☆ **الذِّکْر** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ** (۱۵:۹) ''بلاشبہ (یہ ذکر ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم خود ہی اس کے محافظ اور نگہبان بھی ہیں۔''

''ذکر'' یاد دلانے اور نصیحت کرنے والی چیز کو کہتے ہیں، ہر آسمانی کتاب یہی کام کرتی ہے لیکن اب ہمیشہ کے لئے انسانوں کی نصیحت کا سامان اور ان کے لئے محفوظ و قابل اطمینان رہبر بس یہ قرآن مجید ہی ہے)

☆ **اَلْکِتَابُ** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **حٰمٓ وَ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ** (۴۴:۱-۴)

''ح م۔ قسم ہے اس کھلی کتاب کی۔''

(قدیم آسمانی کتابیں پیشوایان مذہب کے ہاتھوں میں ایک راز کے طور پر بند کتابیں تھیں، قرآن مجید ایک کھلی کتاب ہے جو ہر ہر شخص کے پڑھنے کے لئے ہر جگہ موجود ہے اور دنیا کی ہر زبان میں اس کے ترجمے دستیاب ہیں)۔

قرآن مجید کے اوصاف و کمالات:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بہت سے اوصافِ جلیلہ بیان فرمائے ہیں اور قرآن مجید کی شاید ہی کوئی سورت ہو جس میں قرآن کی کوئی نہ کوئی بہترین خوبی بیان نہ کی گئی ہو، جو بلاشبہ حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ابدی معجزہ ہے۔

ہم (اختصار کے ساتھ قرآن مجید کے) چند صفاتی نام ذکر کرتے ہیں (جو دراصل اس عظیم کتاب کے کمالات کا عنوان ہیں):

☆ **نور:** يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (۴:۱۷۴)

''اے لوگو: تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک صاف صاف روشنی نازل فرمادی ہے۔''

☆ **مَوْعِظَةٌ** : (نصیحت نامہ)

☆ **شِفَاءٌ** : (جسم، دل اور روح کی جملہ بیماریوں کے لئے شفاء اور ہر قسم کے زہر کے لئے تریاق)

☆ **هُدًى** : (رہبر و رہنما)

☆ **رَحمَةٌ** : (ہمہ جہتی رحمتوں کا سرچشمہ)

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْجَآءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ، وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ (۱۰:۵۷) ''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آچکی ہے جو دل کی بیماریوں کے لئے شفا اور (چلنے والوں کے لئے) رہنما اور (سرچشمۂ) رحمت ہے ایمان والوں کے لئے۔''

☆ **عَزِيْزٌ** : (زبردست)

وَ إِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ (۴۱:۴۱)

''اور یہ درحقیقت ایک بڑی زبردست کتاب ہے''۔

☆ **مُبين** : (کھلی ہوئی صاف صاف)

قَدْ جَآئَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (۱۵:۵)

''بیشک آئی ہے تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک روشن چیز اور ایک کتاب واضح''۔

(قرآن مجید کے لئے ایک لفظ ''مُصْحَف'' بھی بولا جاتا ہے، یہ لفظ قرآن مجید میں اس شکل میں نہیں آیا ہے بلکہ ''صُحُف'' آیا ہے جو چھوٹے چھوٹے تحریری مجموعوں کے معنی میں ہے، اسکا واحد ''صحیفۃ''[۲] ہے، اس معنی میں یہ لفظ عہد صحابہ میں بھی بولا گیا ہے۔[۳]

البتہ لفظ ''مُصْحف'' حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا ہے[۴] اور صحابہ کرام میں بھی مروج رہا ہے[۵] اور آج تک مستعمل ہے، اسکی جمع مَصاحف آئی ہے لیکن یہ قرآن مجید کے تحریری مجموعے کے لئے ہی بولا جاتا ہے بغیر لکھے کو مصحف نہیں کہیں گے۔ جبکہ قرآن مجید کا لفظ عام ہے)۔

☆☆☆☆

☆☆☆

---

۲ لفظ ''صحیفہ'' آج کل عربی صحافت کی دنیا میں اخبارات ورسائل کے لئے مستعمل ہے۔ (طارق)

۳ البخاری عن زید بن ثابتؓ و عن انسؓ، ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف حدیث نمبر ۲۲۲۰، ۲۲۲۱ (طارق)

۴ الطبرانی والبیهقی فی شعب الایمان ملاحظہ ہو مشکوٰۃ المصابیح حدیث نمبر ۲۱۶۷، مجمع الزوائد ۱۶۵/۷، الجامع الصغیر مع شرحه فیض القدیر للمناوی ۵۱۳/۴۔ (طارق)

۵ ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف حدیث نمبر ۲۲۲۱۔ (طارق)

دوسری فصل

قرآن مجید کے نزول کی کیفیت اور اس کی جمع و ترتیب

نزولِ قرآن مجید کا آغاز:

نزولِ قرآن کی شروعات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے چالیسویں سال اور ہجرت نبوی سے تیرہ سال قبل ماہ رمضان کے آخر میں ہوئی۔

اس کی تفصیل صحیح بخاری شریف میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی اس طرح نقل ہوئی ہے:

سب سے پہلے جو حضور اکرم ﷺ پر وحی آنا شروع ہوئی وہ سچے خواب تھے جو نیند میں آتے تھے، جو بھی بات رات کو آپ دیکھتے دن میں صبح روشن کی طرح سامنے آجاتی تھی، اس کے بعد (یہ ہوا کہ) آپ خلوت پسند ہو گئے (آبادی سے دور تنہائی میں رہنا آپؐ کو پسند ہونے لگا۔ چنانچہ آپؐ غارِ حرا میں جا کر خلوت نشیں ہو جایا کرتے تھے اور وہیں پر کئی کئی دن رات عبادت[1] کیا کرتے تھے، پھر جب گھر کا اور اہلیہ کا خیال آتا اور توشہ ختم ہو جاتا تو حضرت خدیجہؓ کے پاس لوٹ آتے اور پھر توشہ لے کر وہیں تشریف لے جاتے، اس کے بعد وہیں قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔

چنانچہ فرشتہ آیا اور اس نے آپؐ سے کہا: پڑھیے! آپؐ نے فرمایا: میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں!

---

[1] اس عبادت کے لئے سیرت کی کتابوں میں ''یَتَحَنَّثُ'' کا لفظ آتا ہے جو عبادت کے لئے بولا جاتا ہے (یعنی آپؐ عبادت کیا کرتے تھے) اس وقت تک ظاہر ہے کہ عبادت کا کوئی طریقہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا نہیں گیا تھا، آپ کے اس ''تحنث'' کی کوئی شکل تاریخ نے بھی محفوظ نہیں کی ہے، بس قلب اطہر میں اللہ تعالیٰ کی ایک معصوم اور کسی مخصوص شکل و کیفیت سے ناآشنا چاہت تھی جو بے چین کر کے آپؐ کو گوشہ تنہائی میں لیجاتی تھی۔ (طارق)

آپؐ فرماتے ہیں کہ فرشتے نے مجھے پکڑا اور اپنے سینے سے لگا کر اس زور سے دبایا کہ میں پریشان ہوگیا، پھر اس نے چھوڑ دیا اور پھر کہا کہ پڑھئے! میں نے (اب بھی یہی) کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں! اُس نے مجھے پھر پکڑ کر سختی سے بھینچا اور پھر چھوڑ دیا اور پھر کہا کہ پڑھئے! میں نے پھر (وہی) کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں!

فرشتے نے مجھے پھر تیسری مرتبہ بھی پکڑ کر (سینے سے لگا کر) سختی سے دبایا اور چھوڑ کر کہا:

''پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے (ساری مخلوق کو) پیدا کیا، پیدا کیا انسان کو خون کے ایک لوتھڑے سے، پڑھئے اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اس حال میں گھر حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ کے پاس آئے کہ آپؐ کا دل دھڑک رہا تھا اور آپؐ نے فرمایا مجھے کپڑا اُڑھاؤ، کپڑا اُڑھاؤ، چنانچہ کپڑا اُڑھایا گیا (کچھ دیر میں) جب آپؐ کے اوپر سے وہ خوف کی سی کیفیت ختم ہوئی تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کے سامنے سارا قصہ دہرایا اور فرمایا کہ ''مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔''

حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا کہ نہیں نہیں! خدا کی قسم! خدا تعالیٰ آپؐ کو ہرگز رسوا نہیں ہونے دے گا، آپ رشتے داروں سے حسنِ سلوک کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ناداروں کو کما کما کے کھلاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں۔

یہ سب سے پہلی آیات تھیں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل ہوئیں[۲]۔

آخری آیت:

نسائی نے عکرمہؒ سے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ قرآن مجید کے آخری الفاظ جو نازل ہوئے وہ یہ تھے:

---

[۲] یہ تمام تفصیل بخاری شریف سے ماخوذ ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ، ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (۲۸۱:۲)

''اس دن (کی ذلت و بے سروسامانی) سے بچو جبکہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف واپس لوٹا دئے جاؤ گے، پھر وہاں ہر شخص کو اپنے کئے ہوئے (اچھے یا برے عمل) کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا اور اس پر (کسی قسم کا) ظلم نہ ہوگا۔''

حضور اکرم صلی الہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول کے بعد نو دن اس (مادی) دنیا میں رہے اس کے بعد رفیق اعلیٰ سے جا ملے، یہ پیر کی رات اور ربیع الاول کی دو تاریخ تھی[۳]۔

نزولِ قرآن کی کیفیت:

قرآن مجید کے نزول دو ہیں:

(۱) پہلا نزول لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر بیت العزۃ[۴] میں ہوا جو پورا کا پورا قرآن مجید یکبارگی نازل ہوا، اور یہ نزول ''شبِ قدر'' میں ہوا جس کے متعلق ارشاد ربانی ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر رات ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں آتی ہے۔

(۲) قرآن مجید کا دوسرا نزول آسمانِ دنیا کے بیت العزۃ سے تھوڑا تھوڑا ہو کر روئے زمین پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر ہوا جو تقریباً تئیس (۲۳) سال[۵] میں مکمل ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے ثابت ہے وہ فرماتے ہیں

---

۳ تاریخِ وصال کے بارے میں مؤرخین کی متعدد روائیں ہیں، ایک رائے یہ بھی ہے جو مؤلف محترم نے اختیار کی ہے۔ (طارق)

۴ ملاحظہ ہو مجمع الزوائد ۷/ ۱۵۷، از اثر ابن عباسؓ (طارق)

۵ بعض علماء نے یہ مقدار بیس اور بعض نے پچیس سال لکھی ہے لیکن صحیح یہی ہے جو لکھا گیا، ملاحظہ ہو **الاتقان** ۱/ ۳۹۔

کہ پورا قرآن مجید یکبارگی آسمانِ دنیا پر نازل ہوا وہ ستاروں کے مقامات[۶] پر تھا، اللہ تعالیٰ ایک کے بعد دوسرا تھوڑا تھوڑا حصہ کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر نازل فرماتے تھے۔[۷]

قرآن مجید کے جمع ہونے کی تفصیل

قرآن مجید کے جمع ہونے کے تین مرحلے ہیں:

پہلا مرحلہ:

پہلی بار عہد نبوی میں جمع ہوا، وہ اس طرح کہ سینوں میں بھی محفوظ رکھا گیا اور تحریر میں بھی جمع کیا گیا، پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرتے تھے پھر ٹھہر ٹھہر کر صحابہ کرام کو سناتے تاکہ وہ اچھی طرح محفوظ کرلیں، آپؐ کو قرآن مجید کے تحریری طور پر محفوظ کرنے کا بھی بڑی باریک بینی سے اہتمام تھا، چنانچہ آپؐ نے متعدد جلیل القدر صحابہ کرام کو جو لکھنا جانتے تھے اس کام کے لئے مقرر فرمایا، جن میں سے مشہور حضرات یہ ہیں:

☆ حضرت زید بن ثابتؓ

☆ حضرت اُبی بن کعبؓ

☆ حضرت معاذ بن جبلؓ

☆ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ

☆ اور چاروں خلفاء کرام رضی عنہم اور انکے علاوہ بعض جلیل القدر صحابہؓ۔

چنانچہ یہ حضرات نزول قرآن کے منتظر رہتے تھے اور جیسے ہی کچھ نازل ہوتا فوراً یہ حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کر کے لکھتے اور آپؐ ان لوگوں کو حکم فرماتے کہ اس

---

۶ روایت کے الفاظ ہیں ''وکان بمواقع النجوم'' (طارق)

۷ رواه الحاكم والبيهقي وغيرهما من طريق منصور عن سعيد بن جبير عن ابن عباسؓ – قال فذكره۔

آیت کو فلاں مقام پر فلاں آیت کے بعد لکھو، یہ اہتمام اس لئے کہ جس طرح لکھا جائے پھر اسی طرح یاد کیا جائے (اور مضمون کا تسلسل برقرار رہے)

قرآن مجید کے عہد نبوی کے ایک کاتب حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ جب میں لکھ کر فارغ ہو جاتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ پڑھ کے سناؤ، میں سناتا، اگر کوئی لفظ چھوٹ گیا ہوتا تو آپؐ اُسے درست کراتے پھر اسے لوگوں کو پہنچایا جاتا تھا۔ [۸]

آپؐ نے (شروع میں یہاں تک حکم) فرما دیا تھا کہ مجھ سے سن کر علاوہ قرآن مجید کے کچھ نہ لکھا جائے اور جس نے کچھ اور لکھ رکھا ہو وہ اسے مٹا ڈالے۔ [۹]

صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حرفاً حرفاً اخذ کیا ہے کوئی ایک حرف بھی چھوٹنے نہیں دیا، اسطرح خود عہد نبوی ہی میں قرآن مجید سینوں میں بھی محفوظ ہو چکا تھا اور سفینوں یعنی تحریر میں بھی، حضرت جبریل علیہ السلام جب کوئی آیت یا چند آیات لے کر آپؐ کے پاس حاضر ہوتے تو وہ ان آیات کے متعلق یہ بھی بتاتے تھے کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ اِن آیات کو آپؐ فلاں سورت میں فلاں جگہ پر رکھئے، پھر اسی کے مطابق آپؐ اپنے لکھنے والوں کو ہدایت فرماتے کہ اس آیت کو فلاں جگہ لکھو۔

اسی لئے علماء اسلام اس بات پر متفق و مجتمع ہیں کہ قرآن مجید کو جس شکل میں (اور جس ترتیب سے) تحریر شدہ آج ہم دیکھتے ہیں یہ حکم الٰہی کے مطابق اور وحی کی رہنمائی میں اسی شکل میں لکھا گیا تھا، البتہ یہ عہد نبوی میں ایک ہی مجموعے میں اکٹھا اور یکجا نہیں تھا (چھوٹے چھوٹے مجموعوں میں الگ الگ حصے تھے)۔ [۱۰]

---

۸ رواه الطبراني في الأوسط ورجاله موثقون- مجمع الزوائد ۱/۱۵۲ (طارق)

۹ صحیح مسلم عن أبي سعیدؓ

۱۰ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف حدیث نمبر ۲۲۲۰-۲۲۴۱ میں تفصیل درج ہے (طارق)

دوسرا مرحلہ عہد صدیقی میں :

قرآن مجید کے جمع وتدوین کا دوسرا مرحلہ خلافت صدیقی میں انجام پذیر ہوا۔

صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے کہ جنگ یمامہ کے بعد (جس میں ستر قاری یعنی قرآن مجید کے حافظ شہید ہوگئے تھے) مجھے امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بلایا، میں پہنچا تو وہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے، حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ یہ عمرؓ میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یمامہ کے شدید معرکے میں قرآن مجید کے بہت سے حفاظ کام آگئے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ ایسے ہی دیگر معرکوں میں اگر اور حفاظ کرام شہید ہوتے رہے تو قرآن مجید کا بہت سا حصہ کہیں ان کے سینوں ہی میں نہ چلا جائے، اس لئے (عمرؓ کہتے ہیں) میرا خیال ہے کہ میں (ابوبکرؓ) قرآن مجید کے جمع وتدوین کا اہتمام کروں۔

(حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ) میں ان سے یہ کہہ چکا ہوں کہ جو کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ ہم کیسے کریں؟ لیکن یہ کہتے ہیں کہ (اس میں کوئی بری بات تو ہے نہیں) یہ تو خدا کی قسم! اچھا ہی کام ہے، یہ مجھ سے بار بار اس بارے میں تقاضا کرتے رہے آخر اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول دیا ہے اور آخر اب میری بھی وہی رائے بن گئی ہے جو عمرؓ کی ہے۔

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جوان ہو، سمجھدار ہو، کسی طرح کی تہمت بھی ہم تمہارے (اور تمہارے دین ودیانت کے) بارے میں نہیں پاتے، پھر یہ کہ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی بھی رہے ہو، اس لئے تم قرآن مجید (کے مختلف اجزاء) کو تلاش کرو اور اس کو جمع کرو، حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر مجھے یہ حضرات کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لا ڈالنے کا حکم دیدیتے تو وہ کام میرے لئے اس عظیم ذمہ داری کے مقابلے میں آسان تھا۔

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے وہی عرض کیا (جو شروع میں وہ خود حضرت عمرؓ سے کہہ چکے تھے) کہ جو کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا آپ حضرات کیسے کر رہے ہیں؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! یہ تو اچھا ہی کام ہے (اس میں کوئی برائی تو ہے نہیں!) حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ مجھ سے اس بارے میں اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرح اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول دیا (اور پھر میں بھی صرف حکم کی تعمیل میں نہیں بلکہ واقعی ضرورت سمجھ کر اس کے لئے تیار ہو گیا)۔

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے قرآن مجید کے اجزاء کو کھجور کی چوڑی شاخوں سے پتھر کی ٹکڑیوں سے اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا (اور لکھنا) شروع کر دیا یہاں تک کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ تا آخر۔ مجھے ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس ملی جو کسی اور کے پاس نہیں تھی۔[11]

(حضرت زیدؓ کا مرتب کردہ) یہ مجموعہ صحیفوں (چھوٹے چھوٹے حصوں) کی شکل میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس محفوظ رہا، ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس اور ان کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس رہا۔[12]

---

[11] اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ آیت متواتر نہیں (اور صرف ایک فرد واحد کی بنیاد پر قبول کر لی گئی) بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت زیدؓ کی کوشش یہ تھی کہ قرآن مجید کا جو کچھ بھی حصہ وہ جمع کریں وہ کہیں نہ کہیں انہیں لکھا ہوا بھی مل جائے، حضرت زیدؓ حافظ تھے اور یہ آیت خود ان کو بھی یاد تھی اور دیگر متعدد صحابہ کرام کو یاد تھی لیکن تحریری شکل میں صرف حضرت ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس ملی۔ ملاحظہ ہو "مباحث فی علوم القرآن" از قطان۔

[12] ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن۔ معجم طبرانی میں صحیح سند سے ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حفصہؓ اس نسخے کو بہت اہتمام و احتیاط سے رکھتی تھیں اور ہر کس و ناکس کو نہیں دیتی تھیں اور اسی نسخے سے دیگر بہت سے نسخے تیار کئے گئے تھے، اور جیسا کہ آگے آ رہا ہے حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں جو نسخے تیار کرا کے مختلف علاقوں میں بھیجے تھے وہ بھی اسی کی مدد سے تیار کرائے تھے۔ حضرت حفصہؓ کے انتقال کے بعد یہ نسخہ ان کے بھائی اور جلیل القدر صحابی حضرت ابن عمرؓ کی تحویل میں آ گیا تھا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن، و مجمع الزوائد ۷/۱۵۶۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مصحفِ صدیقی کی خصوصیات:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت اور آپ کے زیر اہتمام جو مصحف تیار کیا گیا تھا اس میں جن باتوں کا اہتمام کیا گیا تھا ان میں سے چند یہ ہیں:

۱) پوری باریک بینی سے تلاش و تفحص کیا گیا اور مکمل انضباط کے ساتھ قلم بند کیا گیا۔

۲) اس میں ایسی کوئی آیت نہیں آنے دی گئی جس کی تلاوت منسوخ ہو چکی تھی۔

۳) اس پر اجماع اُمت تھا اور اس میں جو قرآنی آیات درج ہوئیں وہ تمام متواتر تھیں۔ (کسی ایک دو یا دس پانچ ہی افراد کے بیان پر موقوف نہیں تھیں)

۴) یہ مصحف ساتوں حروف کی رعایت پر مشتمل تھا، (جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے)

یہ تمام وہ خصوصیات ہیں جنکی وجہ سے تمام صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو قرآن مجید کے ضائع ہونے سے بچانے کا ذریعہ بنالیا۔

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید کے سلسلے میں تمام لوگوں سے بڑا اجر ابوبکرؓ کا ہے، اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے وہ قرآن مجید کے سب سے پہلے جمع کرنے (اور محفوظ کر دینے) والے ہیں۔

اور بلاشبہ یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایسی عظیم، منفرد اور ابدی خوبی اور کمال ہے کہ تاریخ کبھی اس کو بھلا نہیں سکتی، حضرت صدیق اکبرؓ کی تجویز اور نگرانی اور حضرت زید بن ثابتؓ کی سعی و عمل، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ [۱۳]

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

اس موضوع پر اُردو زبان میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی تدوین قرآن اور مفتی عبداللطیف رحمانیؒ کی تاریخ القرآن عمدہ کتابیں ہیں۔ علامہ سیوطی کی الاتقان کا بھی اُردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ (طارق)

(۱۳) ملاحظہ ہو التبیان فی علوم القرآن ۵۷۔۵۸۔

تیسرا مرحلہ عہد عثمانی میں:

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ جس وقت ملک شام میں ارمینیہ اور آذر بائیجان کے محاذ پر برسر پیکار تھے اس دوران وہ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کے پاس آئے، ان کو لوگوں کے اختلافِ قرأت (اور قرآن مجید کی تلاوت کے مختلف انداز اور لفظی فرق) سے سخت تشویش تھی، انہوں نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! اس امت کو سنبھال لیجئے قبل اس کے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کا شکار ہو جائے۔

اس پر امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس قاصد بھیجا کہ آپ کے پاس قرآن مجید کا جو نسخہ ہے وہ ہمیں دیدیجئے اس سے ہم کچھ نقلیں تیار کرا کے آپ کو واپس لوٹا دیں گے، چنانچہ وہ نسخہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیا، حضرت عثمانؓ نے یہ خدمت مندرجہ ذیل حضرات کے سپرد فرمادی:

☆ حضرت زید بن ثابت (بن ضحاک الانصاری الخزرجی رضی اللہ عنہ)

☆ حضرت عبداللہ بن زبیر (القرشی رضی اللہ عنہ)

☆ حضرت سعید بن العاص (القرشی الاموی ابوعثمان رضی اللہ عنہ)

☆ حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام (القرشی المخزومی ابومحمد رضی اللہ عنہ)

ان حضرات نے اس قدیم نسخے سے قرآن مجید کے نسخے تیار کئے۔ حضرت عثمانؓ نے اِن (مؤخر الذکر) تینوں قریشی حضرات کو یہ بھی ہدایت فرمادی تھی کہ جب زیدؓ کے اور تم لوگوں کے درمیان کسی لفظ کے متعلق اختلاف ہو جائے (کہ اس کو کس طرح لکھا جائے) تو اس لفظ کو قریش کی زبان (اور ان کے تلفظ) کے مطابق لکھنا اس لئے کہ قرآن مجید انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔

جب یہ کام مکمل ہو گیا تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ سے لیا ہوا مصحف ان کو

واپس لوٹا دیا، اوران تیار شدہ نسخوں میں سے ایک ایک نسخہ ہر علاقے میں بھیج دیا گیا اور حکم صادر کر دیا گیا کہ (اب یہی نسخہ معتبر و مستند ہے) اس کے علاوہ جو مصحف یا کچھ اجزاء اور پارے کسی کے پاس ہوں سب کو نذر آتش کر دیا جائے۔ [۱۴]

جمع ابوبکر صدیقؓ اور جمع عثمان غنیؓ کے درمیان فرق:

علامہ سیوطیؒ نے ابن التینؒ وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے جمع وتدوین اور حضرت عثمان غنیؓ کے جمع وتدوین میں فرق یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے تو اس لئے یکجا کرایا کہ وہ (الگ الگ حصوں کی شکل میں تھا) یکجا مرتب وجمع نہ تھا اور اندیشہ تھا کہ حفاظ کے شہید ہو جانے (یا وفات پا جانے) کے نتیجہ میں کچھ حصہ ضائع نہ ہو جائے، اس لئے انہوں نے قرآن کی سورتوں کی آیات کی ترتیب سے نبوی ہدایات کے مطابق یکجا جمع کرا دیا۔

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا کارنامہ یہ تھا کہ لوگوں نے جب قرائتوں اور الفاظ کے ادا کرنے میں اختلاف شروع کر دیا اور اپنی اپنی لغت کے مطابق پڑھنے لگے [۱۵]

---

[۱۴] بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن۔
مستند ذرائع سے یہ بات ثابت ہے کہ ان نسخوں سے جن لوگوں نے مزید نسخے تیار کئے اور پھر نقل ہوتی رہی ان منقولہ نسخوں کو بھی وقتاً فوقتاً لوگ صحابہ کرام کے پاس آ کر مقابلہ کر کے دیکھتے تھے چنانچہ مسند احمد ۲۱۶/۴۔ اور طبرانی میں بسند صحیح حضرت ابونضرہؒ تابعی کا بیان ہے کہ ہم حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ کے پاس اپنا نسخہ لے کر آئے تا کہ ان کے نسخے سے اسکا مقابلہ کریں: اتینا عثمان بن أبی العاصؓ فی یوم جمعة لنعرض علیه مصحفا لنا علیٰ مصحفه۔ مجمع الزوائد ۳۴۲/۷۔ (طارق)

[۱۵] یہ بات مختلف احادیث سے ثابت ہے اور باجماع امت متفق علیہ ہے قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مختلف صحابہؓ نے قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قرائتوں پر سیکھا تھا اس لئے ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اُسی قرأت کے مطابق قرآن پڑھایا جو اُنہوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی تھی دورِ عثمانی میں اسلام عرب سے متجاوز ہو کر روم اور ایران جیسے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا ہر نئے علاقہ کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو اُن مجاہدین اسلام یا تاجروں سے قرآن سیکھتے تھے جن کی بدولت ان کو نعمتِ اسلام حاصل ہوئی تھی اس طرح قرائتوں کا اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا اور یہ بات ان میں پوری طرح مشہور نہیں ہو سکی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے جس کی وجہ سے عام قرآن پڑھنے والوں میں (نہ کہ ماہرین قرآن میں)
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

مزید یہ کہ ایک نے دوسرے کے طرزِ ادا اور بعض الفاظ کے فرق کو رد کرنا شروع کر دیا تو حضرت عثمانؓ کو اندیشہ ہوا کہ یہ معاملہ بڑھ کے کہیں سنگین صورت نہ اختیار کر لے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے پورا قرآن مجید ایک مصحف اور ایک ہی مجموعہ میں سورتوں اور آیتوں کی نبوی ترتیب کے مطابق جمع کرا دیا، اور تمام مقامی لغات کے مقابلہ میں قریش کی زبان کو ترجیح دی اور دلیل ان کی یہ تھی کہ قرآن مجید انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے خواہ دوسری مقامی لغات میں پڑھنے کی بھی اجازت (شروع ہی سے) تھی تا کہ ابتدائی طور پر لوگوں کو دشواری نہ ہو (اس لئے کہ یہ قدرتی بات ہے کہ تمام عمر آدمی جو الفاظ بولتا ہے اس سے مختلف الفاظ کو چاہے وہ سمجھ لے لیکن ان کا بولنا بسا اوقات مشکل ہوتا ہے اس لئے شروع میں وقتی طور پر یہ اجازت دیدی گئی تھی کہ آیت کے مفہوم کو باقی رکھتے ہوئے اگر کوئی ایک آدھ لفظ اپنی علاقائی لغت کا پڑھ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں) بعد میں اب آ کے حضرت عثمانؓ نے طے کیا کہ اب اس کی ضرورت نہیں رہی ہے (لوگ قرآن مجید کے معیاری اور اصل الفاظ کے عادی ہو چکے ہیں) اس لئے تمام مقامی لغات کے الفاظ کو ختم کر کے صرف ایک زبان تک محدود کر دیا گیا۔ (۱۶)

(بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

جھگڑے پیش آنے لگے، بعض اپنی قرائت کو صحیح اور دوسری کی قراءت غلط قرار دینے لگے۔ باہمی نزاع کی دوسری وجہ یہ بھی ہوئی کہ حضرت زید بن ثابتؓ کے لکھے ہوئے نسخۂ قرآن (جو کہ مدینہ میں موجود تھا) کے سوا کوئی اور نسخہ پورے عالم اسلام میں موجود نہیں تھا جو پوری امت کے لئے حجت بن سکتا۔ تیسری وجہ باہمی نزاع کی بعض حضرات نے یہ بھی ذکر کی ہے کہ جو الفاظ تفسیر کے بطور تھے یا جو وجوہ قراءت غیر متواتر تھیں ان کو بھی بعض نے اپنے قرآن میں شامل کر لیا تھا اور ان کو قرآن سمجھ کر پڑھنے لگے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے عمدہ ہے۔ انہیں حالات کے درمیان حضرت حذیفہ بن یمان آرمینا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے وہاں اُنہوں نے لوگوں کو قرآن کریم کی قرائتوں کے بارے میں جھگڑتے ہوئے دیکھا۔ مدینہ طیبہ واپس آتے ہی حضرت حذیفہ بن یمان نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ قبل اس کے کہ یہ اُمت یہود و نصاریٰ کی طرح اللہ کی کتاب کے بارے میں اختلاف کا شکار ہو آپ اس کا علاج کیجئے اور کہا کہ میں نے آرمینیا کے محاذ پر دیکھا کہ شام کے لوگ اُبی ابن کعب کی قراءت پڑھتے ہیں جس سے اہل عراق ناواقف ہیں اور اہل عراق عبداللہ ابن مسعود کی قراءت پڑھتے ہیں جس سے اہل شام ناواقف ہیں جس کے نتیجے میں وہ لوگ ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔ علوم القرآن علامہ تقی عثمانی صفحہ ۱۸۷-۱۸۸۔

۱۶ یہ قول صرف حافظ ابن جریر طبریؒ اور امام طحاویؒ کا ہے، ان کے مقابلے میں جمہور علماء امام مالکؒ، علامہ ابن قتیبہؒ، علامہ ابوالفضل رازیؒ، قاضی ابوبکر ابن طیبؒ، امام ابوالحسن شعریؒ، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عثمانؓ نے کتنے نسخے تیار کرائے تھے؟

مؤرخین کی رائیں اس سلسلے میں مختلف ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید کے جو نسخے تیار کرا کے مختلف مقامات پر بھیجے تھے ان کی تعداد کیا تھی؟ مشہور یہ ہے کہ وہ پانچ تھے جو (اس وقت کی مملکت اسلامیہ کے) مقاماتِ ذیل کی طرف بھیجے گئے تھے:

(۱) بصرہ
(۲) کوفہ
(۳) شام
(۴) مکہ مکرمہ
(۵) مدینہ منورہ

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ وہ نسخے چھ تھے اور ایک (چھٹا) انہوں نے اپنے پاس رکھا تھا۔[۱۷]

پورا قرآن مجید ایک مصحف میں عہد نبوی ہی میں کیوں جمع نہیں ہوا؟

اس کا جواب مختصر طور پر الصابونی نے اپنی کتاب اَلتِّبیَان[۱۸] میں یہ دیا ہے:

(باقی پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

قاضی عیاض، علامہ ابن حزمؒ، علامہ ابوالولیدؒ، امام غزالیؒ، ملا علی قاریؒ اس بات پر متفق ہیں کہ ساتوں حروف آج بھی موجود ہیں اور محفوظ ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عرضہ کہ اخیرہ کے وقت جتنے حروف باقی رہ گئے تھے ان میں سے کوئی حرف بھی منسوخ نہ ہوا اور نہ اس کو ترک یا گیا۔ نیز اگر ایک حرف کو باقی اور باقی چھ کو متروک مانا جائے تو اس میں انا نحن نزلنا الذکر نیز وانا لہٗ لحفظون کی خلاف ورزی بھی لازم آتی ہے۔ علوم القرآن علامہ تقی عثمانی، صفحہ ۱۱۸، ۱۲۳، ۱۳۵۔

۱۷؎ الاتقان ج ۱ ص ۱۷۰، ۱۷۱۔ لیکن ابوحاتم سجتانی کے نزدیک مصاحف کے تعداد سات ہیں۔
۱۔ مکی، ۲۔ شامی، ۳۔ یمنی، ۴۔ بحرینی ۵۔ بصری، ۶۔ کوفی، ۷۔ مدنی۔ کتاب المصاحف صفحہ ۴۳۔

۱۸؎ التبیان ص ۵۸۔

(۱) قرآن مجید چونکہ یکبارگی پورا نازل نہیں ہوا تھوڑا تھوڑا ہو کر نازل ہوا ہے اس لئے مکمل ہونے سے پہلے اس کو یکجا لکھنا ممکن نہ تھا۔

(۲) بعض آیتیں (حکم الٰہی کے تحت) منسوخ بھی ہوتی رہتی تھیں قرآن مجید کا (نازل شدہ ہر حصہ) نسخ کے نشانے پر تھا اس لئے بھی اس کو ایک مجموعے میں محفوظ کر دینا ممکن نہ تھا۔

(۳) مصحف کے اندر لکھنے کی مطلوبہ ترتیب وہ نہ تھی جو نزول کی تھی، چنانچہ بعض آیات اخیر دور میں نازل ہوئیں جب کہ انکو ابتدائی سورتوں میں لکھا جانا تھا، ایسی حالت میں پہلے لکھا ہوا تبدیل کرنا پڑتا۔

(۴) (قرآن مجید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بالکل اخیر دور تک نازل ہوتا رہا، چنانچہ) آخری آیات کے نزول میں اور آپؐ کے اپنے پروردگار سے جا ملنے کے درمیان بہت ہی کم وقفہ تھا، آیت وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ (۲۸۱:۲) آپؐ کے سفر آخرت سے صرف نو دن قبل نازل ہوئی تھی (اور اس کے بعد بھی یقین نہیں تھا کہ اب مزید کچھ نازل نہیں ہوگا، یا نازل شدہ حصے میں سے کسی لفظ میں نسخ و ترمیم کی ہدایت نہیں آجائے گی) اس لئے یہ مدت بھی ایک تو ناکافی تھی، پھر نزول مکمل ہو جانے سے قبل جمع و تدوین ممکن نہ تھی۔

(۵) جمع و تدوین اور کسی ایک ہی مجموعے میں جمع کرنے کے جو دواعی و محرکات دورِ صدیق میں پیش آئے وہ عہد نبوی میں نہیں پیش آئے تھے، اس لئے کہ اہل اسلام امن و اطمینان سے تھے اور قرآن مجید کے حفاظ بڑی تعداد میں موجود تھے اور کسی طرح کا فتنہ درپیش نہ تھا بخلاف عہد صدیقی کے کہ اس وقت قراء و حفاظ کی شہادت کے سبب یہ خطرہ درپیش تھا کہ قرآن مجید کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے۔

کسی عرب شاعر نے جمع و تدوین قرآن مجید کے ان واقعات کو ان اشعار میں نظم کیا ہے۔

لَمْ يُجْمَعِ الْقُرْآنُ فِيْ مُجَلَّدٍ عَلَى الصَّحِيْحِ فِيْ حَيَاةِ أَحْمَدْ
لِلأَمْنِ فِيْهِ مِنْ خِلاَفٍ يَّنْشَأُ وَ خِيْفَةِ النَّسْخِ بِوَحْيٍ يَّطْرَأُ
وَكَانَ يُكْتَبُ عَلَى الأَكْتَافِ وَ قِطَعِ الاَدَمِ وَ اللِّخَافِ
وَبَعْدَ إِغْمَاضِ النَّبِيِّ فَا لأَحَقْ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ بِجَمْعِهِ سَبَقْ
جَمَعَهُ غَيْرَ مُرَتَّبِ السُّوَرْ بَعْدَ إِشَارَةٍ إِلَيْهِ مِنْ عُمَرْ
ثُمَّ تَوَلَّى الْجَمْعَ ذُوْ النُّوْرَيْنِ فَضَمَّهُ مَا بَيْنَ دَّفَّتَيْنِ
مُرَتَّبَ السُّوْرِ وَ الآيَاتِ مُخَرَّجًا بِأَفْصَحِ اللُّغَاتِ

(۱) ''صحیح اور راجح قول کے مطابق عہد نبوی میں قرآن مجید ایک جلد میں جمع نہیں ہوا تھا۔

(۲) اس لئے کہ اس وقت کسی اختلاف کے اٹھ کھڑا ہونے کا اندیشہ نہیں تھا، پھر ہر دم تازہ وحی نازل ہونے کی توقع رہتی تھی۔

(۳) اس لئے شانے کی ہڈیوں، چمڑے کے ٹکڑوں اور پتھر کی ٹکڑیوں پر لکھ لیا جاتا تھا۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بند ہوجانے کے بعد جیسا کہ حق تھا حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کے جمع وتدوین میں سبقت فرمائی۔

(۵) انہوں نے حضرت عمرؓ کے مشورے سے یہ کام کیا، لیکن سورتوں کی موجودہ ترتیب اس میں نہیں تھی۔

(۶) پھر یہ جمع وتدوین کی ذمہ داری ذُوالنورین حضرت عثمانؓ نے سنبھالی اور اس کو دو گتوں کے درمیان اکٹھا اور یکجا کردیا۔

(۷) اور اس کو سورتوں اور آیات کی (ترتیب توقیفی کے مطابق جو حضرت جبریل علیہ السلام کی اطلاع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بتائی تھی اور اسی ترتیب سے تمام قراء صحابہ کرامؓ نے اس کو حفظ کیا تھا)، اسی ترتیب کے مطابق حضرت عثمانؓ نے مرتب فرمایا اور فصیح ترین عربی زبان میں اس کو مکمل کیا۔''

تیسری فصل

قراءاورقرائتوں کا بیان

مشہورسات قاری اوران کے راویان: [1]

(۱) نافع مدني (۷۰-۱۶۹ھ) ان کے راوی (عیسی بن مینا ء) قالون [2] (۱۲۰-۲۲۰ھ)، اورورش (۱۱۰-۱۹۷ھ)

(۲) عبداللہ بن کثیر داری مکی (۴۵-۱۲۰ھ)، اوران کے راوی بزّی (۱۷۰-۲۵۰ھ)

(۳) أبوعمروزبان بن علاء بصری (۶۸-۱۵۴ھ) اوران کے راوی دوری (متوفی ۲۴۶ھ) اور (صالح بن زیاد) سوسی (متوفی ۲۶۱ھ)

(۴) عبد اللہ بن عامر شامی (۸-۱۱۸ھ)، انکے راوی ہشام بن عمار ابو الولید (۱۵۳-۲۴۵ھ) اورابن ذکوان (۱۷۳-۲۴۲ھ) اورقُنبل (۱۹۵-۲۹۱ھ)

(۵) عاصم ابن أبي النَّجُوْد كوفي (وفات ۱۲۷-یا-۱۲۸ھ)، ان کے راوی شُعبة (۹۵-۱۹۳ھ) اورحفص (۹۰-۱۸۰ھ)

(۶) حمزہ بن حبیب زیّات کوفی (۸۰-۱۵۶ھ) اور ان کے راوی خلف (بن ہشام البز ارالاسدی ابومحمد) (۱۵۰- ۲۲۹ھ) وخلاد (بن خالد شیبانی) (متوفی ۲۲۰ھ) سلیم کے واسطے سے۔

(۷) علی بن حمزۃ کسائی (۱۱۹-۱۸۹ھ) اوران کے راوی (ابوالحارث) لیث بن خالد

---

[1] یہ قرائتیں وہ ہیں جوابن مجاہد متوفی ۳۲۴ھ نے اپنے طور پر جمع کی تھیں اورانہی کی طرف سے ان کی شہرت ہوگئی۔

[2] قالون رومی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی ہیں ''عمدہ، بہترین'' اس نام سے انہیں ان کے استاد نافع پکارتے تھے آخر وہ اسی نام سے مشہور ہوگئے۔ (طارق)

بغدادی (متوفی ۲۴۰ھ) اور دوری (متوفی ۲۴۶ھ)۔

سات حروف:

قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے سات حرفوں کے مطابق نازل فرمایا ہے، اور یہ در حقیقت امت مسلمہ اور خصوصاً عربوں کی سہولت کے لئے کیا گیا جن کی زبان میں یہ نازل ہوا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا خاص تقاضا تھا اس لئے کہ عربوں کے لہجے اور طرز تکلم متعدد و متنوع تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے ایک حرف پر (یعنی ایک ہی طریقے) پر قرآن مجید پڑھنا بتایا، میں نے ان سے گفتگو کی اور بار بار مزید طریقوں کے لئے تقاضا کرتا رہا اور وہ (اللہ تعالیٰ کی اِجازت سے) اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ سات حرفوں (اور طریقوں) تک منظوری مل گئی۔[۳]

اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ لمبی حدیث صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اِرشاد فرمایا: قرآن مجید میرے اوپر ''سات حرفوں'' کے مطابق نازل ہوا ہے اس لئے ان میں سے جس میں تمہیں سہولت ہو پڑھ لیا کرو۔[۴]

اور احرف حرف کی جمع ہے ''حرف'' کے بہت سے معنی آتے ہیں، حرف سے اس حدیث میں کیا مراد ہے؟ اس بارے میں علماء کرام کے درمیان بہت اختلاف ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، زیادہ بہتر رائے وہ ہے جو امام رازیؒ نے اختیار کی ہے اور اس سے بہت ملتی جلتی آراء ابن قتیبہؒ، ابن الجزریؒ اور ابن الطیبؒ کی بھی ہیں، اس

---

۳ بخاری، مسلم۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔
۴ بخاری، مسلم۔

رائے کا خلاصہ امام رازیؒ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ (تمام قراءات متواترہ اور شاذہ) کے تمام اختلافات سات قسموں سے باہر نہیں ہیں:

(۱) اسماء میں مثلاً مفرد، تثنیہ اور جمع کا یا مذکر مؤنث ہونے کا اختلاف۔

(۲) افعال کا صرفی اختلاف جیسے ماضی مضارع اور امر کا اختلاف۔

(۳) ''اعراب کا اختلاف'' (یعنی کلمات کے آخری حروف پر زیر زبر پیش آنے کا اختلاف)

(۴) حروف کی کمی یا زیادتی کا اختلاف۔

(۵) کلمات کی تقدیم، تاخیر کا اختلاف۔

(۶) حروف کے بدل جانے کا اختلاف۔

(۷) لغات کے طرزِ ادا کا اختلاف۔[۵]

قراءت صحیحہ کے ارکان تین ہیں

قراءت قرآن مجید کے جو مختلف طریقے منقول ہیں ان کے درست نا درست کو جانچنے کے جو قاعدے علماء قراءت اور ابن الجزری وغیرہ نے تجویز کئے ہیں وہ اصولی طور پر تین بنیادوں پر مشتمل ہیں جن کو امام ابن الجزریؒ نے مختصراً یوں بیان کیا ہے:

---

[۵] شارحین حدیث نے اس بارے میں نہایت طویل بحثیں کی ہیں، اور جیسا کہ محترم مؤلف نے کہا ہے یہ تفصیل کا موقع نہیں ہے، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ سب سے صحیح بات یہ ہے کہ اس سے قرآن مجید کے الفاظ وکلمات کے پڑھنے کی مختلف کیفیات اور طرز ادا مراد ہے جیسے ادغام، اظہار، پُر پڑھنا یا باریک پڑھنا، امالہ کرنا یا نہ کرنا، مد کرنا یا نہ کرنا، ہمزہ پڑھنا یا لین پڑھنا، اس لئے کہ عربوں کی بول چال میں ان چیزوں میں فرق ہے اس لئے یہ سہولت دی گئی ہے تا کہ ہر ایک قبیلہ اپنی زبان اور لب ولہجہ کے مطابق پڑھ سکے۔ ملاحظہ ہو فیض القدیر للمناوی ۲/ ۶۸۔ جو مزید تفصیل دیکھنا چاہے وہ شروح حدیث کا اور علوم قرآن پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں جیسے سیوطیؒ کی الاتقان، یا زرکشیؒ کی البرہان، اسی طرح مناہل العرفان، مباحث فی علوم القرآن، النشر فی القرآت العشر وغیرہ کا مطالعہ کرے۔ (طارق)

(۱) وہ قراءت عربی لغات میں سے کسی ایک لغت کے مطابق ہو (چاہے وہ لغت ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔)

(۲) وہ قراءت حضرت عثمانؓ کے کسی نہ کسی مصحف کے مطابق ہو۔ اگرچہ وہ احتمال اور شمولیت ہی کے درجہ میں کیوں نہ ہو۔

(۳) اس قراءت کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے مطابق ہونا صحیح سند سے ثابت ہو، یہ سب سے اہم معیار اور بنیادی اصول ہے۔

طَیِّبَہ کے مصنف ابن الجزریؒ فرماتے ہیں.....

فَكُلُّ مَا وَافَقَ وَجْهَ النَّحْوِ وَكَانَ لِلرَّسْمِ احْتِمَالاً يُحْوِي

وَ صَحَّ إِسْنَاداً هُوَ الْقُرْآنُ فهذه الثلاثةُ الأركانُ

و حيثُما يختلُّ ركنٌ أثبتِ شُذُوْذَه لو أنَّه في السبعَةِ

''جو قرأت نحوی قاعدے کے مطابق ہو اور رسم (عثمانی) کے موافق ہو چاہے احتمال کے درجے ہی میں ہو، اور صحیح سند سے اس کا قرآن مجید کا حصہ ہونا ثابت ہو تو (وہ درست ہے) یہ تین بنیادیں ہیں، جب ان میں سے کوئی ایک بنیاد بھی نہ رہے تو یقین کرلو کہ وہ قرأتِ شاذ ہے چاہے وہ سبعہ میں سے ہی کیوں نہ ہو۔''

آج کل جو قراءت مروج ہے اس میں یہ تینوں شرطیں اور تینوں بنیادیں پائی جاتی ہیں اس لئے کہ وہ اجماع کے ذریعہ لی گئی ہے۔

اس کتاب میں ہمارا طریقہ:

ہم نے جن اساتذۂ کرام سے قرآن مجید پڑھا ہے ان کی سند حفص بن سلیمان بن مغیرہ اُسدی کوفیؒ تک پہنچتی ہے انہوں نے عاصم بن ابی النجود تابعیؒ سے انہوں نے ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب (ابن رُبیعہ) سُلمیؒ سے انہوں نے حضرت عثمان بن عفانؓ،

حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہم اجمعین سے اور انہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید پڑھا ہے، اور حضرت عثمانؓ کے فیصلے کے بعد سے آج تک یہی قراءت ہمارے مشرقی ملکوں میں مروج و مقبول ہے اور قرآن مجید کے جتنے بھی نسخے ہمارے یہاں چھپے ہیں سب اسی قراءت کے مطابق ہیں اور اس کتاب میں بھی ہم نے تلاوت کے جتنے قاعدے ضابطے لکھے سب اسی تلاوت کے مطابق ہیں۔

☆ ہم نے حفصؒ عن عاصمؒ والی روایت اور اس طرزِ قراءت کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ بلاد اسلامیہ میں یہی قراءت زیادہ شائع اور مروج ہے، اسی کے مطابق ملک شام، جزیرۂ عرب، عراق، ہندوستان، پاکستان، افغانستان، ایران، ترکی، مصر کا بیشتر حصہ اور عالم اسلام کے بیشتر علاقوں میں اسی قراءت کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے۔

☆ وَرْشؒ عن نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت مغرب (مراکش)، الجزائر، تیونس کے بیشتر حصے میں موریتانیہ، سوڈان اور مصر کے کچھ حصے میں مروج ہے۔

☆ قالونؒ عن نافع رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت لیبیا، تیونس کے کچھ حصے میں، مصر کے کچھ حصے میں اور حضرموت کے کچھ حصے میں مروج ہے۔

☆ اور ابوعمرو بصریؒ کی قراءت بروایت سوسیؒ سوڈان کے کچھ حصے میں اور بروایت دوریؒ حضرموت کے کچھ حصے میں رائج ہے۔

.....☆☆☆.....

باب دوم

آپ تلاوت کیسے کریں؟

اس باب میں سترہ فصلیں ہیں

پہلی فصل

تلاوتِ قرآن مجید کے آداب

تمہید:

میرے مسلمان بھائی! جو شخص قرآن مجید کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو قرآنی آداب میں ڈھالے اور قرآنی اخلاق اختیار کرے، اور اس علم سے اس کی غرض صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی ہونی چاہئے، حقیر دنیا کا مفاد اس کے سامنے ہرگز نہیں ہونا چاہئے، اسی طرح (علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ) یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس کے مطابق عمل بھی کرے تاکہ قرآن مجید قیامت کے دن اس کا حمایتی بن جائے صحیح مسلم میں اِرشاد نبوی ہے کہ اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ (قرآن مجید قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں یا تو تمہارا حمایتی ہوگا یا تمہارے خلاف حجت ہوگا)

اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتا ہے کہ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا (۲۵:۳۰)

''اور رسول (بارگاہ الٰہی میں شکوہ کرتے ہوئے) عرض کرے گا کہ پروردگار! میری قوم نے اس قرآن مجید کو ناقابل التفات بنا کر چھوڑ دیا تھا۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ

(۱) جس شخص نے قرآن مجید کی تلاوت نہیں کی اس نے اسے ناقابل التفات گردانا، اور

(۲) جس نے تلاوت کی لیکن اس کے معنی پر غور وفکر نہیں کیا اس نے بھی اسے ناقابل التفات ہی ٹھہرایا (اس لئے کہ یہ صرف اس لئے نہیں نازل ہوا ہے کہ اس کے

الفاظ دہرا لئے جائیں اور اس کے پیغام اور اس کی دعوت وتعلیمات سے آنکھیں بند کرلی جائیں)

(۳) اسی طرح جس نے اسکی تلاوت کی اور اُس کے معنی پر بھی غور وفکر کیا، لیکن اس پر عمل نہیں کیا، تو اس نے بھی اسے نا قابل التفات ہی ٹھہرا دیا ہے۔ دیکھئے تیرہویں فصل کے شروع حضرت ابن عمرؓ کا قول)۔

(تاہم ان تینوں باتوں میں سے جسے جو کچھ بھی نصیب ہوا اسے عظیم سعادت ملی اور جو شخص جتنی خوبی سے محروم رہا اسکی محرومی بھی بہت بھاری ہے۔)

ایک صاحبِ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت اسطرح کرے جیسا کہ اس کا حق ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود بھی یہی طریقہ تھا اور آپؐ کے صحابہ کرام بھی اسی پر عمل پیرا تھے، حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ تَعالیٰ یحبُّ أن یُقْرَأَ القُرْآنُ کَمَا أُنْزِلَ۔

''اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ قرآن مجید کو اسی طرح پڑھا جائے جس طرح وہ نازل ہوا ہے۔''[1]

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ'' قرآن مجید کو اس طرح پڑھنا جیسا کہ اس کا حق ہے'' وہ یہ ہے کہ اس کے پڑھنے میں زبان، عقل اور دل سب شریک رہیں۔

☆ زبان کا حصہ اس میں یہ ہے کہ حروف کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی ہو اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔

☆ عقل کا حصہ اس میں یہ ہے کہ اس کے معنی اور مراد کو سمجھا جائے (کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کیا ہدایت دی ہے اور کس بات سے روکا ہے)

☆ اور دل کا حصہ اس میں یہ ہے کہ قرآن مجید سے وہ نصیحت حاصل کرے، جس بات پر

---

[1] رواه أبو نصر السجزي في كتاب الإبانة عن زيدؓ كما في الجامع الصغير للسيوطي (طارق)

ڈانٹا جارہا ہے ایسی باتوں سے باز آئے (اور اس کا دل خوف محسوس کرے) اور جن باتوں کا حکم دیا جارہا ہے انہیں ماننے کے لئے دل آمادہ ہو۔ یعنی زبان ٹھیک ٹھیک ٹھہر ٹھہر کر پڑھے، عقل اسکا مطلب سمجھے اور دل نصیحت قبول کرے۔

اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتا ہے: كِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ إِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ (۲۹:۳۸)

''یہ بڑی ہی خیر و برکت والی کتاب ہے، اے نبی مکرم! یہ آپ کے اوپر ہم نے اس لئے نازل فرمائی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور عقل و فہم رکھنے والے لوگ اس سے نصیحت اور سبق حاصل کریں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں کے دلوں کے اندر وہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ قرآن مجید کی آیات میں غور و فکر کریں، اس سے نصیحت حاصل کریں، اس کی بتائی ہوئی طاعتوں اور عبادتوں پر عمل پیرا ہوں اور اس کے جملہ حقوق کی ادائیگی کریں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَه خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللهِ و تلك الامثال نضربها للناس لعلهم يتفكّرون (۲۱:۵۹)

''اے مخاطب! یہ قرآن مجید اگر ہم نے کسی پہاڑ کے اوپر اُتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے وہ بھی دب جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ (اپنی زندگی اور اپنی روِش کے بارے میں) غور و فکر کریں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بہت اہتمام تھا کہ اپنے صحابہ کرامؓ کو ٹھیک اسی طرح ترتیل کے ساتھ قرآن مجید پڑھائیں جیسا کہ نازل ہوا ہے، جن صحابہ کرامؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اخذ کرتے ہوئے

(اہتمام سے) پڑھنا سکھایا ہے اُن میں حضرت اُبی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپؐ نے اِرشاد فرمایا: أَقْرَؤُ كُمْ أُبَيّ (تم میں سب سے اچھے قاری ابی بن کعبؓ ہیں)

حضرت ابن مسعودؓ کے متعلق آپ نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّقْرَأَ القُرْآنَ غَضًّا كَمَا أُنْزِلَ فَلْيَقْرَأْ قِرَاءَةَ ابنِ أُمِّ عَبْد ۔ [۲]

''جو شخص یہ چاہتا ہو کہ قرآن مجید کو تر و تازہ بالکل ایسا ہی پڑھے جیسا وہ نازل ہوا ہے تو ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعودؓ کی طرح پڑھے۔''

نیز آپؐ نے اِرشاد فرمایا کہ قرآن مجید ان چار حضرات سے سیکھو:

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(۲) حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما

(۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

(۴) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ [۳]

قرآن مجید کی عمدہ تلاوت کرنے والے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے ہوئے صحابہ کرامؓ سے دیگر بہت سے صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے سیکھا۔

مثال کے طور پر صحابہ کرام میں سے حضرت اُبی بن کعبؓ سے حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن سائبؓ نے سیکھا ہے۔

---

[۲] القول السديد في بيان حكم التجويد للشيخ الحداد ص ۳، و كتاب الجامع لأحكام القرآن للقرطبي (والحديث رواه أحمد و أبو يعلى والبزار عن أبي هريرة رضي الله عنه۔ كما في مجمع الزوائد ۲۸۸/۹) (طارق)

[۳] رواه البخاري عن عبدالله بن عَمروؓ

تابعین میں سے عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ مخزومیؒ، ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمیؒ، اور ابو العالیہ الریاحیؒ نے سیکھا ہے اور یہ تسلسل قراءت کے مشہور دس سلسلوں میں سے نو سلسلوں میں آج تک تواتر کے ساتھ چلا آرہا ہے، اور یہ نو حضرات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) نافع مدنیؒ (۲) ابوجعفر مدنیؒ
(۳) عبداللہ بن کثیر مکیؒ (۴) ابوعَمر وبصریؒ
(۵) یعقوب بصریؒ (۶) عاصم کوفیؒ
(۷) حمزہ کوفیؒ (۸) کسائی کوفیؒ
(۹) خلف کوفیؒ

البتہ دسویں سند جو عبداللہ بن عامر دمشقیؒ سے ہے جنہوں نے حضرت ابوالدرداءؓ سے یا ایک قول کے مطابق حضرت عثمان بن عفانؓ سے پڑھا ہے، اور چار اُن ائمۂ قرأت کی سندیں جو دس متقدمین قراء کے بعد کے ہیں امام محمد بن محیصن مکی، امام یحییٰ بن مبارک یزیدی[۴]، امام حسن بصریؒ اور امام سلیمان بن مہران اَعمشؒ انکی سندیں منقطع ہو چکی ہیں اور ان کی ترجیحات اور انکی روایت کے مطابق قرأت کرنا شاذ قرار پا چکا ہے۔

آدابِ تلاوت:

قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے بھی کچھ آداب ہیں اور اس کے سننے کے بھی، ایک صاحبِ ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان آداب سے آگاہ بھی ہو اور ان سے آراستہ بھی۔

پڑھنا: مثلاً پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا جسم، لباس اور جہاں بیٹھ کر وہ تلاوت کر رہا ہے وہ مقام سب پاک صاف ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور اس

---

[۴] یہ خلیفہ مہدی کے ماموں یزید بن منصور کی طرف نسبت ہے، یہ ان کے بچوں کے اتالیق تھے اس لئے انہی کی طرف نسبت ہوگئی۔ ملاحظہ ہو کتاب الانساب ج ۱۳/ ۵۰۰ للسمعانیؒ۔ (طارق)

کے سامنے عاجزی اختیار کرے، دل میں اللہ کی عظمت و کبریائی کا استحضار ہو، ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور اس کے معنی و مفہوم پر غور و فکر کرتا جائے حقیقت یہ ہے کہ غور و فکر ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے ہی میں ممکن ہے، اسی طرح جہاں نعمتوں اور جنت کا ذکر آئے دل پر خوشی طاری ہو، جہاں سزاؤں کا اور جہنم کا ذکر آئے دل خوف سے لبریز ہو جائے، جب دعاء کی آیت سے گزرے تو وہاں دعاء کرے، جہاں استغفار کا مضمون ہو وہاں اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کرے یا رحمت کی آیت آئے اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کا سوال کرے۔ (اور ہر جگہ قرآن مجید کو اپنے سے مخاطب سمجھے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے ہم کلام ہے) [۵]

سننا : اسی طرح قرآن مجید سننے کے بھی کچھ آداب ہیں مثلاً کان لگا کر سنے، بالکل خاموش ہو جائے، دل کو حاضر کرلے (دھیان کہیں اور نہ رہے) اس کے معنی پر غور کرے اور اس سے نصیحت حاصل کرے، جہاں قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی ہو وہاں ہنسی دل لگی اور فضول کاموں سے پرہیز کرے، جہاں قرآن مجید میں کسی بات کا حکم دیا جا رہا ہے اپنے آپ کو اس حکم کی تابع داری کے لئے تیار کرے اور جہاں کسی کام سے منع کیا جا رہا ہے وہاں بچنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہی بیان کی گئی ہے کہ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن (آپؐ کی عادات و اطوار اور آپؐ کی زندگی مجسم قرآن تھی) [۶]

---

۵ مثلاً سورۂ رحمٰن میں ہر جگہ جہاں فَبِأَيِّ آلَاءِ (تو پھر اے جن و انس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) آئے تو اس سوال کے جواب میں کہنا چاہئے۔ خواہ عربی میں کہے یا اس مفہوم کو اپنی زبان میں ادا کرلے۔ کہ لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ (اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے سب حمد و ثنا تیرے ہی لئے ہے)

یا مثلاً جب سورۂ قیامہ (۷۵) کی آخری آیت پڑھے أَلَيْسَ ذَٰلِكَ (کیا وہ پروردگار اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کردے؟) تو اس کے جواب میں پڑھنے والے کو کہنا چاہئے کہ بلیٰ (کیوں نہیں!)

یا سورۂ مرسلات (۷۷) کی آخری آیت فَبِأَيِّ حَدِيثٍ..... تو پھر اس (قرآن) کے بعد اور کونسی بات پر ایمان لاوینگے۔ آمَنَّا بِاللّٰہ (ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے) اسی طرح سورۂ تین (۹۵) کی آخری آیت الیس اللّٰہ..... (کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟) پڑھے تو اس کے جواب میں کہنا چاہئے: بلیٰ وَ اَنَا عَلیٰ ذٰلِكَ اِنَ الشَّاهِدِيْنَ (کیوں نہیں! اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں) یا صرف بلیٰ (کیوں نہیں!) کہہ لے۔ ان آیتوں کے بعد یہ جوابات متعدد روایتوں میں حضور ﷺ سے ثابت ہیں۔ (طارق)

۶ رواه أحمد و مسلم و أبو داود و الحاكم عن عائشةؓ (طارق)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے تمام کلمات، تمام آیات اور سورتیں حضرت جبریل علیہ السلام سے اخذ فرمائی تھیں اور اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے اخذ کی تھیں، اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتا ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الأَمِينُ عَلىٰ قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (۲۶:۱۹۳-۱۹۵)

''اے نبی مکرم! اس (قرآن مجید) کو صاف صاف عربی زبان میں لے کر آپ کے دل پر روح الامین (حضرت جبریل علیہ السلام) نازل ہوئے ہیں تاکہ آپ بھی (اللہ کی مخلوق کو) ڈرانے (اور سمجھانے) والوں میں (یعنی انبیاء کرام کے مقدس گروہ میں) شامل ہو جائیں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کی ایک مقررہ مقدار تھی جس کا پورا کرنا آپ کا معمول تھا، آپ کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر ہوتی تھی، آپؐ ہر حرف کو اس کا پورا پورا حق دیتے تھے، نہ اس قدر جلدی پڑھتے تھے کہ حروف کٹ جائیں نہ بہت روانی سے پڑھتے تھے (کہ حروف چاہے سلامت رہ جائیں لیکن غور و تدبر نہ ہو سکے) بلکہ ایک ایک حرف (موتی کی طرح) صاف ہوا کرتا تھا، چنانچہ آپؐ (سورۂ فاتحہ میں) ہر ہر آیت پر وقف فرماتے تھے مثلاً الحمد للہ رب العالمین پڑھا اور ٹھہر گئے، پھر الرحمن الرحیم پڑھا اور ٹھہر گئے، پھر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اسی طرح اخیر تک پڑھنے کی عادت شریفہ تھی۔[1]

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت ایک ایک آیت کر کے ہوا کرتی تھی (ایک سانس میں کئی کئی آیات پڑھنے کا معمول نہیں تھا) امام بیہقی نے شعب الایمان میں اور دیگر بہت سے حضرات نے اس مفہوم کی روایات نقل کی ہیں اور

---

[1] اس حدیث کا حوالہ اور اس مضمون کی مزید تفصیل آگے تیرہویں فصل ''وقف و ابتداء'' کے بیان میں آرہی ہے۔ (طارق)

اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ ہر ہر آیات پر وقف کیا جائے اگر چہ اس آیت کا تعلق معنی کے لحاظ سے اگلی آیات ہی سے کیوں نہ ہو لیکن دوسرے حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر آیت کا تعلق اگلی آیت سے ہے تو نہیں ٹھہرنا چاہئے جیسے فَوَيلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔ اور۔ إِنَّ الإِنسانَ لَفِي خُسْرٍ، (یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں اس لئے کہ ان کا تعلق آگے سے ہے۔) [۸]

کبھی کبھی حضور اکرمؐ کو قرآن مجید کا کسی دوسرے سے سننا پسند ہوتا تھا، اور آپؐ کا حال خود پڑھنے میں بھی اور دوسروں سے سننے میں بھی اکثر یہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے عظمت وجلال اور اس کی شان کبریائی کا خیال کر کے اور اپنی امت کی شفقت و ہمدردی میں آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے، حضور اکرمؐ نے ایک موقع پر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے قرآن مجید (کی کچھ آیات) سنانے کو فرمایا، انہوں نے (حیرت سے) عرض کیا کہ میں اور آپؐ کے سامنے پڑھوں؟ آپؐ پر تو یہ نازل ہی ہوا ہے! آپؐ نے اِرشاد فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی سے قرآن سنوں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۂ نساء پڑھنی شروع کی، جب وہ پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچے

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَ جِئْنَا بِكَ عَلَى هٰؤُلَآءِ شَهِيدًا

(۴:۴۱)

"وہ بھی کیا وقت ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔"

تو یہ سن کر آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور آپؐ نے حضرت ابن مسعودؓ سے فرمایا: بس اب ٹھہر جاؤ۔[۹] (اللہ تعالیٰ آپؐ سے مخاطب ہوا تو آپؐ بھی آنسوؤں کی

---

۸ وقف کی تفصیلی بحث آگے تیرہویں فصل میں آرہی ہے اسکی مزید تحقیق اور مذہب راجح وہیں ملاحظہ فرمائیں۔ (طارق)

۹ بخاری باب فضائل القرآن (باب من أحب أن يستمع القرآن من غيره)

زبان میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوگئے، اور بلاشبہ آنسوؤں کی زبان ہر زبان سے زیادہ پر تاثیر ہے۔ آنکھیں پُر آب کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ہر حال میں اللہ کو یاد کرنے کا تھا، آپؐ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، باوضو، بے وضوء ہر حال میں تلاوت فرماتے تھے بس حالتِ جنابت میں تلاوت نہیں فرماتے تھے، [۱۰] حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ تلاوت آہستہ فرماتے تھے یا بلند آواز سے؟ آپؐ نے فرمایا: دونوں طرح۔ [۱۱]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ ایک سورت پڑھتے تو (ایسا لگتا کہ) یہ اپنے سے بڑی سورت سے بھی بڑی ہوگئی ہے (اس کی وجہ حضرت ام سلمہؓ کے بیان سے واضح ہوتی ہے) وہ فرماتی ہیں کہ آپؐ کا پڑھنا کھلا کھلا ایک ایک حرف جدا کر کے ہوتا تھا، جیسا کہ اوپر اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ (کبھی کبھی بعض آیتوں کو آپؐ بار بار دُہراتے تھے چنانچہ ایک بار آیت **إن تُعذِّبهم فانَّهم عبادك تا الحكيم.** کو برابر دہراتے رہے یہاں تک کہ پوری رات گزر گئی۔ [۱۲]

حضرت انس بن مالکؓ سے (حضرت قتادہؒ) نے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کی تلاوت کیسی ہوتی تھی؟ آپ نے جواب دیا کہ آپؐ کھینچ کھینچ کے پڑھا کرتے تھے۔ یعنی جو حروف کھینچنے کے لائق ہیں انکو کھینچتے تھے تاکہ انکے غور کرنے میں مدد ملے اور جو اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہے نصیحت لے سکے۔ [۱۳]

حضرت براء بن عازبؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء کی نماز میں **وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ** پڑھتے سنا تو وہ کہتے ہیں اتنی پیاری آواز میں نے کبھی کسی کی نہیں سنی جیسی آپؐ کی تھی۔ [۱۴]

---

۱۰ زاد المعاد ۱/۱۳۴ ۱۱ ترمذي

۱۲ حديث صحيح رواه احمد في سنده ۵/۱۴۹۔ (طارق)

۱۳ بخاري (أحمد في المسند ۳/۱۲۸، ۱۹۸، والنسائي و ابن ماجة) (طارق)

۱۴ بخاري-

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد گرامی ہے زَیِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ [۱۵]

''قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ذریعہ خوشنما بناؤ'' (یعنی اچھی آواز میں قرآن مجید پڑھا کرو، ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا۔ ''اچھی آواز قرآن مجید کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہے'' [۱۶] آپؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص خوش الحانی سے قرآن مجید نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں [۱۷]، آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کی طرف اتنا متوجہ نہیں ہوتا جتنا کسی نبی کی خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھنے کی آواز پر توجہ فرماتا ہے [۱۸]، خوش الحانی سے بعض حضرات نے بلند آواز سے پڑھنا بھی مراد لیا ہے۔

حدیث شریف کا لفظ ''تغنی'' ہے جس کے دو مفہوم اوپر بیان کئے گئے، ایک تیسرا مفہوم اس کا غنیٰ یعنی بے نیازی کا بھی نکلتا ہے، یعنی جسے قرآن (جیسی دولت) مل جائے اسے دوسری ہر چیز سے غنی، بے نیاز اور بے پرواہ ہو جانا چاہئے، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

كِلاَنَا غَنِيٌّ عَنْ أَخِيْهِ حَيَاتَهُ
وَ نَحْنُ إِذَا مِتْنَا أَشَدُّ تَغَانِيَا

''ہم دونوں عمر بھر ایک دوسرے سے بے نیاز رہے ہیں اور ہم جب مر جائیں گے تو اور بھی زیادہ ایک دوسرے سے بے نیاز ہو جائیں گے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد گرامی ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا چُنا ہوا

---

۱۵ أبو داود، نسائي (و إسناده صحيح والدارمي ۲/ ۴۷۴، وأحمد في المسند ۴/ ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۹۶، ۳۰۴، و ابن ماجه و ابن حبان والحاكم) (طارق)

۱۶ رواه الحاكم في المستدرك عن البراءؓ۔ كما في الجامع الصغير ۳/ ۶۸۔ (طارق)

۱۷ بخاری ۱۳/ ۴۱۸ في التوحيد عن أبي هريرةؓ و أبوداود (۱۴۸۱) عن أبي لبابةؓ وفي موضع آخر عن سعد بن أبي وقاصؓ و أحمد في المسند (۱۴۷۶) (طارق)

۱۸ بخاري (ومسلم و ابو داؤد والنسائی) (طارق)

دسترخوان ہے اس لئے تم اسمیں سے جتنا زیادہ سے زیادہ لے سکتے ہو لے لو [۱۹]

تلاوت کے درجات:

تلاوت کے تین درجات ہیں: ترتیل، حَدر، تدویر۔ اوران میں سے کوئی سا درجہ بھی ''ترتیل'' سے باہر نہیں ہے، اسلئے کہ ترتیل ایک ایسا لفظ ہے جو تلاوت کے تمام ہی درجات کو حاوی ہے بشرطیکہ تجوید کے احکام وضوابط کی رعایت رکھی جائے۔[۲۰] (گویا ترتیل سے مراد ہے سنبھال اور سنوار کے پڑھنا کہ تمام حروف اوران کی جملہ حرکات پوری طرح ادا ہو جائیں، رفتار پڑھنے کی چاہے تیز ہو یا دھیمی)۔

(۱) تلاوت کا پہلا درجہ **ترتیل** ہے، اسکے معنی لغت میں کسی بات کو صحیح نظم وترتیب اور عمدہ دروبست کے ساتھ پیش کرنے کے ہیں۔

اور **اصطلاحا** ترتیل قرآن مجید کو صاف صاف معنی سمجھتے ہوئے بغیر جلد بازی کے پڑھنے کو کہتے ہیں، اس کی ہدایت (خود) قرآن مجید میں دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ رَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً (۷۳:۴) یعنی قرآن مجید کو صاف صاف اس طرح پڑھئے کہ ہر حرف دوسرے حرف سے جدا ہو، اس لئے کہ اس طرح پڑھنے سے قرآن مجید کے معنی کے سمجھنے اور اسکی مراد کے متعلق غور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

(۲) تلاوت کا دوسرا درجہ **حَدر** ہے،[۲۱] یعنی پڑھنے میں روانی اور ڈھیل دے کر

---

۱۹ رواہ الحاکم ۱:۵۵۵ والطبرانی عن عبداللہ بن مسعودؓ کما فی مجمع الزوائد ۷:۱۶۴، والجامع الصغیر ۲/۵۴۶ (طارق)

۲۰ کتاب ''حق التلاوۃ'' میں شیخ حسنی شیخ عثمان نے یہی لکھا ہے جو ہم نے اوپر درج کیا ہے، لیکن بعض حضرات نے تلاوت کے چار درجے بیان کئے ہیں: تحقیق، ترتیل، تدویر، حَدر۔ البتہ امام ابن الجزریؒ نے کتاب النشر میں ''کیف یقرأ القرآن'' کے عنوان کے تحت جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تلاوت کے یہ تین درجات ہیں: تحقیق، حدر، تدویر، اوران میں سے کوئی سا درجہ بھی ترتیل سے باہر نہیں ہے۔

۲۱ حدر کے معنی لغت میں ڈھلان اور پھسلنے، لڑھکنے کے آتے ہیں، مراد یہ ہے کہ اس طرح رواں دواں پڑھنا جیسے ڈھالدار ہموار زمین سے کوئی گول چیز یا پانی بہتا جارہا ہو۔ (طارق)

چلنا اور ساتھ ہی حروف کو پورا پورا ادا کرنا اور انہیں درست بھی رکھنا، یہ تلاوت کی نیکیاں اور سعادت زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ مد اور غنہ وغیرہ کی بھی رعایت کی جاتی ہے۔

(۳) تلاوت کا تیسرا درجہ **تدویر** ہے اور یہ (مذکورہ دونوں درجوں) ترتیل اور حدر کے درمیان ہے اور اکثر ائمہ (فن) اسی طرح پڑھتے رہے ہیں اور وہ مد منفصل کی بھی درمیانی درجے میں رعایت رکھتے تھے۔

مذکورہ درجات میں بہتر کونسا ہے؟

ترتیل سے پڑھنے میں تلاوت کی مقدار کم ہوتی ہے اس کے برخلاف حدر میں (کم وقت میں) زیادہ مقدار پڑھی جاسکتی ہے (پہلے طریقے میں حروف کا حق زیادہ ادا ہوتا اور غور وفکر کا موقع زیادہ ملتا ہے، دوسرے طریقے میں تلاوت کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اور حروف کی تعداد کے مطابق نیکیوں کی مقدار بڑھ جاتی ہے)۔

اسلئے علماء کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ دونوں طریقوں میں سے کونسا طریقہ افضل اور بہتر ہے؟

علماء کا ایک طبقہ تلاوت کی مقدار زیادہ ہونے (یعنی حدر) کو ترجیح دیتا ہے، انکے پیش نظر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نقل کردہ یہ ارشاد نبوی ہے کہ جس نے قرآن مجید کا ایک حرف پڑھا ایک نیکی ملے گی اور ہر نیکی دس گنا ہوتی ہے۔[۲۲] (لہٰذا جتنی زیادہ مقدار پڑھی جائے اتنا ہی بہتر ہے)

لیکن راجح بلکہ درست بات جسکو اکثر قدیم وجدید علماء پسند کرتے ہیں یہ ہے کہ ترتیل سے غور وفکر کے ساتھ تھوڑا سا پڑھنا حدر کے ساتھ زیادہ مقدار میں پڑھنے سے بہتر ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ (نے غور وفکر کو بہت اہمیت دی ہے چنانچہ) فرماتا ہے:

---

۲۲ رواه الترمذي صححه۔

اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ القُرآنَ اَمْ عَلیٰ قُلُوْبٍ أَقْفَالُھَا (۴۷:۲۴)۔

''کیا یہ لوگ قرآن مجید پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر انکے تالے پڑ گئے ہیں؟''

اور ہمیں یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہئے کہ قرآن مجید کی تلاوت سے اصل مقصد اسکا سمجھنا اسمیں فقہ وبصیرت پیدا کرنا (اس کے پیغام پر لبیک کہنا) اور اسپر عمل کرنا ہے، اس کی تلاوت اور اس کا یاد کرنا بھی دراصل اسکے معنی اور مراد کو ہی سمجھنے کا ایک ذریعہ ہے، یہ رائے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے واضح طور پر منقول ہے، اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی سخت سرزنش فرمائی ہے جو قرآن مجید کو سنتے تو تھے لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ مِنْھُمْ مَن یَّسْتَمِع إلَیْكَ حَتّٰی إذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا اُوْلٰئِكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰہ علیٰ قُلُوْبِھِمْ وَ اتَّبَعُوْا أَھْوَائَھُمْ (۴۷:۱۶)

''ان میں کچھ لوگ (اے رسول مکرم!) وہ بھی ہیں جو آپ کی بات سنتے تو ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو اُن لوگوں سے جنہیں علم عطا کیا گیا ہے پوچھتے ہیں کہ ابھی ابھی یہ کیا کہہ رہے تھے؟ یہی وہ لوگ ہیں جنکے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے (بے توفیقی کی) مہر لگا دی ہے اور یہ لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے ہو لئے ہیں۔''

حضرت مجاہدؒ سے کسی نے پوچھا کہ دو آدمی ہیں ایک نے ایک رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھی اور دوسرے نے (اتنی ہی دیر میں) ایک رکعت میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیں اور انکے رکوع سجدے یکساں تھے ان میں کونسا افضل ہے؟

حضرت مجاہدؒ نے جواب دیا کہ جس نے تنہا سورۂ بقرہ پڑھی وہ افضل ہے۔ یہی وجہ ہے بعض قدیم علماء کبھی کبھی ایک ہی آیت کو بار بار دُہراتے رہتے اور اسکے معنی پر غور کرتے رہتے اور اسی طرح صبح کر دیتے تھے، جیسا کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید اسلئے نازل ہوا ہے کہ اسپر عمل کیا جائے، لہٰذا اسکی تلاوت کو معمول بنالو۔

تلاوت میں یہ کام ناجائز ہیں:

(۱) تجوید کے احکام کی رعایت نہ برتنا، وقف کرنے اور پھر شروع کرنے میں قواعد کا خیال نہ رکھنا، اسی طرح ایسی آزادی، بے پرواہی اور لاابالی پن سے پڑھنا کہ حروف اپنے مخرج سے ادا نہ ہوں اور اپنی ضروری صفات سے محروم ہوجائیں یا اپنی مقررہ حد سے زیادہ ہوجائیں یا کم رہ جائیں۔ (مثلاً ث س ص کا فرق یا ذ ز ظ اور ض کا فرق واضح نہ ہو، غنہ مقدار سے کم زیادہ ہوجائے، مد اپنی حد سے کم رہ جائے یا بڑھ جائے وغیرہ)

(۲) اللہ تعالیٰ کا کلام اس انداز سے گا گا کے اور عربی طریقے سے ہٹ کر پڑھا جائے جیسے موسیقی سے لطف اندوز ہوا جاتا اور جھوما جاتا ہے۔ جیسا کہ آج کل کے بعض قاری صاحبان کا طریقہ ہے۔

(۳) ایک ہی آیت اور اس کے ایک ہی حصے میں (بے پرواہی سے) کئی کئی قرائتیں جمع کردینا کہ آیت کا کچھ حصہ نافع کی صحیح قراءت کے مطابق پڑھا اور پھر حفص کی قراءت میں پڑھنے لگے یعنی ایک قراءت میں دوسری قراءت شامل کردی جائے [۲۳]۔

---

۲۳ چنانچہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک قرأت پڑھتے ہوئے دوسری قرأت پڑھنا غلط نہیں بلکہ ایک میں دوسری کا شامل کردینا (اور دونوں کو گڈمڈ کردینا) غلط ہے۔ یعنی ایک صحیح قرأت سے دوسری صحیح قرأت کی طرف منتقل ہوجانا ناجائز نہیں، بلکہ یہ تو کبھی کبھی ضروری ہوتا ہے جیسے طلبہ کو مختلف قرائتیں بتانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا عام لوگ اگر ایک قرأت سے دوسری قرأت میں نکل جائیں اور دونوں صحیح قرأتیں ہوں تو ان پر اعتراض نہ کیا جائے اس لئے کہ قرآن مجید سات حروف پر نازل ہونے کا مطلب اُمت کے لئے آسانی پیدا کرنا ہی ہے۔

ہاں اگر قرأت کا جاننے والا ایک قرأت سے بے پروائی کے ساتھ دوسری قرأت پر چل پڑا تو یہ معیوب بات ہے اس لئے کہ اسمیں اور بے علم عوام میں پھر کیا فرق رہا؟ لیکن پھر بھی اس کو حرام یا ناجائز فعل نہیں کہیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مختلف قرائتوں سے پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتا ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۴) ترقیص: آواز کو نچانا اور رقص کرانا یعنی پڑھنے کے دوران اسطرح مد کرنا کہ جیسے آواز کو توڑ توڑ کر آدمی کئی کئی حرکات درمیان میں لا رہا ہے، جیسے رقص کرنے والا (اپنی چال اور حرکات وسکنات کو) توڑ توڑ کر پیش کرتا ہے۔ [۲۴]

(۵) تحزین: یعنی اپنی قرأت کی طبعی اور قدرتی کیفیت کو چھوڑ کر ایسی غمناک آواز بنا کر پڑھنا جیسے یہ ابھی رودے گا، اور گویا وہ خشوع وخضوع سے مغلوب اور بڑا غمگین ہے،

(بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

اور فخر ومباہات کے طور پر اپنی قرأت دانی کا مظاہرہ کرتا ہے تو یہ پڑھنا بذات خود برا نہیں بلکہ وہ شان دکھانے کا جذبہ بُرا ہے۔

مختلف قرائتوں کا فرق ظاہر کرنے کے لئے کسی آیت یا اسکے کسی ٹکڑے کو پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی آیت کے شروع سے یا کسی ابتداء صحیح سے کسی ایک قرأت کے مطابق پڑھنا شروع کریں اور صرف اُسی قرأت کے تمام قواعد کی رعایت کرتے ہوئے چلیں اور کسی وقف صحیح تک پڑھ لیں، پھر کسی دوسری قرأت کے مطابق اتنے ہی حصے کو پڑھیں، اور اس میں اس دوسری قرات کے تمام قواعد کا اجراء کریں اور اتنے ہی حصے کو پڑھیں، پھر تیسری قرأت اسی طرح تمام قرائتوں کو پڑھیں۔ (طارق)

۲۴ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ قرآن مجید کو عربی لہجوں اور عربی طریقوں سے پڑھا کرو یہود ونصاریٰ اور فاسق (بدکار) لوگوں کی طرح نہ پڑھا کرو، میرے بعد کچھ لوگ آئیں گے جو آواز کو تلاوت کے دوران اسطرح لوٹایا کریں گے جیسے گویا، راہب لوگ اور نوحہ وماتم کرنے والے کیا کرتے ہیں، قرآن مجید انکے حلق سے نیچے بھی نہ اُترے گا، تم سمجھ لینا کہ خود انکے دل بھی فتنوں کا شکار ہیں اور جو اُن کو پسند کر رہے ہیں انکے بھی۔ طبراني في الأوسط والبيهقي في شعب الإيمان عن حذيفة بن اليمانؓ كما في مجمع الزوائد ۷/ ۱۶۹۔ والجامع الصغير ۲/ ۶۵۔

امام نوویؒ نے التبیان میں کہا ہے کہ یہ طریقہ بالاجماع حرام ہے۔ یہاں ایک ناواقف آدمی سوال کرسکتا ہے کہ تلاوت میں آواز کو خوبصورت بنانے کا بھی حکم ہے اور یہ پابندیاں بھی ہیں تو وہ کیا حد ہو کہ آواز خوشنما بھی ہوجائے اور پڑھنے والا ممنوعہ حد میں بھی نہ داخل ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرأت وتجوید کی جو ہدایات اہل فن نے بیان کی ہیں۔ جس حرف کو جس طرح ادا کرنا ہے اسی طرح ادا کرنا، جہاں کھینچنا اور جتنا کھینچنا ہے وہیں اور اتنا ہی کھینچنا جہاں غنہ ہے اس کو مناسب حد میں غنہ کرنا وغیرہ، اگر ان ہدایات کی پابندی کی جائے اور آواز بھی خوش نما بنائی جائے تو اسمیں کوئی برائی نہیں ہے۔

یہی سوال ایک قاری نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے کیا تھا، انہوں نے اس سے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: ''محمد'' حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کروگے کہ کوئی تمہیں ''اے محمّد'' کہہ کر مخاطب کرے؟۔ ملاحظہ ہو (فيض القدير للمناويؒ (طارق)

یہ حرکت (اک آرٹ فنکاری اور بناوٹی چیز ہے جو) ریاء اور دکھاوا ہونے کی وجہ سے معیوب ہے۔

(ہاں اگر حقیقت میں قاری معنیٰ کو سمجھ رہا ہے اور اسکے دل پر قرآن مجید کا واقعی اثر ہو رہا ہے اور اس پر اللہ کا خوف سچ مچ طاری ہے جس سے اس کی آواز میں غمنا کی اور گریہ و بکاء کی کیفیت خود بخود پیدا ہوگئی ہے تو اسمیں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ چیز پسندیدہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **اقرؤا القرآن بالحزن فإنّه نَزَلَ بِالحزن**، یعنی قرآن مجید کو غم کے ساتھ پڑھا کرو اس لئے کہ یہ غم کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے[۲۵] ایک اور موقع پر آپؐ نے اِرشاد فرمایا کہ بہترین قراءت اس کی ہے جو غم کے ساتھ تلاوت کرے۔)[۲۶]

(۶) ترعید: یعنی لرزہ اور کپکپی کی سی کیفیت ظاہر کرتے ہوئے پڑھنا جیسے کوئی سردی میں کپکپا رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے اور ہمیں (قرآن مجید کے سلسلے کی ہر بے احتیاطی سے محفوظ فرمائے اور ہمیں) اپنے اُن باتوفیق بندوں میں شامل فرمائے جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اسکے بہترین حصوں کی پیروی کرتے اور مانتے ہیں۔

.....☆☆☆.....

۲۵ رواه الطبراني في الأوسط عن بريدةؓ. كما في مجمع الزوائد ۷/ ۱۶۹ (طارق)

۲۶ رواه الطبراني عن ابن عباسؓ. كما في مجمع الزوائد ۷/ ۱۷۰ (طارق)

فصل دوم

''لحن'' اور اسکے معنی، اس کی قسمیں اور ہر قسم کا حکم

''لحن'' کے معنی لغت میں ہیں اصل مقام سے ہٹنا اور انحراف کرنا اور اصطلاح میں ''لحن'' کہتے ہیں غلطی کرنے اور قراءت وتجوید کے قواعد کے خلاف پڑھنے کو۔

یہ غلطی دو طرح کی ہوتی ہے، ایک غلطی تو وہ ہے جس سے معنی نہ بدلیں جیسے کوئی نَسْتَعِیْنُ میں دوسرے نون پر زبر پڑھ دے، یعنی نَسْتَعِیْنَ کہدے۔

دوسری غلطی وہ ہے جس سے معنی بدل جاتے ہیں جیسے کوئی اَنْعَمْتَ کے بجائے ت پر پیش پڑھ دے اَنْعَمْتُ کہدے (اصل معنی تو یہ ہونے چاہئیں ''جن پر اے پروردگار! تو نے انعام فرمایا'' لیکن تُ پڑھنے سے معنی یہ ہو گئے کہ جن پر میں نے انعام فرمایا ہے)

قراءت میں غلطی کرنے والے کو لَحَّان اور اسکی غلطی کو ''لَحْن'' کہتے ہیں

''لحن'' کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: لَحْنِ جَلِیْ

یعنی واضح غلطی اور وہ خرابی جو معنی میں بھی خرابی پیدا کر دیتی ہے اور لفظ میں بھی، اصول تجوید وقراءت کے بھی خلاف ہے اور عربی لغت کے بھی، اور کبھی لفظ کی ساخت اور اسکے حروف میں بھی تبدیلی ہو جاتی ہے جیسے سین کو صاد اور ذال کو زای کر دیا جائے۔

اور کبھی اعراب میں فرق ہو جاتا ہے جیسے زبر کے بجائے پیش یا پیش کی جگہ زیر پڑھ دیا جائے یا زبر اور پیش کی جگہ زیر پڑھ دیا جائے۔ وغیرہ

اعراب میں غلطی یہ کہ مثلاً کوئی اَنۡعَمۡتَ (۱:۷) کو اَنۡعَمۡتِ، یا اَنۡعَمۡتُ یا اَنۡعَمَتُ پڑھ دے۔ یا حرف کی غلطی یہ کہ مثلاً اِسی لفظ کو کوئی اَلۡعَمت (ن کی جگہ ل سے) یا أنامت (ع کی جگہ ہمزہ سے) پڑھ دے۔

یا اسی طرح یَوۡمِ الدِّیۡنِ (۱:۴) کو مثلاً کوئی یَوۡمِ التِّیۡن، یا المستقیم (۱:۶) کو المسطقیم یا المصتقیم یا المستغیم پڑھ دے۔ یا پڑھنے میں کوئی حرف گھٹا دے مثلاً اَنۡعَمۡتَ کو اَنَمۡتَ (یہاں عین غائب ہو گیا) یا ہمزہ قطعی کو گرا دیا مثلاً یوں پڑھا صِرَاطَ الَّذینعمت[1]

لحن جلی کو اہل قراءت یا نحوی (اور صرفی) حضرات جن کو علم کی ذرا بھی ہوا لگی ہے بآسانی جان لیتے ہیں[2]

اسکا حکم:

اگر پڑھنے والا یہ غلطی (لحن جلی) جان بوجھ کر کر رہا ہے یا بے پرواہی سے پڑھنے کے نتیجے میں غلطی ہو رہی ہے تو یہ بالاتفاق حرام ہے، ہاں اگر بھول سے ہو گئی یا یہ کہ بے علم ہے (صحیح پڑھنا یا) اس کا کیا حکم ہے اس کو نہیں جانتا تو حرام تو نہیں ہے لیکن اسکی اس کوتاہی (اور نہ سیکھنے) کی وجہ سے سزا کا اندیشہ ضرور ہے جیسا کہ اسکے سیکھنے پر ثواب ہے، اور ایسی

---

[1] حق التلاوة : ص ۵۳۔

[2] البتہ اگر زبر کی جگہ پیش یا پیش کی جگہ زبر پڑھ دیا اور وہ (اتفاق سے) کسی دوسری قراءت کے مطابق ہو گیا تو پڑھنے والے کو غلط نہیں قرار دیا جائے گا چاہے اسے یہ معلوم بھی نہ ہو کہ ایسی بھی کوئی قراءت ہے، اسکو صرف یہ کہیں گے کہ تم نے روایت کے (یعنی روایتِ حفص کے، یا جو قرأت تم پڑھ رہے تھے اسکے) خلاف کیا۔
اسی لئے ضروری کہ جو اساتذہ روایت حفص کے مطابق پڑھاتے ہیں اور وہ کوئی دوسری قرأت نہیں جانتے جب کسی طالب علم (یا کسی شخص) کو زبر زیر پیش کی غلطی کرتے سنیں اور یہ پڑھنا رسم عثمانی (یعنی قرآنی حروف کی موجودہ ساخت) اور عربی لفظ کے مطابق ہو تو وہ یہ نہ کہیں کہ تم غلط پڑھ رہے ہو بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حفص نے ایسے نہیں پڑھا (یا صحیح پڑھ کر صرف یہ کہدیں کہ یوں پڑھو) تاکہ وہ لاعلمی میں کسی صحیح قرأت کو غلط قرار دینے کے مرتکب نہ ہو جائیں۔ اگرچہ کذب فی الروایت لازم آنے کی وجہ سے اس کو بھی غلطی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

غلطی اگر نماز میں جان بوجھ کر ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے ۔(واللہ تعالیٰ اعلم) [۳]

دوسری قسم: لَحْنِ خَفِیْ

خفی کا مطلب چھپی ہوئی یعنی ایسی غلطی جو الفاظ میں پیدا ہو جائے تجوید کے قاعدوں کے خلاف تو ہو جاتا ہے (لیکن یہ غلطی بہت واضح نہیں ہوتی) جیسے رایوں میں تکرار ہو جانا، نون میں بہت زیادہ غنہ ہو جانا، (باریک) لام کا پُر ہو جانا، یا اِدغام کی جگہ اظہار ہو جانا، اخفاء کی جگہ اِقلاب ہو جانا، [۴] مد کا نہ کھینچنا یا جہاں مد نہیں تھا وہاں کھینچ دینا اور اسی جیسی غلطیاں جنکا لفظ یا اعراب یا معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا (بس پڑھنے کی خوبصورتی اور صحیح ادائیگی مجروح ہو جاتی ہے)۔

اور اس غلطی کو خفی (پوشیدہ) اسی لئے کہا گیا ہے کہ اسکو فن تجوید کے ماہر قاری اور صحیح تلفظ کے جاننے والے ہی پہچان سکتے ہیں، (ہر شخص کو یہ غلطی محسوس نہیں ہوگی)۔

اس کا حکم:

اس بارے میں اہل علم کی دو رائیں ہیں:

ایک رائے تو یہ ہے کہ یہ بھی حرام ہے اور اسکا مرتکب بھی گنہگار ہے یعنی اسکا حکم بھی لحن جلی کا ہی ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ قواعدِ تجوید کی رعایت کرنا (اور لحن خفی تک سے پرہیز کرنا) صرف الفاظ کی خوبصورتی اور صحتِ تلفظ (شارپ نیس Sharpness) کا تقاضا ہے "واجب شرعی" نہیں ہے، اس کا بس اَولیٰ اور افضل کا درجہ ہے کہ حروف ٹھہر ٹھہر کر اور صحیح صحیح ادا کئے جائیں لہٰذا (ایسی غلطی کو) مکروہ کہیں گے (حرام نہیں)۔

لیکن پہلی رائے راجح معلوم ہوتی ہے اور متقدمین اسی طرف گئے ہیں اور اس کی

---

[۳] نماز میں لحن ہو جانے کا حکم اور اسکی تفصیلات کے لئے دیکھئے ڈاکٹر وھبہ زحیلی کی کتاب "الفقه الاسلامی" (فقہ کی اکثر کتابوں میں اسکے احکام موجود ہیں، وہاں یہ بحث "زلة القاری" کے زیرعنوان ہوتی ہے، عربی میں طحطاوی علی المراقي ص۱۸۶ میں یہ بحث بہت تفصیل سے درج ہے)

[۴] ان اصطلاحات کا بیان آگے پانچویں فصل میں آرہا ہے۔(طارق)

وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو اخذ کیا، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے اور اُن سے تابعینؒ پھر ائمہ قراءت نے اور اسی طرح نسل در نسل ہم تک تواتر کے ساتھ جو قرآن مجید پہنچا ہے وہ تجوید و ترتیل کے ساتھ ہی پڑھتے ہوئے آیا ہے، لہٰذا (خود قرآن مجید کے ساتھ ساتھ اسکی) تجوید وترتیل (اور اِس مخصوص طرزِ قراءت) کو بھی اجماع کا درجہ حاصل ہو گیا ہے، جسکی خلاف ورزی جائز نہیں۔

(لیکن یاد رہے کہ) یہ جو حکم بیان ہوا ہے عملی تجوید (اور درست پڑھنے کی مشق) کا ہے تجوید وقرائت کے احکام کا نہیں (یعنی اگر کوئی شخص قرآن مجید کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا سیکھ لے تو اِس حکم کی تعمیل ہو گئی اور واجب پورا ہو گیا، اب اسکے لئے یہ واجب نہیں ہے کہ تجوید کے قواعد بھی ضرور سیکھے) واللہ تعالیٰ اعلم۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ کلام یہ کہ لحن چاہے جلی ہو یا خفی حرام یا کم از کم مکروہ ہونے سے باہر نہیں، اور دونوں حالتوں میں (یعنی حرام ہو یا مکروہ) اہل فن کی نظر میں عیب ہے، جو شخص اسکا اہتمام کرے گا وہ اجر کا مستحق ہوگا اور جو غلطی کرے گا وہ گنہگار یا پھر معذور ہوگا کہ یا تو اسکی زبان ساتھ نہیں دیتی یا اسے سیکھنے اور مشق کرنے کا موقع نہیں ملا، اور اللہ تعالیٰ نے (اپنے کرم اور بندوں پر عظیم مہربانی کرتے ہوئے) فرمادیا ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (اللہ تعالیٰ کسی بندے پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا)

ہم اس فصل کی مناسبت سے یہاں یہ دو آیتیں ذکر کرتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهُ عِوَجاً (۱:۱۸)

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی ٹیڑھ اور کجی نہیں رکھی۔''

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ (۲۸:۳۹)

''ایسا قرآن مجید جو عربی زبان میں ہے جسمیں کسی طرح کا ٹیڑھ اور کجی نہیں ہے۔''

دراصل ہمیں جب قرآن مجید کی تلاوت کا اسکے حروف کو درست کرنے اور اسکے الفاظ کو مکمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو تجوید اسی کے حروف کی زینت و آرائش اور اُن کا حسن و جمال ہے، ترتیل و تجوید کا اہتمام کرنے والے کے اجر و ثواب کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت کافی ہے، آپ فرماتے ہیں:

الْمَاهِرُ بالقُرآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الكِرَامِ الْبَرَرَةِ –الحديث [۵]

''قدرت و مہارت سے قرآن مجید پڑھنے والا شخص نیک و معزز لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہے،[۶] اور جو شخص اسے اٹک اٹک کے پڑھتا ہے اور اسے اسکا پڑھنا دشوار ہے اس کے لئے دوہرا اجر ہے (قرآن مجید پڑھنے کا اور اسکی خاطر مشقت جھیلنے اور دشواری کے باوجود لگے رہنے کا)''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ

إنَّ اللهَ يحبُّ أن يُقرأ القُرآنُ كَماَ أُنزِلَ [۷]

''اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ قرآن مجید اسی طرح پڑھا جائے جس طرح وہ نازل ہوا ہے۔''

اس ارشاد نبوی سے صاف طور پر اللہ تعالیٰ کے یہاں اس فن تجوید کی محبوبیت اور پسندیدگی معلوم ہوتی ہے بشرطیکہ خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے حاصل کیا جائے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے محض فضل و کرم ہی سے حاصل ہوتی ہے، اور حقیقت حال کو (اور

---

۵ رواه الائمة الستة عن عائشة رضي الله عنها ۔ (طارق)

۶ فضائل قرآن مجید، شیخ ذکریاؒ (صفحہ ۱۲)

۷ رواه أبو نصر السجزي في الإبانة عن زيد بن ثابت رضي الله عنه (طارق)

دلوں کے حقیقی جذبات وخیالات کو) جاننے والا تو بس اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اپنے ان محبوب بندوں میں شامل فرمائے جن پر اس کا انعام واکرام ہوا جیسے انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین اور بلاشبہ ان لوگوں کی ہم نشینی ورفاقت عظیم دولت ہے۔ آمین

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

فصل سوم

علم تجوید کیا ہے؟

"**تجوید**" کے لغوی معنی خوبصورت بنانے کے ہیں۔

اصطلاحاً تجوید کہتے ہیں قرآن مجید کی تلاوت اس طرح کرنے کو کہ ہر حرف کو اسکا حق دیتے ہوئے پڑھا جائے، اس کے مخرج کی رعایت، صفات کا لحاظ، غنہ، مد، موٹا، باریک وغیرہ تمام قواعدِ تجوید وقرأت کا خیال رکھتے ہوئے تلاوت کی جائے۔

تجوید و قرأت ان چار چیزوں کی رعایت پر موقوف ہے:

(۱) تمام حروف کے مخارج سے واقفیت۔

(۲) ان کی صفات سے واقفیت۔

(۳) اس بات سے واقفیت کہ الفاظ اور حروف کے ایک دوسرے سے ملنے کے نتیجے میں کیا کیا احکام پیدا ہوتے ہیں (جیسے اخفاء، اظہار اور ادغام یا مثلاً اللہ کا لام کب پر ہوگا اور کب نہیں؟ "ر" کہاں پُر ہوگی اور کہاں نہیں؟ یہ حال ان حروف والفاظ کا خود اپنا نہیں ہے بلکہ دوسرے لفظ یا دوسرے حرف کے ملنے یا کسی مخصوص حرکت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے)۔

(۴) بار بار پڑھ کر اور دہرا کر زبان کو ان چیزوں کی مشق کرانا اور مہارت پیدا کرنا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہ تمام چیزیں اِس فن کے پختہ کار ماہرین سے بالمشافہ ساتھ رہ کر ان کی زبان سے سن کر انکے ہونٹوں سے دیکھ کر حاصل کی جائیں، اس فن کو ہر بعد والے نے اپنے سے پہلوں سے اور اخیر میں حضورؐ اور حضرت جبریلؑ سے اسی طرح حاصل کیا ہے (صرف کتابوں اور مضامین کے بل پر یہ فن حاصل نہیں کیا جاسکتا)۔

موضوع : اس فن کا موضوع (جس سے اسمیں بحث ہوتی ہے) قرآن مجید کے کلمات (بحیثیت طرزِ اداء وتلفظ) ہیں۔

فائدہ : اسکا فائدہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے دوران زبان غلطی سے محفوظ ہوجاتی ہے جو باعث اجروثواب ہے۔

واضع : اس علم کو ایجاد کرنے والے (یعنی بحیثیت فن اسکو مدوّن کرنے والے) ائمہ قرأت ہیں، اور اسکا آغاز اسوقت ہوا جب عرب وعجم کا اختلاط ہوا اور عربی زبان وتلفظ کے مسخ ہوجانے کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔

تجوید کے علمی قواعد[1] یہ قواعد جو اہل اسلام میں مروج ہوئے سب سے پہلے کس نے تجویز کئے تھے؟ اس بارے میں رائیں مختلف ہیں:

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ وہ **خليل بن أحمد فراهيدي**ؒ (وفات ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۶ء) ہیں۔

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ وہ **ابو الاسود دُوَلي**ؒ (وفات ۶۹ھ مطابق ۶۸۸ء) ہیں۔

(۳) تیسری رائے یہ ہے کہ وہ **أبو عُبيد قاسم بن سَلاَم الهروي**ؒ، (وفات ۲۲۴ھ مطابق ۸۳۸ء) ہیں۔

البتہ اس فن پر سب سے پہلی مستقل کتاب **إمام موسى بن عبيدالله بن يحي بن خاقان أبو مزاحم خاقاني بغدادي مقرئ** (متوفی سن تین سو پچیس ہجری مطابق ۹۳۷ء) نے تصنیف فرمائی جو "**قصيدة خاقانية**" کے نام سے مشہور ہے۔[2]

---

[1] "علمی قواعد" اسلئے کہا گیا ہے کہ اصل فن کے لحاظ سے عملی طور پر تو اسکے واضع خود حضور اکرم ﷺ ہیں، آپ کے قلب اطہر پر قرآن مجید ترتیل کے ساتھ ہی نازل ہوا تھا (اور اسی طرح آپؐ نے اپنے اصحاب کو پڑھایا تھا)۔

[2] اس کا ذکر ابن الجزریؒ نے اپنی کتاب "غاية النهاية في طبقات القراء" میں کیا ہے، دانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کسائیؒ کی قراءت کے امام تھے، ملاحظہ ہو **مجموع التجويد شرح قصيدة أبي مزاحم الخاقاني** ص ۹۔

غایة :اس فن کو حاصل کرنے کا انجام اور آخری نتیجہ دارین کی سعادت ہے۔

فضیلت : یہ تمام علوم سے افضل واشرف ہے اس لئے کہ اسکا تعلق کتابِ الٰہی اور کلام ربانی سے ہے۔

حکم : اس علم (کے قواعد واحکام) کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور اس (فن کے تقاضوں) پر عمل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض عین ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً (۷۳:۴)

''اور قرآن مجید کو ترتیل سے خوب صاف پڑھا کیجئے''۔

''ترتیل'' نام ہے قرآن مجید کو اس طرح پڑھنے کا جس طرح وہ نازل ہوا ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ''تجوید'' کا مطلب یہ ہے کہ مد کو مبالغے کے ساتھ کھینچا جائے حرکات کا خوب اظہار کیا جائے اور یہ سب وہ قرأت کو خوشنما بنانے کے لئے کرتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اُمت مسلمہ کے ہر فرد کے ذمے تجوید (قراءت) کے احکام کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کرنا فرض ہے اور ان قواعد کی رعایت نہ کرنا ''لحن'' ہے جسکی وجہ سے بہت سے مواقع پر معنی ومراد بدل جاتی ہے اور پڑھنے والا گنہگار ہوتا ہے۔[۳]

نسبت : یہ ''علم تجوید'' علوم شریعت میں شمار ہے۔

ذریعہ :اس کا ماخذ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ وتابعین اور ائمہ فن کی زبانیں اور قراء کرام اور درست پڑھنے والوں کا طرزِ اداء ہے۔

ذریعۂ حکم : (اس کا جو حکم اوپر بیان کیا گیا ہے یہ) (۱) قرآن مجید (۲) سنت نبوی اور (۳) اجماعِ اُمت سے ماخوذ ہے۔

(۱) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً (۷۳:۴)

---

[۳] لحن جلی اور لحن خفی کا بیان ابھی دوسری فصل میں گزر چکا ہے۔

''اور قرآن مجید کو خوب صاف صاف پڑھا کیجئے۔''

یہاں یہ ہدایت صیغہ اُمر کے ساتھ دی گئی ہے اور امر میں اصل یہ ہے کہ وہ وجوب ولزوم کے لئے ہوتا ہے اِلا یہ کہ وہاں کوئی قرینہ اسکو وجوب ولزوم سے ہٹا کر نُدب واستحباب پر محمول کرنے کا پایا جارہا ہو، اور ظاہر ہے کہ یہاں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے لہٰذا یہ امر اپنی اصل یعنی وجوب پر قائم ہے، مزید غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ''رَتِّلْ'' بول کر ہی نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اسی لفظ کا مصدر ''تَرْتِیْلاً'' لاکر اسکی تاکید واہتمام کا اظہار بھی فرمایا، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اسکے اَجر وثواب کا شوق دلانے کے لئے ارشاد فرمایا: وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلاً (۳۲:۲۵) یعنی ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر نازل فرمایا ہے، اسی کو قرآن مجید میں ایک اور جگہ ''مُکْث'' کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا ہے یہ بھی ٹھہراؤ کے معنی میں آتا ہے جو ''عجلت'' جلد بازی کی ضد ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَ قُرْاٰناً فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَأَهٗ عَلَىٰ مُكْثٍ (۱۰۶:۱۷)

''اور ہم نے اس قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا ہے تاکہ آپؐ ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کو سناتے جائیں اور ہم نے اسے بتدریج نازل فرمایا ہے۔''

حضرت علیؓ سے وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد حروف کو صحیح صحیح ادا کرنا اور وقفوں کو پہچاننا ہے۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ مہلت دیتے ہوئے نرم روی سے پڑھنا مراد ہے، حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ الگ الگ ایک ایک حرف کر کے ادا کرنا مراد ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ خوب واضح کر کے پڑھے۔

علماء تجوید فرماتے ہیں کہ سب کا ماحصل یہ ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے، ایک حرف کو دوسرے سے جو بعد میں آرہا ہے جدا رکھتے ہوئے چلئے اور ایسی جلد بازی نہ کیجئے کہ ایک حرف دوسرے میں گھس جائے۔

(۲) سنت نبوی (کی دلیل) یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد گرامی ہے:

إِنَّ اللهَ تَعَالٰی يُحِبُّ أَنْ يُّقْرَأَ الْقُرْاٰنُ كَمَا أُنْزِلَ [۴]

''اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ قرآن مجید کو اسی طرح پڑھا جائے جس طرح وہ نازل ہوا ہے''

(اور ظاہر ہے کہ وہ ترتیل و تجوید کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے، اس لئے اسی طریقے پر پڑھنا ضروری ہے)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قرآن مجید کو اپنی آوازوں کے ذریعہ خوبصورت بناؤ،[۵] ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا جو شخص قرآن مجید کو خوش الحانی سے (اپنی آواز کو سنوار کر) نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں،[۶] آپؐ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ جتنی توجہ سے کان لگا کر کسی نبی کی خوش الحان تلاوت قرآن مجید کو سنتا ہے اتنی توجہ سے کسی اور آواز کو نہیں سنتا۔[۷]

موسیٰ بن یزید کندیؒ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک شخص کو قرآن مجید پڑھا رہے تھے، اس نے جب إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ الْمَسَاكِيْنَ (۹:۶۰) پڑھا تو بے پروائی سے (بغیر مد کے) پڑھ دیا۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطرح نہیں پڑھایا تھا! اس شخص نے پوچھا: پھر کیسے پڑھایا تھا آپ کو؟

حضرت ابن مسعودؓ نے یہی آیت مد کے ساتھ پڑھی اور پھر فرمایا: اسطرح پڑھایا تھا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کیسی ہوتی تھی؟ انہوں نے فرمایا: آپ خوب کھینچ کھینچ کر (حروف کو واضح طور پر ادا کرتے

(۴ تا ۷) ان تمام احادیث کے الفاظ اور انکے حوالے اِسی باب کی پہلی فصل میں آچکے ہیں (طارق)

ہوئے) پڑھتے تھے[۸] (یعنی جو حروف والفاظ کھینچنے کے لائق ہوتے انکو جلد بازی میں بغیر کھینچے نہیں گزر جاتے تھے)۔

(۳) (جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں یہ حکم اجماع اُمت سے بھی ثابت ہے) چنانچہ پوری اُمت عہد نبوی سے لے کر آج تک اس بات پر متفق ہے کہ قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ ہی پڑھنا واجب ہے،[۹] جس کا مطلب یہ ہے کہ تجوید کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت کے ذمے فرض عین ہے جسمیں کسی بھی دَور میں اہل اسلام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں رہا ہے۔

شیخ علی بن صبرہؒ فرماتے ہیں کہ تجوید کا چھوڑ دینا حرام ہے اور اسکا سیکھنا فرض عین ہے، اسلئے کہ یہ ''توقیفی'' ہے[۱۰]، اسمیں کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے، اور جو شخص قرآن مجید کو اس طریقے پر نہیں پڑھے گا جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے نازل ہوا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے گا اور ظاہر ہے کہ انکی مخالفت کرنے والا گنہگار ہے۔

اس سے یہ بات بھی پوری طرح واضح ہوگئی کہ قرآن مجید کو تجوید سے پڑھنا ہر اُس پڑھنے والے مرد وعورت کے اوپر واجب ہے جس پر احکام شریعت لازم ہوتے ہیں، پڑھنے والا جب اسکی رعایت کرتے ہوئے پڑھے گا تو اَجر وثواب کا حقدار ہوگا اور اسے ترک کردے گا تو گنہگار ہوگا، اسلئے کہ قرآن مجید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تجوید کے ساتھ ہی نازل ہوا تھا اور اسی طرح تجوید کے ساتھ ہی ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچا ہے۔

---

۸ بخاری

۹ علامہ شیخ محمد مکی نصرؒ نے اپنی کتاب ''نهاية القول المفيد'' ص ۱۰ میں یہ اجماع نقل کیا ہے۔

۱۰ کسی حکم کے ''توقیفی'' ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس معاملے میں توقف (اور خاموشی سے تسلیم کرلینے کا طریقہ) اختیار کیا جائے، اس میں اجتہاد اور غور وفکر کی گنجائش نہیں ہے، چنانچہ احادیث نبویہ سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ امام شمس الدین ابن الجزری[۱۱] (وفات ۸۳۳ھ مطابق ۱۴۲۹ء) پر اپنی رحمتیں نازل کرے اپنے مقدمہ میں انہوں نے فرمایا ہے:

الأَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ حَتْمٌ لاَزِمٌ مَنْ لَّمْ يُجَوِّدِ الْقُرْآنَ اٰثِمٌ

لأَنَّهٗ بِهِ الإلٰهُ أَنْزَلاَ وَ هٰكَذَا مِنْهُ إِلَيْنَا وَصَلاَ

''تجوید کا سیکھنا اور اس کی رعایت کرنا ضروری اور لازم ہے، جو شخص قرآن مجید کو تجوید سے نہیں پڑھتا وہ گنہگار ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تجوید ہی کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور اسی طرح (ترتیل و تجوید ہی کے ساتھ) ہم تک پہنچا ہے۔''

.....☆☆☆.....

☆☆

☆

---

۱۱ محمد بن محمد بن محمد بن علي بن يوسف أبو الخير شمس الدين العمرى الدمشقي ثم الشيرازي، اس نام اور اسی الجزری یا ابن الجزری نسبت کے تاریخ میں بہت سے حضرات ہیں، خود شمس الدین لقب کے ایک سے زیادہ جزری ہیں لیکن فن قراءت کے امام یہی ہیں اور اس فن میں انکی بہت سی کتابیں ہیں اور سب مقبول ہیں۔ (طارق)

چوتھی فصل

تَعَوُّذ و تَسمِیہ

تعوذ: (اَعوذ باللہ پڑھنا)

قرآن مجید کی تلاوت شروع کرتے وقت اَعوذ باللہ پڑھنا مستحب ہے، خواہ تلاوت کا آغاز کسی سورت کے شروع سے کیا جائے یا درمیان سے، اور ایک رائے یہ ہے کہ اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے، اور اس ہدایت کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

فَإِذَا قَرَأتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ (۹۸:۱۶)

''پھر جب تم قرآن مجید پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔''

پناہ مانگنے کے پسندیدہ اور مقبول الفاظ وہی ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں یعنی ''اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ'' (میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں)

تعوذ کی آواز بلند یا آہستہ ہونے کے لحاظ چار حالتیں ہیں: دو حالتوں میں یہ زور سے پڑھی جائے گی اور دو حالتوں میں آہستہ۔ جب محفلوں میں تلاوت کی جائے، یا جب بچوں کو تعلیم دی جائے تو بلند آواز سے پڑھی جائے، اور جب نماز میں پڑھیں یا انفرادی حالت میں تلاوت کریں تو آہستہ پڑھی جائے۔ [1]

تسمیہ: یعنی پڑھنے والے کا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا،

علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] تلاوت جہراً ہو تو اس میں استعاذہ بھی جہراً ہی ہونا چاہئے ملاحظہ ہو شاطبیہ اور اس کی شرح اور فوائد مکیہ وغیرہ (طارق)

وَلاَ بُدَّ مِنْهَا فِيْ ابْتِدَائِكَ سُوْرَةً
سِوَاهَا، وَ فِيْ الأَجْزَاءِ خُيِّرَ مَنْ تَلاَ

''اور بسم اللہ پڑھنا ہر سورت کے شروع میں- علاوہ سورۂ توبہ کے-ضروری ہے، اور جب درمیان سورت سے پڑھنا شروع کرے تو پڑھنے والے کو اختیار ہے (پڑھے یا نہ پڑھے، لیکن برکۃً پڑھ لے تو بہتر ہے)''۔

تمام ساتوں قاری اس بات پر متفق ہیں کہ سورۂ توبہ کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنی چاہئے، اسلئے کہ قرآن مجید کے اصل تحریری مجموعے میں (شروع ہی سے) بسم اللہ ہر سورت کے شروع میں لکھی ہوئی چلی آرہی ہے۔[۲]

(اور تلاوت کی طرح) ہر اچھے کام کے آغاز میں بسم اللہ پڑھنا مشروع و پسندیدہ ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

كُلُّ أمرٍ ذِي بَالٍ لاَ يُبْدَأُ فِيْهِ "بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ" أَقْطَعُ [۳]

''ہر اہم کام جو اللہ تعالیٰ کی تعریف کے بغیر شروع کیا جاتا ہے وہ ناقص رہتا ہے'' اور ایک روایت ہے: كُلُّ أمْرٍ ذِيْ بَالٍ لاَ يُبْدَأُ فِيْهِ "بِسْمِ اللهِ الرحمن الرحيم" أقطع۔[۴]

''ہر اہم کام جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بغیر شروع کیا جاتا ہے وہ ناقص (اور

---

۲ ملاحظہ ہو کتاب "الإرشادات الجلية في القراء ات السبع من طريق الشاطبية" باب البسملة، ص ۲۰۔

۳ رواه ابن ماجه والبيهقي في السنن وابن حبان في الصحيح (موارد رقم ۵۷۸، ۱۹۹۳) والبغوي و أبو عوانة في مستخرجه على صحيح مسلم عن أبي هريرةؓ و حسنه ابن الصلاح و تبعه السيوطي، وإنما لم يصح لأن فيه قرة بن عبدالرحمان ضعفه ابن معين وغيره و أورد الذهبي في الضعفاء، وقال: قال أحمد: منكر الحديث جداً، ولم يخرج له مسلم إلا في الشواهد. كما في فيض القدري ۱۳/۵ ولذا ضعفه الشيخ الألباني بهامشه على مشكوة المصابيح رقم ۳۱۵۱۔ (طارق)

۴ رواه عبدالقادر الرهاوي في الأربعين والخطيب في تاريخه عن أبي هريرةؓ قال النووي في الاذكار: حديث حسن۔ كما في فيض القدير ۱۴/۵ (طارق)

بے برکت) رہتا ہے'' ۵

تسمیہ کو ملانے یا جدا رکھنے کا حکم:

(تلاوت کرتے کرتے جب کوئی نئی سورت شروع ہو، یا اسی سورت کو دوبارہ پڑھنا ہو تو اسوقت) بسم اللہ پڑھنے کی چار شکلیں ہیں جن میں (شروع کی) تین شکلیں جائز اور چوتھی شکل ناجائز ہے:

(۱) فَصْلِ کُل ۔یعنی جو سورت ختم ہوئی ہے (اسپر سانس توڑ دیا اور) بسم اللہ کو اس سے نہیں ملایا اور نہ نئی سورت سے ملایا (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر بھی سانس توڑ دیا اور اس کے بعد سورت شروع کی۔) وَلاَ الضَّالِّیْنo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمo الٓمّٓ۔

(۲) فصلِ اوّل وصلِ ثانی ۔یعنی جو سورت ختم ہوئی ہے اس سے بسم اللہ کو الگ کر دیا اور نئی سورت سے ملا دیا (یعنی بسم اللہ کے اخیر میں سانس توڑے بغیر نئی سورت شروع کر دی۔) وَلاَ الضَّالِّیْنo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمo الٓمّٓ۔

(۳) وصل کل ۔یعنی جو سورت ختم ہوئی ہے (اسکے آخری لفظ پر سانس توڑے بغیر) بسم اللہ پڑھی (اور بسم اللہ کے اخیر میں بھی سانس نہیں توڑا) اور اس سے ملا کر نئی سورت شروع کر دی۔ وَلاَ الضَّالِّیْنo بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمo الٓمّٓ۔

(یہ تینوں صورتیں جائز ہیں)

(۴) وصل اوّل فصل ثانی ۔ جو سورت ختم ہوئی ہے بسم اللہ کو اس سے ملانا اور نئی سورت سے الگ رکھنا، یہ صورت ناجائز ہے، اسلئے کہ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا بسم اللہ پہلی سورت کا حصہ ہے (جو ختم ہوئی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، وہ تو اگلی

---

۵ دونوں حدیثوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں اللہ کی رحمتوں کا تذکرہ بھی اس کی حمد وثنا ہی ہے۔ ملاحظہ ہو فیض القدیر ۵: ۱۳۔ (طارق)

شروع ہونے والی سورت کا حصہ ہے۔) وَلاَ الضَّالِّيْنَ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ الٓمّٓ۔

تعوذ وتسمیہ اور سورت کو ملانا یا جدا رکھنا:

تلاوت شروع کرتے وقت آدمی (۱) اعوذ باللہ (۲) بسم اللہ پڑھتا ہے پھر (۳) کسی سورت کے شروع سے تلاوت کرتا ہے اسوقت ذیل کی چار حالتیں ہیں اور چاروں درست ہیں: [۱]

(۱) فصل کُل۔ یعنی اعوذ باللہ کو بسم اللہ سے اور بسم اللہ کو سورت کے شروع سے الگ پڑھنا۔

(۲) فصل اوّل از ثانی و وصل ثانی با ثالث۔ یعنی اعوذ باللہ کو بسم اللہ سے الگ کرنا اور بسم اللہ کو سورت کے شروع سے ملا کر پڑھنا۔

(۳) وصل اوّل با ثانی و فصل ثانی از ثالث۔ یعنی اعوذ باللہ کو بسم اللہ سے ملانا اور بسم اللہ پر وقف کر دینا اور پھر سورت کے شروع سے تلاوت کا آغاز کرنا۔

(۴) وصل کل۔ یعنی اعوذ باللہ کو بسم اللہ سے ملا کر اور بسم اللہ کو سورت کے شروع سے ملا کر پڑھنا۔

سورۂ توبہ کا خصوصی حکم:

جہاں تک سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کا معاملہ ہے (تو جب انفال ختم کریں گے اور توبہ شروع کریں گے تو وہاں ظاہر ہے بسم اللہ تو پڑھنی ہی نہیں ہے،) تو اب اس کے پڑھنے کی تین شکلیں ہیں:

---

[۱] جب آدمی سورت کے درمیان سے تلاوت شروع کر رہا ہے تو اسے اختیار ہے کہ اعوذ باللہ پڑھنے کے بعد بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے صرف اعوذ باللہ پر اکتفاء کر لے، لیکن پڑھنے والے کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ جب درمیان سورت سے پڑھنا شروع کرے خواہ ایک ہی آیت کے بعد سے ہو تو بسم اللہ کو اُس آیت سے ملا کر نہ پڑھے کیونکہ اجزاء سورت بسم اللہ کے محل (اور اس کے لئے موزوں مقام) نہیں ہیں، اور اس کو ملانے سے احتیاط زیادہ مقدم اور ضروری ہے، بمقابلہ اس مذکورہ چوتھی شکل کے جہاں بسم اللہ کو ختم ہونے والی سورت سے ملا کر اور بسم اللہ پر وقف کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے (یعنی یہاں ملانا اُس ملانے سے زیادہ غیر موزوں ہے)

(۱) انفال کے آخری (لفظ) کو سورۂ توبہ سے ملانا (یعنی عَلِيْمٌ بَرَاءَةٌ مِنَ اللّٰهِ ..... پڑھنا)

(۲) دونوں کے درمیان سکتہ کرنا، اور یہ صرف حفصؒ کی قراءت ہی میں نہیں بلکہ وَرش، ابوعمروؒ اور ابن عامرؒ کی قراءت میں بھی یہی طریقہ ہے۔

(۳) ان دونوں کے درمیان فصل کرنا، لیکن ان تینوں شکلوں میں بغیر بسم اللہ کے پڑھنا چاہئے۔

کیا بسم اللہ قرآن مجید کی آیت ہے؟:

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ سورۂ نمل (۲۷) کی تیسویں آیت کے اندر جو بسم اللہ ہے: إِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَ إِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ یہ تو بلاشبہ آیت کا جزء (اور قرآن مجید کا حصہ) ہے، لیکن ہر سورت کے شروع میں اور فاتحہ کے شروع میں جو بسم اللہ ہے یہ ان سورتوں کا جزء اور انکا حصہ ہے یا نہیں اور کیا یہ صرف ایک سورت کا اختتام اور دوسری سورت کا آغاز بتانے کے لئے محض ایک علامت ہے؟ اس سلسلے میں علماء کی مختلف رائیں ہیں:

(۱) ''یہ سورۂ فاتحہ کا اور ہر سورت کا جزء ہے۔'' یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

(۲) ''نہ یہ سورۂ فاتحہ کا حصہ ہے نہ کسی اور سورت کا'' یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

(۳) ''یہ قرآن مجید کی ایک مکمل آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے لیکن یہ سورۂ فاتحہ کا (یا کسی اور سورت کا) حصہ نہیں ہے، یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔ اور یہی امام احمدؒ کا مشہور قول ہے۔ (یعنی قرآن مجید کا حصہ ہے کسی متعین سورت کا حصہ نہیں)

نماز میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

نماز میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فرض نماز میں بسم اللہ نہ بلند آواز سے پڑھی جائے نہ آہستہ، نہ سورۂ فاتحہ کے شروع میں نہ کسی اور سورت کے شروع میں، ہاں نفل نماز میں وہ اسکے پڑھنے کی اِجازت دیتے ہیں۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھنے والا (نماز خواہ فرض ہو یا نفل) سورۂ فاتحہ کے شروع میں (ہر رکعت میں) آہستہ سے بسم اللہ پڑھے، اگر ہر سورت کے شروع میں پڑھ لے تو بہت اچھا ہے۔

(۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں: نماز میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہے، جہری نمازوں میں بلند آواز سے اور سرّی (آہستہ) نمازوں میں آہستہ۔

(۴) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے، اسکا بلند آواز سے پڑھنا مسنون نہیں ہے۔

اور اس اختلاف کی اصل بنیاد اس بات پر ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کا اور دیگر سورتوں کا ابتدائی حصہ ہے یا نہیں، جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے۔[۷]

امام حفصؒ عن عاصمؒ کا مسلک یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کا اور علاوہ سورۂ توبہ کے تمام سورتوں کا جزء ہے، ہر دو سورتوں کے درمیان اسکے ذریعہ فاصلہ کیا جائے اور اس قول کی رو سے نماز میں اس کا پڑھنا واجب ہے، اور یہی مسلک ہے قالونؒ، ابن کثیرؒ، کسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو جعفرؒ کا۔

واضح رہے کہ ان قراء کرام رحمہم اللہ کا یہ مسلک حضرت امام شافعیؒ یا کسی اور امام

---

[۷] اس کی مزید تحقیق اور دلائل کی تفصیل امام ابوبکر حصاصؒ کی "احکام القرآن" میں دیکھی جاسکتی ہے۔

کے زیر اثر نہیں ہے اسلئے کہ یہ بیشتر حضرات اُن کے معاصر یا ان سے قدیم ہیں خاص طور پر حضرت عاصمؒ تو امام شافعیؒ سے بہت قدیم، بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے معاصر اور عمر میں غالبًا ان سے بھی کچھ بڑے تھے، اور امام احمد بن حنبلؒ تو حضرت عاصم کی قرأت کی پیروی کیا کرتے تھے، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ **وأهل الكوفة يختارون قرائته وأنا أختارُها** یعنی ''کوفے کے لوگ ان کی قراءت اختیار کئے ہوئے ہیں اور میں بھی اسی کو پسند کرتا ہوں'' لہٰذا ان حضرات کی ترجیحات خصوصاً قراءت کے سلسلے میں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ واللہ اعلم

.....☆☆☆.....

پانچویں فصل

نون ساکن اور تنوین کا بیان

۱۔نون ساکن :

یہ وہ نون ہے جو لکھنے میں، پڑھنے میں، ملا کر پڑھنے میں اور وقف کرنے ہر حال میں باقی رہتا ہے، اور اسماء، افعال اور حروف میں بھی آتا ہے، اسپر زَبر، زیر یا پیش کی کوئی حرکت نہیں آتی، اسکی پہچان جزم یعنی سکون کی علامت سے ہوتی ہے۔

اور یہ یا تو (لفظ کے) درمیان آتا ہے جیسے یَنـأَوْنَ، یَنْهَوْنَ، یَنْحِتُوْنَ۔ اور یا اخیر میں آتا ہے جیسے: مِنْ، اِنْ۔

۲۔تنوین:

یہ بھی (حقیقت میں) نون ساکن زائدہ ہے لیکن یہ صرف اسماء کے اخیر میں آتا ہے اور یہ (یعنی اسکی آواز) پڑھنے میں باقی رہتی ہے لکھنے میں نہیں رہتی، وصل یعنی ملا کے پڑھنے میں یہ نون باقی رہتا ہے وقف کرنے میں باقی نہیں رہتا، اور یہ دو زبر، دو زیر یا دو پیش کی شکل میں ہوتا ہے۔ (یعنی حرف کی شکل میں نہیں بلکہ اعراب کی شکل میں ہوتا ہے، لیکن آواز چونکہ نون کی ہوتی ہے اسلئے اسے نون کہا گیا ہے)۔

دو زبر والی تنوین کی مثال: عَلِیْماً خَبِیْرًا حَکِیْمًا (.....)

دو زیر والی تنوین کی مثال: عَلِیْمٍ خَبِیْرٍ حَکِیْمٍ (.....)

دو پیش والی تنوین کی مثال: عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ حَکِیْمٌ (.....)

تنوین کی دو حالتیں ہوتی ہیں: وقف اور وصل۔

(۱) وقف کی حالت میں اگر لفظ زبر کی تنوین والا ہے تو الف کی شکل میں پڑھیں گے جیسے عَلِیْمَا، خَبِیْرَا، حَکِیْمَا۔ (لیکن گول تاء جو ہ کی شکل میں لکھی جاتی ہے وہ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے، دیکھئے نویں فصل کا ذیلی عنوان: یادداشت)

اور اگر لفظ زیر یا پیش کی تنوین والا ہے تو ہم اُسے ساکن پڑھیں گے مثلاً: عَلِیْمْ، خَبِیْرْ، حَکِیْمْ۔

(۲) وصل کی حالت میں اعراب کی تمام شکلوں میں اسے نون ساکن کی طرح پڑھیں گے مثلاً:

☆ زبر کی حالت میں یہ عَلِیْمَنْ، خَبِیْرَنْ، حَکِیْمَنْ ہو جائے گی یعنی جس حرف پر زبر کی تنوین ہے اسپر صرف ایک زبر پڑھیں گے (اور اسکے اخیر میں نون ساکن پڑھیں گے جو تنوین کے بدلے میں آیا ہے)

☆ زیر کی حالت میں یہ عَلِیْمِنْ، خَبِیْرِنْ، حَکِیْمِنْ ہو جائے گی، یعنی جس حرف پر یہ زیر کی تنوین ہے اسکے نیچے صرف ایک زیر پڑھا جائے گا (اور اسکے اخیر میں نون ساکن پڑھیں گے، جو تنوین کے بدلے میں ہے)

☆ اور پیش کی حالت میں یہ عَلِیْمُنْ، خَبِیْرُنْ، حَکِیْمُنْ ہو جائے گی، یعنی جس حرف پر یہ پیش کی تنوین ہے اسپر (اوپر لکھے قاعدے کے مطابق) صرف ایک پیش رہ جائے گا (اور اسکے اخیر میں نون ساکن پڑھا جائے گا)

اور چونکہ تنوین تلفظ اور قرأت میں نون ساکن کی ہی طرح ہے اسلئے جو احکام و قواعد نون ساکن کے ہیں وہی تنوین کے بھی ہیں۔

۳۔ نون ساکن اور تنوین جب (تمام کے تمام) اٹھائیس حروف میں سے کسی کے بھی ساتھ ہونگے تو ان کے چار قاعدے ہیں:

(۱) اظہار (۲) إدغام (۳) إقلاب (۴) إخفاء

(اب ہم ہر ایک کی نمبر وار تفصیل بیان کرتے ہیں:)

(۱) إظہار: اسکے معنی لغت میں بیان کر دینے اور ظاہر کر دینے کے ہیں۔

اور اصطلاح میں اظہار یہ ہے کہ نونِ ساکن یا نونِ تنوین کو بغیر غنہ کے پڑھا جائے، اور یہ اسوقت ہوتا ہے جب اظہار کے ان چھ حرفوں میں سے کوئی سا حرف انکے بعد آرہا ہو: ھـمـزہ، ہ، ع، ح، غ، خ، یہ چھ کے چھ حروف ان کلمات کے شروع میں آگئے ہیں: "أخي هاك علما حازه غير خاسر"

(اُردو کے اِس مذکورہ بالا فقرے کے تمام الفاظ کے شروع کے حروف لے لیجئے تو حروف اظہار نکل آئیں گے

آپ ان حروف کو ایک دوسرے طریقے پر اس شعر کے ذریعے بھی ذہن نشین کر سکتے ہیں۔

حرف چھ اظہار کے دل میں بٹھا
ہمزہ ہاؤ عین حاؤ غین خاء

یہ حروف "حروفِ حلقی" بھی کہلاتے ہیں اسلئے کہ یہ حلق سے نکلتے ہیں۔

اظہار کی حقیقت یہ ہے کہ پڑھنے والا جب نون ساکن اور نون تنوین کو پڑھتا ہے تو صرف انہی کو ادا کرنے پر اکتفا کرتا ہے اور ان کے (فوراً بعد) حروف اظہار کو ادا کرتا ہے، وہ نہ ان دونوں پر سکوت کرتا ہے اور نہ (غنہ کے ذریعہ) ان دونوں کے اور حروفِ اظہار کے درمیان کوئی فاصلہ کرتا ہے۔ [1]

---

[1] نون ساکن اور نون تنوین جب حروف اظہار سے ملتے ہیں تو اسوقت اظہار کی وجہ ان حروف کے مخرج کی دوری ہے اسلئے کہ نون زبان کے کنارے سے ادا ہوتا ہے (اور یہ حروف حلق سے نکلتے ہیں) اور ادغام کے لئے دونوں کا باہم نزدیک ہونا ضروری ہے، پھر یہ کہ نون ساکن اور نون تنوین بہت آسانی سے ادا ہونے والے حروف ہیں جبکہ حروف حلقی بہت اہتمام اور مشقت سے ادا ہوتے ہیں اور اس دوری کی وجہ سے ان کے درمیان نہ اخفاء مناسب تھا
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

نون ساکن اور نون تنوین کا قاعدہ اِن مثالوں سے مزید واضح ہو جائے گا، ان میں ایک کلمے کی مثالیں بھی ہیں اور دو کلموں کی بھی، اور تنوین تو ہوتی ہی دو کلموں کے درمیان ہے:

تعداد	حروفِ اظہار	ایک کلمے کی مثالیں	دو کلموں کی مثالیں	تنوین کی مثالیں
۱	ہمزہ (ء)	يَنْئَوْنَ	مَنْ اٰمَنَ	كُلٌّ اٰمَنَ
۲	ہاء (ھ)	الْأَنْهَارُ	مِنْ هَادٍ	جُرُفٍ هَارٍ
۳	عین (ع)	اَنْعَمْتَ	مِنْ عِلْمٍ	حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ
۴	حاء (ح)	وَ تَنْحِتُوْنَ	مِنْ حَكِيْمٍ	حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ
۵	غین (غ)	فَسَيُنْغِضُوْنَ	مِنْ غِلٍّ	قَوْلاً غَيْرَ
۶	خاء (خ)	وَ الْمُنْخَنِقَةُ	مِنْ خَيْرٍ	عَلِيْمٍ خَبِيْرٍ

(۲) اِدغام: لغۃً ادغام کے معنی داخل کرنے اور مخلوط کرنے کے ہیں۔

اور اصطلاحاً ادغام کہتے ہیں کسی ساکن حرف کے متحرک حرف سے اس طرح ملانے کہ دونوں حرف ایک مشدد حرف ہو جائیں اور پہلا حرف (اپنا وجود کھو کر) دوسرے حرف کی جنس کا ہو جائے (۲) اور یہ اسوقت ہوتا ہے جب نون ساکن یا تنوین کے بعد دوسرے کلمے کے شروع میں ادغام کے چھ حروف میں سے کوئی سا حرف آ رہا ہو۔ ادغام

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

نہ ادغام اور یہی حال اقلاب کا ہے اسلئے کہ وہ بھی اخفاء کا وسیلہ ہے، اور جب یہ تینوں ہی مناسب نہ رہے تو ان حروف کے ملنے کے وقت اصل حالت باقی رہ گئی یعنی اظہار۔

پھر جس قدر کوئی حرف (اپنے مخرج کے لحاظ سے دوسرے حرف سے) دور ہوگا اسی قدر اظہار واضح ہوگا چنانچہ

☆ نون ساکن اور نون تنوین جب ہمزہ اور ہاء کے نزدیک ہونگے تو اظہار زیادہ نمایاں ہوگا اور اس کا نام ''اظہارِ اعلیٰ'' ہوگا۔

☆ اور جب یہ دونوں عین اور حاء کے نزدیک ہونگے تو یہ ''اظہارِ اَوسط'' کہلائے گا۔

☆ اور جب یہ دونوں غین اور خاء کے پاس ہونگے تو وہ ''اظہارِ اَدنیٰ'' کہلائے گا۔

إدغام کی دو قسمیں ہیں: (۱) "إدغام با غُنّہ" جس کے چار حروف ہیں اور (۲) إدغام بلا غُنّہ" جس کے دو حروف ہیں۔

(۱) اِدغام کی پہلی قسم : با غُنّہ،[۲] اس کے چار حروف یہ ہیں: ی، و، م، ن۔ جن کا مجموعہ "یومن" ہے۔

پھر اِس اِدغام باغنہ کی بھی اپنے دائرہ عمل کے لحاظ سے دو قسمیں ہیں:

☆ **ادغامِ ناقص**[۳] جو دو حرفوں میں ہوتا ہے: واؤ، یاء۔

☆ **اِدغامِ تام:** یہ بھی دو حرفوں میں ہوتا ہے: میم، نون۔

اِدغام باغنہ ہمیشہ دو کلموں کے درمیان پایا جاتا ہے، لہذا اگر حرفِ ادغام اور نون ساکن ایک ہی کلمے میں جمع ہو جائیں تو (وہاں ادغام نہیں ہوگا، بلکہ) اسمیں پوری طرح اظہار کرنا واجب ہوگا جیسے: دُنیا۔ قِنوَان۔ صِنوَان۔ بُنیَان، قرآن مجید میں بس ان چار ہی کلمات میں یہ حروف اس طرح جمع ہوئے ہیں۔

ادغام باغنہ کے چاروں حرفوں کی مثالیں یہ ہیں[۴]:

تعداد	حروفِ ادغام	نون کے ساتھ کی مثالیں	تنوین کے ساتھ کی مثالیں
۱	یاء (ی)	مَنْ یَّقُوْلُ	بَرْقٌ یَّجْعَلُوْنَ
۲	نون (ن)	مِنْ نِّعْمَةٍ	یَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ

---

۲ یہ ایک خوشگوار آواز ہوتی ہے جو نون ساکن یا تنوین کے جسم میں شامل ہوتی ہے یا اس میم کے اندر ہوتی ہے جو ساکن ہو اور ظاہر نہ ہو، اور اسکا مخرج خیشوم ہے، اس کی آواز میں زبان کا کوئی دخل نہیں ہے، غنہ کی لمبائی دو حرکتوں کے برابر ہوتی ہے، اور حرکت سے مراد اتنا وقفہ اور اتنی دیر ہے جتنی دیر میں آدمی اپنی انگلی کو ایک درمیانی رفتار سے کھولتا یا بند کرتا ہے۔

۳ اسکو ناقص اس لئے کہا گیا کہ اس میں ادغام کا عمل پورا نہیں پایا گیا اور پہلے حرف کی صفت یعنی غنہ باقی رہ گئی، بس یہ غنہ کی موجودگی (اور پہلے حرف کا وجود ختم نہ ہو جانا) اور تشدید کا مکمل نہ ہونا ہی اس کا نقص ہے۔

۴ ذیل کی مثالوں میں پہلی اور چوتھی مثالیں ادغام باغنہ ناقص کی ہیں اور دوسری تیسری مثالیں ادغام باغنہ تام کی ہیں۔ (طارق)

۳	میم (م)	مِنۡ مَّالِ اللّٰهِ	لُؤلُؤاً مَّنثُوۡرًا
۴	واو (و)	مِنۡ وَّالٍ	وَلِكُلٍّ وِّجۡهَةٌ

(۲) ادغام کی دوسری قسم: ادغام بلاغنہ

اسکو ادغام کامل [۵] کہتے ہیں اور اسکے صرف دو حروف ہیں: ل، ر- ان دونوں حروف کی مثالیں یہ ہیں:

تعداد	ادغام بلاغنہ کے حروف	نون کے ساتھ مثالیں	تنوین کے ساتھ مثالیں
۱	لام (ل)	مِنۡ لَّدُنۡهُ	وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ
۲	راء (ر)	مِنۡ رَّبِّهِمۡ	غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ

(ان مثالوں میں نون اور تنوین صرف شکل میں اور تحریر میں نظر آرہے ہیں تلفظ میں اور آواز میں نون یا تنوین کا کوئی اثر نہیں ہے۔)

یاد داشت:

قرآن مجید میں صرف دو مقام ایسے ہیں جو ادغام کے اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں، یہاں ادغام کرنا جائز نہیں، البتہ بطریقِ جزری ادغام اور اظہار دونوں جائز ہیں) وہ دو مقام یہ ہیں

يٰسٓ وَ الۡقُرۡاٰنِ..... (۳۶:۱-۲) نٓ و القَلَم..... (۶۸:۱)

(یہاں دونوں جگہ ہم نے ''سین اور نون'' پڑھا اور دونوں جگہ اخیر میں نون ساکن آیا اور اس کے بعد واو بھی موجود ہے لیکن یہاں (بطریق شاطبی ادغام نہیں کیا جائے گا)

---

۵ ادغام باغنہ میں چونکہ نون یا تنوین کے اگلے حرف میں مل جانے کے باوجود اسکی اپنی آواز غنہ کی شکل میں موجود رہتی ہے اس لئے اُس ادغام کو علماء تجوید ناقص قرار دیتے ہیں، اُس کے برخلاف یہاں نون کے بعد والے حرف میں اسکے مل جانے کے بعد (پڑھنے میں) تنوین یا نون کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا اس لئے یہ ادغام کامل کہلاتا ہے۔

(۳) إقلاب:

نون ساکن یا تنوین کا تیسرا قاعدہ ''اِقلاب'' ہے۔

لُغۃً اقلاب کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کی طبعی ساخت سے بدل ڈالنا۔

اِصطلاح تجوید میں اِقلاب اسے کہتے ہیں کہ نون ساکن یا تنوین جب باء سے پہلے آجائیں تو ان کو میم سے بدل دیا جائے جو غنہ کی شکل میں پوشیدہ ہو کر ادا ہوتی ہے، اور یہ ایک کلمے میں بھی ہوتا ہے اور دو کلموں میں بھی[۶] اور اقلاب کا صرف ایک ہی حرف باء ہے۔ اقلاب کو ان مثالوں سے سمجھئے:

حرفِ اِقلاب	ایک کلمے کی مثال (نون کے ساتھ)	دو کلموں کی مثال (نون کے ساتھ)	تنوین کے ساتھ
باء (ب)	أَنۢبِئۡهُمۡ	أَنۢ بُوۡرِكَ	سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ

(۴) (نون ساکن یا تنوین کا) چوتھا قاعدہ اِخفاء[۷] ہے۔

اخفاء کے معنی لغۃً چھپانے کے ہیں۔

اصطلاح (تجوید) میں اخفاء اس کو کہتے ہیں کہ نون ساکن یا تنوین کو اس طریقے سے ادا کیا جائے کہ وہ اظہار اور ادغام کی درمیانی حالت میں ہو اور اسمیں تشدید پیدا نہ ہو جائے اور غنہ اسمیں لازماً پایا جا رہا ہو۔

اور یہ اسوقت ہوتا ہے جب نون ساکن یا تنوین کے بعد ذیل کے پندرہ حروف میں سے کوئی سا حرف آرہا ہو، اخفاء کے پندرہ حروف[۸] وہ ہیں جو تمام کے تمام ۲۸

---

۶ تنوین میں اقلاب ہمیشہ دو ہی کلموں کے درمیان ہوتا ہے (اس لئے کہ ایک کلمے کے درمیان تنوین آتی ہی نہیں، جیسا کہ ابھی اوپر اظہار کے بیان میں گزر چکا ہے) (طارق)

۷ علماء تجوید کے یہاں یہی اخفاء حقیقی اخفاء کہلاتا ہے۔

۸ ان حروف کے ساتھ نون ساکن اور تنوین کے اخفاء کی وجہ یہ ہے کہ نون ساکن اور نونِ تنوین (اپنے مخرج کے لحاظ سے) نہ تو ان حروف سے اس قدر نزدیک ہیں جتنے حروف ادغام سے تھے کہ اِن کو اُن بعد والے حروف میں مدغم کر دیا جائے اور نہ یہ اتنے دور ہیں جتنے حروف اظہار سے تھے کہ اظہار کر دیا جائے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حروف تہجی میں سے چھ حروفِ ادغام کے اور ایک حرف اقلاب کا نکالنے کے بعد بچتے ہیں، اور وہ یہ ہیں: ص، ذ، ث، ک، ج، ش، ق، س، د، ط، ز، ف، ت، ض، ظ۔

ذیل کے کلمات کے شروع کے حروفِ جمع کئے جائیں تو اخفاء کے تمام حروف نکل آتے ہیں:

صِفْ ذَاتَنَا كُمْ جَادَ شَخْصٌ قَدْ سَمَا
دُمْ طَيِّبًا زِدْ فِي تُقًى ضَعْ ظَالِمًا

ذیل کے نقشے میں اخفاء کی ایک کلمے کی اور دو کلموں کی (نون ساکن اور نون تنوین کی) مثالیں دی جارہی ہیں:

تعداد	حرفِ اِخفاء	ایک کلمے کی مثالیں	دو کلموں کی مثالیں	تنوین کی مثالیں
۱	ص	الأَنصَار	أن صَدُّوكُمْ	ريحاً صَرْصَرًا
۲	ذ	وَ أَنْذِرْهُمْ	مِنْ ذَهَبٍ	ظِلٍّ ذِيْ ثَلاَثِ شُعَبٍ
۳	ث	الأُنْثٰى	مِنْ ثَمَرَةٍ	قَوْلاً ثَقِيْلاً
۴	ک	المُنْكر	مَنْ كَانَ	كِتَابٌ كَرِيْمٌ
۵	ج	أنجَيْنَا	إنْ جَاءَكُمْ	خَلْقٍ جَدِيْد
۶	ش	أَنْشَرَه	إنْ شَاءَ اللّٰه	غَفُوْرٌ شَكُوْر
۷	ق	اِنْقَلَبُوْا	مِنْ قَرَارٍ	سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ
۸	س	الإنْسَان	مِنْ سُلاَلَةٍ	وَ رَجُلاً سَلَمًا لِرَجُلٍ

(بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ) جب ادغام کے لائق قرب بھی نہیں اور اظہار کے لائق بُعد بھی نہیں تو لامحالہ ہم نے اظہار اور ادغام کے درمیان کا حکم تجویز کر دیا یعنی اخفاء۔ اسلئے کہ اظہار میں حرف کی ذات بھی باقی رہتی ہے اور اسکی صفت بھی اور ادغام تام میں یہ دونوں کی دونوں چیزیں غائب ہوجاتی ہیں، اور اخفاء میں نونِ ساکن اور نونِ تنوین کی ذات (اور اسکی ہستی) تو ختم ہوجاتی ہے اور اسکی صفت جو غنہ ہے باقی رہ جاتی ہے، اسلئے انکا مخرج زبان سے ہٹ کر خیشوم (ناک کے بانسے) میں چلا گیا۔

۱۰	ط	بِقِنْطَار	مِنْ طِيْنٍ	صَعِيْدًا طَيِّبًا
۱۱	ز	تَنْزِيْلٌ	مِنْ زَوَالٍ	صَعِيْداً زَلَقًا
۱۲	ف	فَانْفَلَقَ	مِنْ فَضْلِ اللهِ	خَالِدًا فِيْهَا
۱۳	ت	وَ كُنْتُمْ	وَ مَنْ تَابَ	جَنَّاتٌ تَجْرِي
۱۴	ض	مَنْضُوْدٍ	وَمَنْ ضَلَّ	وَكُلاً ضَرَبْنَا
۱۵	ظ	يَنْظُرُوْنَ	مِنْ ظَهِيْرٍ	ظِلاً ظَلِيْلاً

چھٹی فصل

میم ساکن اور نون و میم مشدد کا بیان

میم ساکن کے احکام:

میم ساکن جب (عربی کے) کل اٹھائیس حروف تہجی میں سے کسی بھی حرف سے پہلے آجائے تو اسکے تین احکام ہیں:

(۱) اِخفاء (۲) اِدغام (۳) اِظہار

(۱) اِخفاء: (گزشتہ صفحات میں مذکورہ ''اِخفاءِ حقیقی'' کے برخلاف) یہ اخفاء شفوی کہلاتا ہے، اس لئے کہ میم شفہ (یعنی ہونٹوں) سے نکلنے والا حرف[1] ہے، میم ساکن کے بعد جب باء آجائے تو اس وقت میم میں غنہ کے ساتھ اخفاء کرنا واجب ہے، جیسے: **فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ - تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ - وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ۔**

(۲) اِدغام: یہ اِدغامِ شفوی کہلاتا ہے اور اسے **''اِدغامِ مثلین صغیر''** بھی کہتے ہیں۔ جب میم ساکن کے بعد میم ہی آجائے تو پہلے میم کا دوسرے میم میں ادغام کردیتے ہیں (یعنی پہلا میم پڑھنے میں اپنا وجود کھو کر دوسرے میم میں گھل مل جاتا ہے)

---

[1] اس اخفاء کی وجہ یہ ہے کہ میم اور باء مخرج میں چونکہ مشترک ہیں اور (ہونٹوں کے) کھلنے اور ملنے میں ہم جنس ہیں اس لئے ان کے درمیان اظہار اور خالص ادغام دونوں دشوار تھے لہٰذا اخفاء کو اختیار کرنا پڑا لیکن اس اہتمام و رعایت کے ساتھ کہ ہونٹ پوری طرح سختی سے نہ مل جائیں۔
(میم کو ادا کرتے وقت ہونٹ نرمی سے ملیں سختی سے نہیں اور با کو ادا کرتے وقت ہونٹ سختی سے مل جائیں۔
ملا حظتان حَوْلَ الاِقْلَابِ، دیکھئے علم التجوید صفحہ ۲۹ للشیخ عبدالرزاق غوثانی۔
بعض حضرات نے اسکو اس طرح لکھا ہے کہ میم کو ادا کرتے وقت ہونٹوں کے خشکی کے پاس والے ترحصے کو نرمی کے ساتھ ملا کر میم کو نہایت نرمی لطافت اور کمزوری وخفاء کے ساتھ ادا کیا جائے کہ اسکا کچھ حصہ چھپ جائے اور وہ اپنی ذات میں کسی قدر کمزور ہوجائے۔ ملاحظہ حاشیہ جمال القرآن از قاری محمد طاہر رحیمی صاحب صفحہ ۹۰) (طارق)

اس طرح کہ دونوں میم مل کر ایک میم مشدد ہو جاتا ہے جیسے لَهُمْ مَّا يشاؤن، لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ، عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ۔

(یہاں تینوں مثالوں میں صرف لکھنے میں پہلا میم موجود ہے لیکن پڑھنے میں وہ ختم ہو کر دوسرے میم میں ضم ہو چکا ہے اور دونوں میم مل کر ایک میم مشدد بن گیا ہے۔)

(۳) اِظہار: (اس سے پہلی فصل میں نون کے احکام میں جو اظہار آیا تھا اس سے الگ) یہ ''اظہارِ شفوی'' کہلاتا ہے، میم ساکن کے بعد جب اٹھائیس حروف میں سے کوئی سا حرف - علاوہ باء اور میم کے - آجائے تو میم کا ظاہر کرنا ضروری ہے، اسوقت نہ اخفاء ہوگا نہ ادغام اور نہ غنہ، جیسے: أَمْ حَسِبْتُمْ، كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ، مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ، كَمْ تَرَكُوْا، فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ، عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا، يُؤْتِكُمْ أُجُوْرَكُمْ، إِلَيْهِمْ قَوْلاً، وَ أَنْتُمْ سُكَارٰى، أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ۔

اور سب سے زیادہ اظہار اس وقت ہوتا ہے جب یہ (میم ساکن) واو اور فاء کے پاس آئے اور اسکی وجہ اتحاد مخرج ہے،

میم ساکن کی واو کے ساتھ مثالیں: عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْن، سَوْءٰتِكُمْ وَ رِيْشًا۔

میم ساکن کی فاء کے ساتھ مثالیں: هُمْ فِيْ رَحْمَةٍ، كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ۔

جملہ ۲۸ حروف کے ساتھ میم ساکن کے احکام کا نقشہ

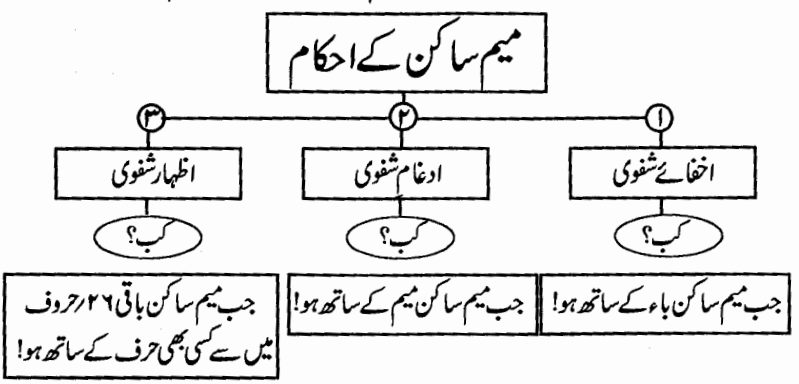

میم مشدد اور نون مشدد کا حکم:

میم مشدد اور نون مشدد میں ایک الف کے بقدر غنہ کرنا ضروری ہے چاہے وہ حالت وصل میں ہوں یا حالت وقف میں اور چاہے وہ کلمے کے درمیان میں واقع ہوں یا اخیر میں، اور یہ میم اور نون مشدد اَسماء میں بھی آتے ہیں افعال میں بھی اور حروف میں بھی۔

اِن تمام حالتوں کی مثالیں یہ ہیں:

حرف غنہ	اسماء کی مثالیں	اَفعال کی مثالیں	حروف کی مثالیں
ن	من الجنة و الناس	يَمُنُّوْنَ لَقَدْ مَنَّ اللهُ	إنَّ، أنَّ، لكِنَّ
م	مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ	هَمَّتْ بِه، وَ هَمَّ بِهَا	فَأَمَّا مَنْ، ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

غُنَّه:

غُنَّه لغت میں اس آواز کو کہتے ہیں جو خیشوم (ناک کے بانسے) سے ظاہر ہوتی ہے اور زبان کا اسمیں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

اور اصطلاحاً گنگناہٹ کی وہ خوشگوار آواز ہے جو نون، یا تنوین یا میم کے تلفظ کے وقت ظاہر ہوتی ہے جبکہ وہ ساکن ہوں اور ان میں اظہار نہ ہو رہا ہو۔

(۱) ان کا مخرج خیشوم ہے یعنی ناک کا اندر کی طرف کا حصہ (ناک کا بانسہ)

(۲) غنہ کی مقدار صرف دو حرکتوں کی بقدر ہے اور حرکت سے مراد جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے یہ ہے کہ جتنی دیر میں آدمی درمیانی رفتار سے اپنی انگلی کو بند کرے یا کھولے۔

(۳) غنہ کن حروف میں پایا جاتا ہے؟

غنہ نون میں پایا جاتا ہے جبکہ وہ حالتِ اِخفاء میں ہو، (جیسے أنفُسكم، أنْدَادًا) یا اسکا ادغام (مع الغنہ) ہوا ہو (جیسے: مَنْ يَّعْمَلْ، مِنْ وَّال) یا مشدد ہو (جیسے: إنَّ) اسی طرح تنوین میں اور میم میں غنہ پایا جاتا ہے جبکہ وہ حالت اخفاء میں ہو، یا اسکا ادغام

ہوا ہو یا وہ مشدد ہو (مزید وضاحت مثالوں کے ساتھ آئندہ سطروں میں آرہی ہے)

(۴) غنہ کے درجات کتنے ہیں؟

غنہ کے چار درجے ہیں۔

(۱) تشدید کی حالت (۲) ادغام کی حالت

(۳) اِخفاء کی حالت

(۴) سکون کی حالت، جبکہ اظہار ہو رہا ہو یا حرکت کی حالت ہو۔

البتہ تشدید کی حالت میں غنہ حالتِ ادغام سے زیادہ مکمل شکل میں ہوتا ہے، یعنی جب نون اور میم مشدد ہوں، خواہ حالتِ وصل ہو یا حالتِ وقف، اور خواہ یہ کلمے کے درمیان واقع ہوں یا اخیر میں جیسے جنَّات، النَّاس، إنَّ ، فأمَّا، عَمَّ-

اور حالتِ ادغام میں نون اور میم میں غنہ اُس سے زیادہ مکمل شکل میں ادا ہوتا ہے جتنا کہ حالتِ اخفاء میں ہوتا ہے، خواہ ادغام باغنہ ہو یا مثلین صغیر ہو۔ اور یہ ہمیشہ دو کلموں کے درمیان ہوگا۔ جیسے: إن نَّشَأْ، لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ، يومئذٍ نَّاعِمَةٌ-

اور حالت اخفاء میں غنہ اس سے زیادہ مکمل ہوتا ہے جتنا کہ ساکن بحالتِ اظہار یا متحرک میں ہوتا ہے، خواہ ایک کلمے میں ہو یا دو میں، تنوین میں اور تنوین ہمیشہ دو کلموں میں ہوتی ہے، ایک کلمے کی (نون کی) مثال: الأنصار- دو کلموں کی مثال: أنْ صَدُّوكُم، اور تنوین کے ساتھ کی مثال: كتابٌ كريم ۔ اور اسی طرح میم ساکن جب باء کے ساتھ آئے جیسے فاحكُمْ بَيْنَهُمْ، تَرمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ -

غنہ کا اظہار تشدید، ادغام اور اخفاء کی حالت میں (فرق مراتب کے ساتھ) مکمل شکل میں ہوتا ہے لیکن ساکن بحالت اظہار یا متحرک میں حرف اپنی اصل حالت پر رہتا ہے، خواہ اظہار حلقی ہو یا اظہار شفوی، اور ایک کلمے میں ہو یا دو کلموں میں، اور خواہ تنوین کے ساتھ ہو۔ اور تنوین کے ساتھ دو ہی کلموں میں ہوتا ہے، ایک کلمے کی مثال: أنعَمْتَ،

دوکلموں کی مثال: مِنْ عِلْمٍ، تنوین کی مثال: حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ، اور یہی حال میم کا ہے جبکہ وہ حروفِ اظہار کے ساتھ آئے یعنی باء اور میم کے علاوہ کسی حرف کے ساتھ آئے جیسے يُؤَتِكُمْ أُجُوْرَكُمْ، كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ -

یاد رکھیئے:

(۱) جب بھی نون اور میم کہیں آئیں گے تو ہمیشہ میم کے مقابلے میں نون میں زیادہ غنہ ہوگا۔

(۲) غنہ پُر ہونے یا باریک ہونے میں اپنے بعد والے حرف کا تابع ہوتا ہے، لہٰذا اگر (غنہ) حروف استعلاء سے پہلے آئے گا تو پُر ہوگا اور باقی حروف سے پہلے آئے گا تو باریک ہوگا۔

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆

☆

ساتویں فصل

ادغام کا بیان صفت کے لحاظ سے

اِدغام صفت کے لحاظ سے اس وقت ہوتا ہے جب (ایک جیسے یا ملتے جلتے) دو حرف جمع ہو جائیں پہلا ساکن ہو دوسرا متحرک ہو تو پہلے کو دوسرے میں مدغم کر دیا جاتا (اور ملا دیا جاتا) ہے اور وہ دونوں ایک حرف - دوسرے حرف کی جنس کے - بن جاتے ہیں۔ (حرف اپنا وجود کھو کر دوسرے میں گھل مل جاتا ہے)۔ اور یہ عمل ان تین اسباب میں سے کسی ایک سبب کے پائے جانے پر واقع ہوتا ہے:

(۱) تَمَاثُل (۲) تَجَانُس (۳) تَقَارُب[1]

اوّل: اِدغام متماثلین:

''اِدغام متماثلین'' (یا مثلین) اسوقت ہوتا ہے جب ایک ہی مخرج اور ایک ہی

---

[1] اور ان تینوں اسباب میں سے ہر ایک کی پھر تین تین قسمیں ہیں: صغیر، کبیر، مطلق۔

صغیر: صغیر یہ ہے کہ پہلا حرف ساکن ہو اور دوسرا متحرک، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا اِدغام کرنا تمام قرائت حضرات کے نزدیک واجب ہے۔

کبیر: کبیر یہ ہے کہ دونوں حرف متحرک ہوں جیسے فیہ ھدًی، اور اسکا حکم یہ ہے کہ اسمیں اظہار کرنا حفصؒ کے نزدیک واجب ہے۔ (اسمیں انکے نزدیک اِدغام نہیں)

مطلق: مطلق یہ ہے کہ پہلا حرف متحرک ہو اور دوسرا ساکن جیسے مانسخ، اور اسکا حکم یہ ہے کہ اسمیں تمام قراء حضرات کے نزدیک یہاں اظہار کرنا واجب ہے۔

اور یہیں سے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ قسم دوم یعنی کبیر جسکا حکم حفصؒ کے نزدیک اظہار کرنا ہے، اور قسم سوم یعنی مطلق جسکا حکم تمام قراء کے نزدیک اظہار کرنا ہے (ان دونوں قسموں کو نظر انداز کرتے ہوئے) ہم نے اکتفاء کیا ہے کہ ہم صرف پہلی قسم یعنی صغیر کے احکام بیان کریں، اس لئے کہ اس کا حکم حفصؒ اور تمام قراءؒ کے نزدیک اِدغام کرنا ہے یعنی جب پہلا حرف ساکن ہو اور دوسرا متحرک ہو۔ یہی مسلک حفصؒ کا ہے اور یہی مسلک اس کتاب میں ہمارا ہے۔

صفت کے دوحرف یکجا جمع ہوجائیں، ان میں پہلا ساکن ہو دوسرا متحرک، جیسے باء باء کے ساتھ، تاء تاء کے ساتھ، کاف کاف کے ساتھ، لام لام کے ساتھ، میم میم کے ساتھ اور واو واو کے ساتھ[۲] جمع ہوجائیں اور اسی طرح دیگر حروف کو سمجھ سکتے ہیں۔ جیسے: أنِ اضْرِب بِعَصَاكَ، فَمَارَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ، يُدْرِ ككُّمُ الْمَوتُ، قُلْ لَّهُمْ، فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ، اوَ وا وَّ نَصَرُوا۔

اِن مذکورہ تمام مثالوں میں پہلے حرف کو دوسرے میں اِدغام کریں گے اور یہ دونوں حرف اسطرح پڑھے جائیں گے جیسے ایک ہی حرف مشدد پڑھا جاتا ہے بغیر کسی غنہ کے، البتہ فِـــي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ میں میم کی وجہ سے اِدغام باغنہ ہوگا اس لئے کہ وہ غنہ کا حرف ہے، اس مثال میں جاری قاعدے کو ہم چاہے اِدغام متماثلین کہہ لیں یا اِدغامِ شفوی۔ اور اسکا حکم تمام قراء کے نزدیک یہ ہے کہ یہ اِدغام واجب ہے۔

دوم: اِدغامِ متجانسین:

''اِدغام متجانسین'' وہاں پایا جاتا ہے جہاں ایسے دوحرف جمع ہوجائیں جو مخرج میں متفق ہوں اور صفت میں مختلف ہوں۔ اور یہ اِدغام سات مقامات پر تین مخارج کے ساتھ واجب ہے:

---

[۲] اس میں دو حالتیں مستثنیٰ ہیں (یعنی وہاں دوحرف متماثلین ہوتے ہوئے اور پہلا حرف ساکن اور دوسرا متحرک ہوتے ہوئے بھی اِدغام نہیں ہوگا):

پہلی حالت: جبکہ یہ دونوں حرف دو واو یا دو یائیں ہوں اور ان میں سے پہلی واو یا یاء حرفِ مد واقع ہو رہی ہو جیسے: آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا، يا فِيْ يَوْمِ۔ اور الَّذِيْ يُوَسْوِسُ، اور ان میں ادغام نہ ہونے کی وجہ یہ ہیکہ واو مدّہ اور یاءِ مدّہ کا مخرج اور واو متحرک اور یاءِ متحرک کا مخرج ایک نہیں ہے۔

البتہ واو لین اور یاءِ لین کا مخرج اور واو متحرک اور یاءِ متحرک کا مخرج چونکہ ایک ہی ہے اسلئے وہاں ادغام ہوگا، جیسا کہ اَوَوْا وَّ نَصَرُوْا کی مثال سے ظاہر ہے)

دوسری حالت: جبکہ پہلا ساکن حرف ''ھاءِ سکتہ'' ہو، جیسے مَالِيَهْ هَلَكَ۔ اس شکل میں اِدغام اور اظہار دونوں جائز ہیں، لیکن اظہار راجح ہے، اور وہ اس طرح ہوگا کہ مالیہ کی ھاء پر ہلکا سا ٹھہرا جائے اور سانس توڑے بغیر وصل کرتے ہوئے آگے پڑھا جائے۔

(۱) دال ساکن کو تاء میں، جیسے: قَدْ تَّبَيَّنَ-

(۲) تاء ساکن کو دال میں، جیسے: فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللهَ-

(۳) تاء ساکن کو طاء میں، جیسے: وَهَمَّت طَّائِفَةٌ-

(۴) ذال ساکن کو ظاء میں، جیسے: إِذْ ظَّلَمْتُمْ-

(۵) ثاء ساکن کو ذال میں، جیسے: يَلْهَثْ ذَّلِكَ-

(۶) باء ساکن کو میم میں، جیسے: ارْكَب مَّعَنَا-

(۷) طاء ساکن کو تاء میں جیسے: لَئِنْ بَسَطتَّ إِلَيَّ يَدَكَ -

یہ اِدغام واجب ہے، البتہ حفصؒ کے نزدیک پانچویں اور چھٹی مثالوں میں دونوں طریقے ہیں: ادغام کرنا بھی اور اظہار کرنا بھی، لیکن ادغام کرنا زیادہ مشہور ہے اور وہی معمول بہ (اور مروّج) ہے (بطریق شاطبیؒ صرف ادغام ہے اور بطریق طیبہ ادغام و اظہار دونوں ہیں)۔ واللہ اعلم۔[۳]

سوم: اِدغامِ متقاربین:

''اِدغام متقاربین'' وہاں پایا جاتا ہے جہاں ایسے دو حرف جمع ہو جائیں جو مخرج اور صفت دونوں میں قریب ہوں، اور یہ اِدغام دو مقامات پر دو مخرجوں کے ساتھ ہوتا ہے:[۴]

(۱) لام ساکن کو راء کے ساتھ، جیسے: وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا - بَلْ رَّفَعَهُ -

(۲) قاف ساکن کو کاف کے ساتھ، جیسے: أَلَمْ نَخْلُقكُّمْ -

---

[۳] یہ بھی ذہن میں رہے کہ ان تمام حروف میں جو اِدغام ہے وہ اِدغامِ کامل'' ہے، البتہ طاء کا ادغام تاء میں جو ہوا ہے یہ اِدغام ناقص ہے اس لئے کہ حرف طاء کی دو صفتیں استعلاء اور اطباق باقی رہ گئی ہیں۔

[۴] متقاربین کا حکم حفصؒ کے نزدیک یہ ہے کہ وہاں اظہار کرنا واجب ہے سوائے لام ساکن کے جب وہ راء کے ساتھ آئے، اور سوائے قاف ساکن کے جب وہ کاف کے ساتھ آئے۔ البتہ ''بَلْ رَانَ'' میں دونوں طریقے جائز ہیں ادغام کرنا بھی اور سکتہ کرنا بھی، اور ہماری کتاب میں سکتہ ہی طے ہے۔

اور انہی تین کے ساتھ متباعدین بھی آتا ہے، اور وہ ایسے دوحرف کہلاتے ہیں جو مخرج میں بھی دور ہوں اور صفت میں بھی مختلف ہوں اور اسکی تین قسمیں ہیں: صغیر، کبیر، مطلق۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ اسمیں مطلقاً اور ہمیشہ اظہار ہی ہوگا، اس لئے ہم اسکی تفصیلات لکھنے میں کوئی افادیت محسوس نہیں کرتے اس لئے کہ دیگر قواعد کی طرح اس کا کوئی عمل نہیں ہے۔ ہم نے اتنا ذکر بھی صرف معلومات کے لئے کردیا ہے۔ ورنہ یہاں اس بحث میں مقصود صرف یہ ہے کہ یہ معلوم ہوجائے کہ کہاں کہاں اِدغام واجب ہے اور کہاں صرف جائز ہے، اور متباعدین میں اِدغام سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔

قاعدہ:

جب کوئی دوحرف ایک دوسرے سے قریب ہوں تو ان میں فرق کرنے (اور انکا آپس کا تعلق جاننے) کے لئے یہ تفصیل جاننا ضروری ہے کہ:

(۱) وہ دوحرف جو مخرج میں اور تمام صفات میں متفق ہوں **مُتَمَاثِلَیْن (یا مِثْلَین)** کہلاتے ہیں۔

(۲) وہ دوحرف جو مخرج میں متفق اور صفات میں مختلف ہوں **متجانسین** کہلاتے ہیں۔

(۳) وہ دوحرف جو مخرج میں یا صفات میں قریب ہوں **متقارِبین** کہلاتے ہیں۔

(۴) وہ دوحرف جو مخرج میں بھی دور ہوں اور صفات میں بھی مختلف ہوں **متباعدین** کہلاتے ہیں۔

.....☆☆☆.....

آٹھویں فصل

لامِ شمسی اور لامِ قمری کا بیان

نیز لامِ فعل، لامِ اسم اور لامِ حرف کا بیان

لامِ شمسی اور قمری کی تعریف اور ان کا حکم:

اس لام سے وہ لام مراد ہے جو ہمزہ وصل کے ساتھ معرفہ کی پہچان کے طور پر اسماء کے شروع میں آتا ہے، اور معرفہ کا یہ لام (یا یوں کہہ لیجئے کہ معرفہ کا یہ الف لام) [1] دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (۱) شمسی (۲) قمری۔

اور یہ الف لام جب لفظ "شمس" اور "قمر" کے ساتھ آتا ہے تو اس کا تلفظ اور ادائیگی دو الگ طریقوں پر ہوتی ہے، اس طرح وہ تمام حروف جو الف لام کے بعد اسماء کے شروع میں آئیں گے دو قسموں میں تقسیم ہیں، اور انکا تلفظ الگ طریقوں پر ہوتا ہے۔

یہاں ہم کل اٹھائیس حروف کو اس تقسیم کے مطابق لکھتے ہیں:

(۱) لام شمسی:

اور یہ لام بولنے میں نہیں آتا بلکہ جو حرف اسکے بعد آتا ہے (یہ اسمیں مدغم ہو جاتا ہے اور اسکے بعد والا حرف) مشدد پڑھا جاتا ہے، (جیسے: وَالشَّمْسِ، یہاں الف لام

---

[1] اس الف لام میں الف اصل ہے یا لام، یا یہ دونوں مل کر ہی معرفہ کی علامت بنتے ہیں؟ اس پر علماء لغت عربی کے یہاں لمبی بحث ہے، جو اسوقت ہمارے موضوع سے خارج ہے، جو مزید تفصیلات دیکھنا چاہے وہ مفتی سعد اللہ صاحبؒ کا رسالہ "کاشف الظلام عما یتعلق بالألف و اللام"۔ کا مطالعہ کرے جو الفیہ ابن مالک کے ساتھ مصنف کی تصحیح کے بعد مطبع محمدی سے چھپا اور اس کے بعد مطبع مصطفائی سے سن ۱۲۹۰ھ میں چھپا۔ (طارق)

شین میں مدغم ہوکر شین مشدد ہوگیا)

شمسی حروف چودہ ہیں: ط، ث، ص، ر، ت، ض، ذ، ن، د، س، ظ، ز، ش، ل۔[۲]

یہ تمام حروف مندرجہ ذیل شعر کے کلمات کے شروع میں آئے ہیں ؎

طِبْ ثُمَّ صِلْ رَحِمًا تَفُزْ ضِفْ ذَا نِعَمْ
دَعْ سُوْءَ ظَنٍّ زُرْ شَرِيْفًا لِلْكَرَمْ

اور (لام شمسی کے) اِدغام کا طریقہ یہ ہے کہ اس لام کو (اسم کے شروع میں آنے والے) حرف مدغم فیہ کی جنس کا بنادو (یعنی جس اسم پر یہ لام داخل ہوا ہے اس کے پہلے حرف کی جنس کا بنادو اور اس کو اس حرف میں مدغم کردو) جیسے والشمس میں (اِس لام کو) شین بنادو، اور النار میں نون بنادو، وغیرہ۔[۳]

لام کے ساتھ حروف شمسی کی مثالیں:

الطَّامَّة - الثَّوَاب - الصَّادقين - الرَّاكِعِيْن - التَّوابين - الضَّالين - الذَّاكرين - النَّاصحين - الدِّين - السَّائحون - الظَّالمين - الزَّجاجة - الشَّاكرين - اللَّيْل -

(۲) لامِ قمری:

یہ لام ساکن ہوکر پڑھنے میں آتا ہے اور جو حرف اسکے بعد ہوتا ہے وہ مشدد نہیں ہوتا۔

قمری حروف بھی چودہ ہیں، اور وہ یہ ہیں:

---

۲ لام کے شمسی یا قمری ہونے میں اختلاف ہے لیکن وہ شمسی ہونے کے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ اس میں اسی کی خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ جو لوگ اسے قمری قرار دیتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ لام چونکہ دوسرے لام پر داخل ہوا ہے اسلئے تشدید دو لام ہوجانے کی وجہ سے آئی ہے (لام کے شمسی ہونے کی وجہ سے نہیں)

۳ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح لفظ کی ادائیگی آسان ہوجاتی ہے، ورنہ مخرج اوّل کی طرف زبان کا واپس لانا دشوار ہوتا ہے، اور اسی لئے عربوں نے اِدغام کا طریقہ تجویز کیا ہے کہ اسطرح تلفظ آسان ہوجاتا ہے۔

ء۔ ب۔ غ۔ ح۔ ج۔ ک۔ و۔ خ۔ ف۔ ع۔ ق۔ ي۔ م۔ ھ اور یہ تمام اس جملہ میں جمع ہیں: ابغِ حجَّك وخَفْ عَقِيْمَه۔

لام قمری کی مثالیں:

الإيمان - البينة - الغرور - الحسنة- الجنة -الكريم - الوالدات - الخالق - الفتح -العليم - القدر - اليمين -المؤمن - الهدى -

لامِ فعل:

یہ وہ لام ساکن ہے جو فعل کے اندر آتا ہے خواہ وہ فعل ماضی ہو یا مضارع، یا اُمر۔ ماضی کی مثال: فَالْتَقَمَه - مضارع کی مثال: يَلْعَبُ - امر کی مثال: قُلْ صَدَق الله [۴]۔

اور یہ لام فعل کے شروع میں بھی آتا ہے جیسے: ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ، اور فعل کے درمیان بھی آتا ہے جیسے: أَنْزَلْنَاهُ اور اسکے آخر میں بھی آتا ہے جیسے: قل لا أسألُكُمْ -

اور اس کا حکم (الگ الگ حالات میں) اظہار کرنا بھی ہے اور اِدغام کرنا بھی، (جس کی تفصیل یہ ہے:)

(۱) اِظہار:

لام فعل خواہ کسی بھی حرف کے ساتھ آئے اس کا اظہار کرنا واجب ہوگا خواہ کلمے کے شروع میں آئے یا درمیان میں یا آخر میں، شروع کلمے کی مثال جیسے: فَالْتَقَى الماء درمیان کلمے کی مثال جیسے: جَعَلْنَا، آخر کلمہ کی مثال جیسے: فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ، بشرطیکہ اس کے بعد لام یا راء نہ آرہے ہوں۔

---

[۴] اور اسی قسم میں داخل ہے وہ مضارع بھی جس پر لام امر ساکن داخل ہوتا ہے اور اسکا حکم اظہار کرنا ہے۔

(۲) اِدغام:

جب لافعل کلمے کے اخیر میں آئے گا اور اسکے بعد لام یا راء آرہے ہونگے تو اس لام کا اِدغام کرنا واجب ہے، یہ فعل خواہ امر ہو جیسے: وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ، یا نفی ہو جیسے: فَلاَ تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ، یا مضارع مجزوم ہو جیسے: وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهُ عِوَجاً۔

لامِ حرف:

یہ وہ لام ساکن ہے جو حرف هل اور بل میں آتا ہے، اور اسکا حکم (الگ الگ حالات میں) اظہار کرنا بھی ہے اور اِدغام کرنا بھی (جس کی تفصیل یہ ہے:)

(۱) اِظہار: لامِ حرف کا اظہار تمام حروف کے ساتھ واجب ہے سوائے لام اور راء کے، جیسے: هَلْ اَتٰی، بَلْ عَلِمُوْا۔

(۲) اِدغام: لامِ حرف کا ادغام کرنا واجب ہے جبکہ اسکے بعد لام یا راء میں سے کوئی سا حرف آرہا ہو، جیسے: هَلْ لَّكَ إِلٰى أَنْ تَزَكّٰى، بَل رَّفَعَهُ، بَلْ لاَّ يَخَافُوْنَ۔

قرآن مجید میں هل کے بعد کہیں راء واقع نہیں ہوئی ہے۔

لیکن: لام حرف کے مذکورہ قاعدے سے سورۂ تطفیف (نمبر ۸۳) کا یہ کلمہ مستثنیٰ ہے بَلْ رَانَ (آیت ۱۴) (یہاں لام حرف کے بعد راء ہے لیکن پھر بھی اِدغام نہیں ہوتا) یہاں صرف حفصؒ کے نزدیک اظہار ہے سکتے کے ساتھ، اور یہ شاطبیۃ کے بیان کے مطابق ہے، اور بطریقِ طیبّۃ دو طریقے ہیں: یا تو اِدغام کیا جائے، یا سکتہ کے ساتھ اظہار کیا جائے اور یہی راجح (اور بہتر) ہے۔

لامِ اسم:

یہ وہ لام ساکن ہے جو اسم میں آتا ہے، خواہ وہ اصلی اور کلمے کے مادّے میں شامل ہو جیسے: سَلْسَبِيْلاً - أَلْوَانِكُمْ - أَلْفَافًا - یا زائد ہو لیکن لازمی ہو جس سے بے نیازی ممکن

نہ ہو اسلئے کہ اسکی حیثیت بھی جزو کلمہ کی ہوتی ہے، جیسا کہ اسماء موصولہ میں الف لام ہوتا ہے، جیسے: الَّـذي، الَّتي، اللَّذان، اللاَّتي، اللاَّئي، یا جیسا کہ ظروف میں الف لام ہے، جیسے: الآن، (یہ تمام لامِ اسم ہیں)۔

لامِ اسم کا اصل حکم اِظہار کرنا ہے، سوائے اسکے کہ اسکے بعد لام ہی آجائے، جیسا کہ اسماء موصولہ میں آتا ہے، جیسے: الـلذان، اللائي، اللواتي - اس صورت میں اسمیں اِدغام کرنا ضروری ہے۔

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆

☆

نویں فصل

مَدوں کا بیان

یعنی ان کی انواع و اقسام اور ان کے احکام

مَد :

مد کے معنی لغت میں مطلقا اضافے (اور درازی) کے ہیں۔

اصطلاحاً مد یہ ہے کہ تین حروفِ مدّہ میں سے کسی حرف کو کھینچ کر پڑھنا، (حروف مدّہ یہ ہیں:)

(۱) الف، اور یہ ہمیشہ ساکن ہی ہوتا ہے اور اس سے پہلے حرف پر ہمیشہ زَبر ہی ہوتا ہے، (اس پر جب کوئی حرکت آجاتی ہے تو یہ چاہے تو شکلاً الف رہے لیکن حقیقت میں وہ ہمزہ ہوتا ہے، عرب ممالک کے موجودہ عربی رسم الخط میں تو حرکت کی صورت میں اسپر ہمزہ لکھا بھی جاتا ہے اور الف گویا صرف ہمزہ کی کرسی ہوکر رہ جاتا ہے، لیکن ایشیائی ملکوں میں جو قاعدہ، پارے اور قرآن مجید چھپے ہیں ان میں خود الف کے اوپر ہی حرکت لگادی جاتی ہے لیکن حرکت آجانے کے بعد وہ صرف شکلاً الف نظر آتا ہے اس کے احکام سب ہمزہ کے ہی ہوتے ہیں)

(۲) واو ساکن جس سے پہلے حرف پر پیش ہو۔

(۳) یاء ساکن جس سے پہلے حرف کے نیچے کسرہ (زیر) ہو۔

یہ تینوں حروف ان دو لفظوں میں (اپنے ماقبل کی حرکات کے ساتھ) موجود ہیں: نُوۡحِيۡهَا، اُوۡتِيۡنَا ۔

مد کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مدِ اصلی (۲) مدِ فرعی

(۱) مدّ اصلی:

یہ وہ مد ہے کہ حرف کی ذات (اور اس کا وجود) اس کے بغیر پایا نہیں جاتا، اور اسکا کھینچنا کسی (بیرونی) سبب جیسے ہمزہ یا سکون پر موقوف نہیں۔

اور اس کو مدِ اصلی اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مدِ فرعی کی اصل اور بنیاد ہے، اور اس کو ''مدِ طبیعی'' (اور مدِ ذاتی) بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ طبع سلیم جب اسکو پڑھے گی تو نہ اسے اسکی حد سے کم کرے گی اور نہ اسکی مقررہ مقدار سے زیادہ کرے گی، اور اسلئے بھی کہ یہ مد ان حروف کی طبعی ساخت اور ان کے وجود کا حصہ ہے)۔

حروفِ مدّہ:

مد کے حروف تین ہیں: الف، واو، یاء

ان کے کھینچنے کی مقدار دو حرکتوں کے برابر ہے خواہ یہ حالتِ وصل میں ہوں یا حالتِ وقف میں، اور حرکت کی مقدار (جیسا کہ اب سے پہلے بھی آچکا ہے) اتنا وقفہ ہے جتنی دیر میں درمیانہ رفتار سے انگلی کو سمیٹا جائے یا پھیلایا جائے، جسمیں نہ بہت جلدی ہو اور نہ سست رفتاری ہو، جیسے قَالَ، یَقُوْلُ، قِیْل -

قَالَ - الف ساکن ماقبل مفتوح کی مثال ہے۔

یَقُوْلُ- واو ساکن ماقبل مضموم کی مثال ہے۔

قِیْل - یاء ساکن ماقبل مکسور کی مثال ہے۔

ان تینوں مثالوں میں حروف مدہ کے آگے یا پیچھے کوئی ہمزہ یا سکون نہیں ہے، مد کی تین قسمیں اور ہیں وہ بھی مدِ اصلی کے ساتھ ہی ملحق مانی جاتی ہیں:

مدّ عِوَض مدّ صِلَہ صُغرٰی مدّ تمکین

(۱) مدّ عِوَض :

یہ اسوقت ہوتا ہے جب (فتحہ کی) تنوین پر وقف کیا جائے، یہاں ایک الف دو فتحوں (زبروں) کے عوض (یعنی بدلے) میں آجاتا ہے، جیسے عَلِیْمًا حَکِیْمًا، غَفُوْرًا رَّحِیْمًا، حِسَابًا یَّسِیْرًا۔

ان الفاظ کو حالتِ وصل میں آپ یوں پڑھیں گے: عَلِیْمَنْ، حَکِیْمَنْ، غَفُوْرَنْ، رَحِیْمَنْ، حِسَابَنْ، یَسِیْرَنْ۔

لیکن جب آپ الفاظ پر وقف کریں گے تو یوں پڑھیں گے:

عَلِیْمَا، حَکِیْمَا، غَفُوْرَا، رَحِیْمَا، حسابَا، یَسِیْرَا یہاں (فتحہ کی) تنوین الف ساکن ماقبل مفتوح کی شکل اختیار کرگئی، اسی لئے اسکو مد اصلی کے ساتھ ملحق کردیا گیا ہے، اور اس کے کھینچنے کی مقدار بھی مد اصلی اور مد طبعی کی طرح دو حرکت ہی ہے۔

یادداشت:

اس قاعدے سے گول تاء مستثنٰی ہے جو لکھنے میں ہ کی طرح لکھی جاتی ہے۔ اس پر اگر دو زبر، دو زیر، دو پیش ہوں تو حالتِ وقف میں اس کو ہائے ساکن کردیا جائے گا۔ جیسے: مَرْضِیَّۃً سے مَرْضِیَّہْ (۲۸:۸۹) اور مُؤْصَدَۃٌ سے مُؤْصَدَہْ (۲۰:۹۰) ے آنِیَۃٍ اور آنِیَہْ (۵:۸۸)۔

(لمبی اور گول تاء کے مزید احکام آگے مستقل عنوان کے تحت چودھویں فصل میں آرہے ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

(۲) مدّ صلہ صغریٰ:

یہ مفرد مذکر غائب کی ضمیر کی حرکت ہوتی ہے جو کھینچتی ہے اور یہ کلمے کی اخیر میں دو

متحرک حروف کے درمیان ضمہ کے ساتھ ہوتی ہے یا کسرہ کے ساتھ، جیسے: قَالَ لَهٗ[1] صَاحِبُهٗ، عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ۔[2] ان کو پڑھتے وقت ضمہ اور کسرے کو پوری طرح ظاہر کرتے ہوئے اس کو دو حرکتوں کی مقدار میں ادا کیا جائے گا اور اسکے ساتھ پہلی مثال میں ایک واو بھی پڑھی جائے گی جو ضمہ سے پیدا ہوئی ہے اور دوسری مثال میں ایک یاء پڑھی جائے گی جو کسرے سے وجود میں آئی ہے۔

پہلی مثال میں آپ لفظ کو یوں پڑھیں گے: قَالَ لَهُوْ

دوسری مثال میں کسرے کو خوب ظاہر کر کے اس طرح پڑھیں گے: عَلٰى رَجْعِهِيْ لَقَادِرٍ، اس کے کھینچنے کی مقدار بھی مدطبعی کی طرح دو حرکت ہے۔

لیکن: مدّ صلہ کے اس قاعدے سے ذیل کے تین مقامات مستثنیٰ ہیں:

(۱) (مذکورہ) ہائے (ضمیر) سے پہلے یا بعد ساکن حرف آرہا ہو تو اس ہاء کو کھینچا نہیں جائے گا جیسے: اَنْزَلْنَاهُ فِيْهِ)، سوائے ایک کلمے کے جو پورے قرآن مجید میں بس ایک ہی جگہ ہے، کہ وہاں ہائے ضمیر سے پہلے ساکن حرف ہے اور اسکے بعد متحرک حرف ہے پھر بھی اسکو کھینچا جاتا ہے، اور یہ کلمہ ہے: وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (۲۵:۶۹) یہاں (یاء ساکن کے بعد) ہٖ مدصلہ کی طرح کھنچے گی۔

(۲) قرآن مجید میں ایک کلمہ ہے جہاں ہائے ضمیر دو متحرک حرفوں کے درمیان ہے، اور ایسے مقامات پر معروف قاعدہ حفصؒ کے یہاں کھینچنے کا ہے [جیسے: رُشْدَهٗ

---

[1] عربی طرز پر جو قرآن مجید چھپے ہیں ان میں لہٗ کی ھ کے اوپر وہی عام پیش ہوتا ہے جسے (ھُ) ہم ایشیاء والے سیدھا پیش کہتے ہیں اور ھ کے نیچے ایک چھوٹی سی واو ہوتی ہے جو اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اسکو دو حرکات کی بقدر کھینچنا ہے۔ اور کہیں یہ واو بھی نہیں ہوتی صرف سیدھا پیش ہوتا ہے۔ ہندوستانی و پاکستانی طرزِ کتابت میں اس ھ کے اوپر اُلٹا پیش ہوتا ہے جو سیدھے پیش اور داو دونوں کا کام کرتا ہے۔ جیسے لہٗ۔ (طارق)

[2] یہاں قرآن مجید کے عربی طرز کے نسخوں میں ھ کے نیچے سیدھا زیر بھی ہوتا ہے اور ایک چھوٹی سی یاء اس ہاء کے نیچے بنی ہوتی جو اس بات کی علامت ہے کہ اسکو کھینچ کر پڑھنا ہے، پاک و ہند کے نسخوں میں ہ کے نیچے کھڑا زیر ہوتا ہے جو پڑے زیر کا اور یاء کا دونوں کا کام کرتا ہے۔ (طارق)

مِنْ قَبْلُ (۵۱:۲۱)] لیکن یہاں کھینچے گا نہیں اور وہ ہے یَرْضَهُ، آیت کے اس ٹکڑے میں وَ اِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ (۷:۳۹)

(۳) قرآن مجید میں دو کلمے تین مقامات پر اور ہیں جہاں ہائے ضمیر دو متحرک حرفوں کے درمیان ہے جو حفصؒ کے معروف قاعدے کے مطابق کھینچنی چاہئے لیکن وہ کھینچتی نہیں۔ اور قرآن مجید کے نسخوں میں ان مقامات پر ہاء کو ساکن لکھا گیا ہے اور وہ ساکن ہی پڑھی جاتی ہے:

۱-۲: قَالُوْا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ (۷: ۱۱۱) اور (۳۶:۲۶)

۳: اِذْهَبْ بِكِتَابِي هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ (۲۸:۲۷) [۳]

(۳) مدِ تمکین:

اور وہ یہ ہے کہ دو یائیں ایک ساتھ آئیں جن میں سے پہلی مشدد مکسور ہو اور دوسری ساکن ہو، جیسے: حُيِّيْتُمْ، النَّبِيِّيْنَ، الحَوَارِيِّيْنَ، رَبَّانِيِّيْنَ، اُمِّيِّيْنَ - اس مد کا یہ نام اسلئے ہے کہ دو یاؤں کے یکجا ہو جانے کے نتیجے میں یہاں مد کا ہونا مستحکم و متمکن ہو گیا۔ اس مد کی مقدار بھی مدِ طبیعی کی طرح دو ہی حرکت ہے۔

یادداشت:

قرآن مجید میں مدِ تمکین حُيِّيْتُمْ (۸۶:۴) جیسے کلمات میں اسطرح آیا ہے کہ صرف ایک پہلی یاء لکھی گئی ہے اور دوسری یاء کا صرف اشارہ پیچھے کی طرف کو کھینچ کر لکھ دیا گیا ہے

---

[۳] سورۂ نور (۲۴/ ۵۲) میں ایک کلمہ وَ يَتَّقْهِ آیا ہے، وَ يَخْشَى اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔ یہ حفصؒ کے نزدیک قاف کے سکون سے اور ہاء کے کسرے کو بغیر کھینچے پڑھا جاتا ہے، حفصؒ دیگر قراء کے برخلاف قاف کو ساکن پڑھتے ہیں جزم کی بنیاد پر، اسلئے کہ یہاں (ق کے بعد) یاء حرف علت تھی جو حذف ہوئی ہے، اسکی وجہ سے قاف کو جزم دیا گیا ہے اور ہائے ضمیر کو مد کے ساتھ نہیں پڑھا جائے گا، حالانکہ حفصؒ کے طے شدہ قاعدے کے مطابق ہاء کو کھینچ کر پڑھنا چاہئے لیکن یہاں اس کو بغیر کھینچے پڑھتے ہیں کیونکہ اصل چیز اخذ و استفادہ اور بالمشافہ سننا ہے۔ (اساتذہ سے تلامذہ جس طرح لیتے چلے آئے ہیں وہی اصل ہے)۔

جوایک دوسری یاء پڑھنے کی علامت ہے اس طرح ہے۔ ’ـے‘ [۴]

دوم (مد کی دو قسموں میں سے) دوسری قسم مدفرعی:

اور اس سے مراد تینوں حروفِ مدہ کا ان کی اپنی اصل مقدار سے زائد کھینچنا ہے جو ہمزہ یا سکون کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔

مدفرعی کی دو قسمیں ہیں: (۱) جو ہمزے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (۲) جو سکون کی وجہ سے ہوتا ہے ان میں سے پھر ہر ایک کی الگ الگ قسمیں ہیں:)

(۱) مدفرعی جو ہمزہ کی وجہ سے ہوتا ہے اس کی چار قسمیں ہیں:

(۱) واجب متصل (۲) جائز منفصل (۳) صلہ کبریٰ (۴) بدل [(۵)۔شبہ بدل، جو مد بدل کے ساتھ ہی ملحق ہے)]۔

(۱) مدواجب متصل:

یہ اسوقت ہوتا ہے جب حرف مد کے بعد متصلاً ہمزہ اسی کلمے کے اندر آرہا ہو، جیسے جَآءَ - جِیْٓءَ - السُّوْٓءَ -

اور اس مد کا نام واجب اسلئے ہے کہ اسکے کھینچنے پر تمام قراء کرام کا اِجماع ہے، اگر چہ اسکی مقدار میں انکی رائیں مختلف ہیں۔ اور متصل اس کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسمیں ہمزہ اور حرف مد متصلاً ایک ہی کلمے میں واقع ہوتے ہیں۔

اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا کھینچنا واجب ہے بقدر چار یا پانچ حرکات کے، خواہ وصل کر کے پڑھیں یا وقف کر کے، اور اسمیں چھ حرکات کی بقدر کھینچنا بھی درست ہے جبکہ ہمزہ کنارے پر آرہا ہو اور آپ وہاں وقف کر رہے ہوں، اسلئے کہ وہاں (ہمزہ تو تھا ہی) سکون

---

[۴] قرآن مجید کے عربی طرز کے نسخوں میں یہی طریقہ ہے جو مصنف نے تحریر کیا ہے لیکن پاک و ہند کے نسخوں میں دو ہی یائیں کلمے کے اندر اور حروف کے درمیان ہی لکھی جاتی ہیں جس طرح ہم نے کتاب میں لکھی ہیں۔ مزید دیکھئے مدصلہ صغریٰ کا حاشیہ ۱۔ اور ۲۔ جو ابھی اوپر گزرا ہے (طارق)

بھی آ گیا۔ (اور اس طرح مدّ فرعی کے دونوں سبب جمع ہو گئے جیسے: شَآء - جَآء - سَآء-)[۵]

(۲) مد جائز منفصل:

اور یہ اسوقت ہوتا ہے جب حرف مد ایک کلمے کے اخیر میں ہو اور ہمزہ دوسرے کلمے کے شروع میں آ رہا ہو، جیسے: إِنَّا أَنزَلْنَاهُ - وَ تُوبُوٓا إِلَى اللّٰهِ - الَّذِيٓ أَحْسَنَ -

اور اس کا نام منفصل اسلئے ہے کہ ہمزہ اور حرفِ مد دو الگ الگ کلموں میں ہیں۔ اور اسکا نام جائز اسلئے ہے کہ اسکے کھینچنے کے واجب ہونے پر تمام قراء کا اتفاق نہیں ہے، چنانچہ کچھ حضرات تو اسکو دو ہی حرکت کے برابر کھینچتے ہیں (گویا مد طبیعی اور اصلی سے ذرا بھی نہیں بڑھاتے) اور کچھ حضرات چار حرکات یا پانچ حرکات کے برابر کھینچتے ہیں اور بعض چھ حرکات تک کھینچتے ہیں۔

اس کا حکم جائز کا ہے (یعنی واجب نہیں اختیاری ہے) اور اسکے کھینچنے کی مقدار حفصؒ کے نزدیک- شاطبیہ کے بیان کے مطابق- چار یا پانچ حرکات ہے، اور بعض حضرات اس کو دو ہی حرکتوں کی بقدر کھینچتے ہیں[۶] اور یہ "طیبة النشر" کے مطابق ہے، لیکن راجح چار حرکات ہیں۔

---

۵ اس مد کا سبب یہ ہے کہ حرف مد ضعیف ہے اور خفی ہے اور ہمزہ سخت ہے اور قوی ہے اسلئے ضعیف جب قوی کے پڑوس میں آ گیا تو اس کی تقویت کے لئے مد میں اضافہ کر دیا گیا، امام جزریؒ النشر میں فرماتے ہیں کہ میں نے تلاش کیا کہ مد متصل کو کسی نے قصر کیا ہو (یعنی بغیر کھینچے پڑھا ہو) لیکن نہ کہیں قراءتِ صحیحہ میں یہ ملا نہ قراءتِ شاذ میں (یعنی تمام ہی قراء حضرات مد متصل میں مد کا اہتمام کرتے ہیں)۔

۶ جو شخص مد منفصل کو نظر انداز کرنا چاہتا ہو اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ مشائخ کرام اور قراء حضرات کے تلفظ اور انکے پڑھنے کو سن کر اور دیکھ کر پڑھنے کا صحیح صحیح طریقہ اخذ کرے، کیونکہ جو شخص اس مد کو قصر کرنا۔ (یعنی صرف دو ہی حرکات تک محدود رکھنا) چاہتا ہے اس کے لئے بعض ان احکام کی پابندی ضروری ہے جو "طیبة النشر" میں بیان کئے گئے ہیں اور جو شاطبیة کی رو سے حفصؒ سے صحیح طور پر ثابت نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو حق التلاوة: ۲۲۷_۲۲۹

(۳) مدّ صلہ کبریٰ:

اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب واحد (مذکر) غائب کی ضمیر کلمے کے اخیر میں ہو اور اسکے بعد والے کلمے کے شروع میں ہمزۂ قطعی آرہا ہو، جیسے وَلَهُ أَجْرٌ - مَالَهُ أَخْلَدَهُ- وَمِنْ اٰيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ۔

اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ چار یا پانچ حرکات کی بقدر کھینچا جائے گا اور چار حرکات کی بقدر کھینچنا بہتر ہے، اور یہ مد جائز منفصل کے ساتھ ملحق ہے، (کیونکہ شکلاً اور کتابۃً یہاں واو اور یاء نہ سہی لیکن صوتاً اور قراءۃً واو اور یاء کی آواز بہر حال موجود ہے)۔

(۴) مدّ بدل:

اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب حرف مد سے پہلے ہمزہ ہو اور حرف مد کے بعد نہ ہمزہ ہو نہ ساکن ہو، جیسے: اٰمَنُوْا، اُوْتُو الكِتٰبَ، إِيْمَانًا۔

اور اسکا نام "بدل" اس لئے رکھا گیا کہ یہ اصلاً دو ہمزہ تھے، ان میں سے دوسرے ہمزہ کو اُس حرفِ مد سے بدل دیا گیا جو پہلے ہمزہ کی حرکت کی جنس سے تھا (مثلاً فتحہ کی جنس سے الف ہے ضمے کی جنس سے واو ہے اور کسرے کی جنس سے یاء)۔

چنانچہ اٰمَنُوْا کی اصل "أَ أَمَنُوْا" ہے دو ہمزوں کے ساتھ، پہلا ہمزہ مفتوحہ اور دوسرا ساکنہ ہے، اس لئے دوسرے ہمزہ کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے موافق حرف مد یعنی الف سے بدل دیا گیا اور اسطرح وہ اٰمَنُوْا ہو گیا۔

اسی طرح "اُوْتُوا" اصل میں أُؤْتُوا تھا، دوسرا ہمزہ (جو ساکن تھا) اسے واو ساکن سے بدل دیا گیا۔

یہی حال إِيْمَانًا کا ہے وہ بھی "إِئْمَانًا" تھا، اسکے بھی دوسرے ہمزہ کو یاء ساکن بنا دیا گیا ہے۔

اس کا حکم حفصؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اسے دو حرکتوں کے برابر کھینچا جائے گا۔[۷]

اور مد بدل کے ساتھ ہی ملحق ہے "مد شبہ بدل" بھی (جس کی تفصیل ذیل میں بیان ہو رہی ہے)۔

(۵) مدّ شبہ بدل:

اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب حرف مد سے پہلے ہمزہ ہو یہ حرفِ مد ہمزہ سے بدلا ہوا نہ ہوتا۔ جیسے: قُرآن - مَئاب - مُتکئین -

(مدّ بدل میں اور اِس میں فرق صرف یہ ہے کہ مدّ بدل میں ہم ہ کے بعد والا حرفِ مدّ ہمزۂ ساکنہ سے بدل کر آیا ہوا ہوتا ہے اور مدّ شبہِ بدل میں یہ حرفِ مد ہمزہ سے بدلا ہوا نہیں ہوتا)۔

اور اس کا نام "شِبْہِ بَدَل" اس لئے ہوا کہ (مد بدل کی طرح) اسمیں ہمزہ بھی ہے اور اس کے بعد حرف علت بھی ہے، اس لحاظ سے یہ اس کے مشابہ ہے۔

اور یہ صرف دو حرکت کے برابر کھینچا جائے گا۔

یادداشت:

(۱) مد بدل اس جیسی مثالوں میں صرف ابتداء میں ثابت رہتا ہے جیسے: إِيتُونِي،[۸] (۲) اور وقف و وصل دونوں حالتوں میں باقی رہتا ہے ایسے مقامات پر جیسے یہ ہے: أنبِئُونِي (اگر ہم اس کلمے سے ابتداء نہ کریں بلکہ اس سے پہلے کلمے کو اس سے ملا کر پڑھیں تو یہ مد ثابت نہیں رہے گا، جیسے: فِي السَّمٰوَاتِ ائْتُونِي (۴:۴۶) اور اگر

---

۷ البتہ توسط اور مد کرنا یہ ورش کا مذہب ہے بطریق ازرق۔

۸ اس لئے کہ ہم إِئتونی اور اس جیسے کلمات میں ہمزۂ وصل کے کسرے سے شروع کر رہے ہیں اور ہمزہ قطعی کو (حرف علت سے) بدل رہے ہیں (اس لئے یہ مد باقی رہے گا)

السمواتِ پروقف کردیں تو مد ثابت ہوگا یعنی اِئْتُوْنِي پڑھیں گے[۹] (۳) اور حالت وصل میں باقی رہتا اور حالت وقف میں حذف ہوجاتا ہے ایسے مقامات پر جیسے: متکئین۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں (مد کے) دو سبب جمع ہو گئے ہیں: مدّ بدل اور مد عارضی سکون کی وجہ سے۔ اور تمام قراء کرام کا متفقہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو سبب جمع ہوجائیں (ایک قوی دوسرا ضعیف) تو ان میں سے قوی سبب پر عمل کیا جائے گا اور ضعیف سبب کو نظر انداز کردیا جائے گا۔

(۲) (مد فرعی کی دو قسموں میں سے دوسری قسم ہے) مد فرعی وہ جو سکون کی وجہ سے ہو: اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ مد جو سکونِ عارضی کی وجہ سے ہو۔

(۲) وہ مد جو سکونِ اصلی لازم کی وجہ سے ہو۔

اوّل مد عارضی: وہ مد جو عارضی سکون کی وجہ سے ہو:

اور یہ اسوقت ہوتا ہے جب حرفِ مد کے بعد آخر کلمہ میں ایسا متحرک لفظ آجائے جو وقف کردینے کی وجہ سے ساکن ہوگیا ہو (حالت وصل میں ساکن نہ ہو) جیسے: الحِسَاب- المُفْلِحُوْن- المتَّقِيْن -

اسے ''مد عارضی'' بھی کہتے ہیں اسلئے کہ اسکا سبب یعنی سکون عارضی ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اسمیں ''قصر'' یعنی صرف دو حرکت کی بقدر کھینچنا بھی درست ہے، اور ''توسط'' یعنی (مد اصلی کے علاوہ) چار حرکات کی بقدر کھینچنا بھی جائز ہے اور ''طول'' یعنی (مد اصلی کے علاوہ) چھ حرکات کے برابر کھینچنا بھی، لیکن ''طول'' افضل ہے۔

اور اسی مد عارضی سے ملحق ہے ''مد لین'' بھی

---

۹ ہمزۂ وصل کی تفصیلی بحث اس کتاب میں ایک مستقل فصل میں آرہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اور یہ (مدلین) اسوقت ہوتا ہے جب یاء ساکن یا واو ساکن سے پہلے زبر ہو اور انکے بعد والے حرف پر وقف کیا جائے، جیسے یَوْمُ - قُرَیْش - خَوْفٌ - خَیْر -

اس کا حکم صرف حالتِ وقف میں مدعارضی کی طرح ہے جو بوجہ سکون کے ہوتا ہے، اور حالتِ وصل میں یہ نہیں کھینچا جائے گا۔ لیکن مدعارضی میں طول اولیٰ ہے قصر ضعیف اور مدلین میں اس کے برعکس ہے۔[۱۰] لیکن بطریق شاطبیؒ ورشؒ کے لئے اس جیسی مثالیں مدبدل سے مستثنیٰ ہیں۔

دوم: مدِّ لازم:

اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب حرفِ مد کے بعد سکونِ لازم ہو، یہ کلمے میں بھی ہوتا ہے اور حرف میں بھی، اور حالتِ وصل میں بھی ہوتا ہے اور حالتِ وقف میں بھی۔

مدلازم کی مثال کلمے میں: الحآقَّة، الصآخَّة

مدلازم کی مثال حرف میں: الٓمٓ، قٓ

اور اس کا نام ''لازم'' اس لئے ہے کہ اس کا سکون لازم ہے حالت وصل میں بھی اور حالت وقف میں بھی، اور اسلئے کہ اس میں مد کرنا تمام قراء کے نزدیک لازم (اور ضروری) ہے، اور اسلئے بھی کہ اسمیں مد کرنے پر اور مد کی مقدار پر تمام قراء کا اتفاق ہے۔

اور **اس کا حکم** یہ ہے کہ اس میں (مداصلی کے علاوہ) چھ حرکات کے برابر مد کرنا بلا اختلاف واجب ہے۔

مدلازم کی قسمیں:

مدلازم کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ مدلازم کلمی مثقل ۲۔ مدلازم کلمی مخفف

---

۱۰ لیکن بطریق شاطبیؒ، ورشؒ کے لئے اس جیسی مثالیں مدبدل سے مستثنیٰ ہیں۔

۳۔ مدلازم حرفی مثقل ۴۔ مدلازم حرفی مخفف

ان کی تفصیل اس طرح ہے:

پہلی قسم:

مدلازم کلمی مثقل، اور یہ اسوقت ہوتا ہے جب حرفِ مد کے بعد حرفِ مشدد آجائے، جیسے دآبَّة، الحآقَّة، الصآخَّة[11]

اس کا نام ''کلمی'' اسلئے ہوا کہ حرف مد اور سکون[12] ایک ہی کلمے میں آگئے ہیں۔ اور ''مثقل'' اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ مدغم ہوتا ہے اور حرف مد کے بعد تشدید پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ثقل پیدا ہوجاتا ہے۔

اسکا حکم یہ ہے کہ اسے چھ (مداصلی کے علاوہ) حرکات کے برابر کھینچنا لازم ہے۔

دوسری قسم:

مدلازم کلمی مخفف: اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب حرفِ مد کے بعد حرف ساکن غیر مشدد[13] آجائے، جیسے: الْـئٰـنَ، اور یہ لفظ قرآن مجید میں بس دو ہی جگہ سورہ یونس میں آیا ہے: ءَ الْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ (۵۱:۱۰) اور ءَ الْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ (۹۱:۱۰)

اس کا نام مخفف اس لئے ہوا کہ اس میں ادغام نہیں ہوا (اور اسی لئے تشدید نہیں پائی گئی)

---

[11] حرفِ مشدد نام ہے ایک جنس کے دو حرفوں کے جمع ہوجانے کا جن میں پہلا ساکن ہو اور دوسرا متحرک (اور ساکن کا متحرک میں ادغام ہوگیا ہو) اسلئے کلمہ دَابَّة اصلاً (ادغام ہونے سے پہلے) دَابِبَةٌ ہے، اور الْحَاقَّةُ اصلاً الحاقِقَة اور الصَّاخَةُ اصلاً الصَّاخِخَةُ ہے تینوں مثالوں میں پہلا حرف مکسور تھا۔

[12] حرف مشدد کا آنا بھی اصلاً سکون ہی کا آنا ہے جیسا کہ اس سے پہلے حاشیے سے ظاہر ہے۔ (طارق)

[13] ساکن غیر مشدد ہی ہوتا ہے لیکن یہاں اسلئے وضاحت کی گئی کہ مشدد بھی اصلاً ساکن اور متحرک کا مجموعہ ہی ہوتا ہے جیسا کہ ابھی حاشیہ میں اسکی وضاحت آچکی ہے۔

اسکا حکم یہ ہے کہ اسمیں (مد اصلی کے علاوہ) چھ حرکات کے برابر مد کرنا لازم ہے یا تسہیل بَیْن بَیْن کی جائے (یعنی پہلا ہمزہ تحقیق سے اور دوسرا ہمزہ الف اور ہمزہ کے درمیان تسہیل اور نرمی سے ادا ہو اور دراصل اسکی ادائیگی ماہر استاد سے ہی سمجھی جاسکتی ہے)

تیسری قسم:

مد لازم حرفی مثقل: یہ بعض (مخصوص) سورتوں کے شروع میں پائے جانے والے حروفِ (مقطعات) میں ہوتا ہے جنکا ہجہ، اور تلفظ تین حرفوں سے ہوتا ہے جنکا درمیانی حرف حرفِ مد ہوتا ہے اور اسکے بعد حرفِ ساکن ہوتا ہے جسکا اپنے بعد والے حرف میں ادغام ہوتا ہے، جیسے: الٓمّٓ اور الٓمّٓرٰ (اور الٓمّٓصٓ) میں لام ہے یا طٰسٓمّٓ میں سین ہے۔[۱۴]

یہ کل حروف آٹھ ہیں[۱۵]، جن کا مجموعہ "نقص عسلکم" ہے، البتہ ان میں سے حرف عین مستثنیٰ ہے، اسلئے کہ اسمیں "مدّ لین" ہوتا ہے۔[۱۶]

اس کا نام "حرفی" اسلئے ہوا کہ اس کے تلفظ میں حرفِ مد اور سکون ایک ہی حرف

---

۱۴ ہم جب الٓمّٓ جیسے کلمات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ لکھنے میں یہ تین حروف ہیں لیکن پڑھنے میں الف لام میم پڑھا جاتا ہے، اور حرف لام کا تلفظ تین حروف سے ہوتا ہے جن میں درمیانی حرف حرفِ مد (یعنی الف) ہے، اور ان میں کا آخری حرف ساکن ہے جو کہ میم ہے اور دو میم جمع ہوجانے کی وجہ سے ادغام ہوگیا اور تشدید آگئی، اور اس طرح اسکا حکم "مدلازم حرفی مثقل" کا ہوگیا۔

اسی طرح جب ہم طٰسٓمّٓ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ حرف "طاء" دو حرفوں کا مجموعہ ہے، اور سین، میم دونوں تین تین حرفوں کا مجموعہ ہیں اور ہر ایک کا درمیانی حرف حرفِ مد ہے، اس طرح (جو ہماری موجودہ بحث سے الگ ہے) لیکن سین کا تلفظ بھی لام ہی کی طرح تین حرفوں کے ذریعہ ہوتا ہے جن میں کا درمیانی حرف حرفِ مد ہے اور آخری حرف نون ساکن ہے جس کا ادغام اس کے بعد میں آنے والے حرف میم میں ہوا ہے، اور ظاہر ہے کہ نون ساکن کا ادغام جب میم میں ہوگا تو لازماً تشدید آئے گی جسکی مقدار دو حرکت ہوتی ہے، اس طرح یہ بھی مثقل ہوگیا۔

۱۵ ان تمام ہی حروف میں ادغام نہیں ہوتا ہے (بلکہ بعض میں ہوتا ہے)۔

۱۶ اس میں توسّط جائز ہے اس لئے کہ یاء کی حرکت (عین میں) ماقبل کی جنس کی نہیں ہے، اور یہ حکم صرف حرف لین کے لئے ہے

کے اندر پایا جارہا ہے۔ اور اسے "مثقل" اسلئے کہا گیا ہے کہ اسمیں ادغام (اور تشدید) پائی جارہی ہے۔

اسکا حکم یہ ہے کہ اسمیں چھ حرکات کے بقدر مد کرنا لازم ہے۔

چوتھی قسم:

مد لازم حرفی مخفف: یہ بعض (مخصوص) سورتوں کے شروع میں پائے جانے والے حروفِ (مقطعات) میں ہوتا ہے جن کا ھجاء اور تلفظ تین حروف کے ذریعہ ہوتا ہے جن میں درمیانی حرف حرفِ مد اور اسکے بعد والا حرف ساکن ہوتا ہے اور (تیسری قسم کے برخلاف) اس کا ادغام اپنے بعد والے حرف میں نہیں ہوتا ہے، جیسے الٓمٓ میں میم ہے، یا جیسے قٓ، نٓ، ہیں[۱۷]۔

یہ کُل آٹھ حروف ہیں جنکا مجموعہ "نقص عسلُکم" ہے

اس کا نام "مخفف" اسلئے ہے کہ ادغام نہیں ہوا ہے (اور اسی لئے تشدید نہیں پائی گئی)[۱۸]

اور اس کا حکم یہ ہے کہ اسمیں چھ حرکات کے برابر مد کرنا لازم ہے۔

۱۷؎ الٓمٓ پر اگر وقف نہ کیا جائے اور اسے اپنے بعد والے لفظ سے ملایا جائے تو اسمیں دونوں حالتیں جائز ہیں مد بھی اور قصر (یعنی مد نہ کرنا) بھی (مگر مد کرنا اَولیٰ ہے) اور یہ قاعدہ الٓمٓ کے اس میم میں جاری ہوتا ہے جو سورۂ آل عمران کے شروع میں ہے اسلئے کہ اسکا وصل لفظ "اللہ" سے ہورہا ہے۔
اور اس صورت میں میم پر فتحہ لانا ضروری ہوگا تا کہ التقاء ساکنین سے بچا جاسکے۔ اور التقاء ساکنین سے بچنے کے لئے جب حرکت دی جاتی ہے تو عام قاعدہ یہ ہے کہ پہلے ساکن حرف کو کسرہ دیا جاتا ہے (جبکہ یہاں ایسا نہیں ہوا بلکہ پہلے ساکن حرف یعنی میم کو فتحہ دیا گیا ہے) اسکی وجہ یہ ہے کہ فتحہ تفخیم میں معاون ہوتا ہے اور لفظ "اللہ" میں اس کی ضرورت ہے، اور لفظ کی تفخیم یوں ضروری ہے کہ اسی سے معنی میں فخامت وعظمت پیدا ہوتی ہے۔ (مزید اس کے لئے سترہویں فصل میں "التقاء ساکنین سے بچنے کا طریقہ" کا حاشیہ نمبر ۷ بھی دیکھ لیا جائے)
البتہ اگر قاری الٓمٓ پر وقف کرے تو چھ حرکات کے برابر مد کرنا طے ہے اسلئے کہ قاعدہ یہی جس سے انحراف کی کوئی وجہ نہیں (ہاں! وصل میں انحراف کہا جاسکتا ہے)

۱۸؎ یعنی پہلے ساکن حرف کا اپنے بعد والے حرف میں ادغام نہیں ہوا، اسلئے تخفیف ضروری ہوئی۔

بعض (مخصوص) سورتوں کے شروع میں جو حروفِ (مقطعات) آتے ہیں انکی کل تعداد چودہ ہے اور وہ یہ ہیں:

تعداد	حروف	تعداد	حروف
۱	صاد (ص)	۲	لام (ل)
۳	ہاء (ہ)	۴	سین (س)
۵	حاء (ح)	۶	یاء (ی)
۷	راء (ر)	۸	الف (ا)
۹	میم (م)	۱۰	نون (ن)
۱۱	قاف (ق)	۱۲	طاء (ط)
۱۳	عین (ع)	۱۴	کاف (ک)

یہ تمام حروف اِس جملے میں جمع ہیں: "صِلْه سحيراً من قطعك" اور بعض دیگر حضرات نے ان کو اس جملے میں جمع کیا ہے: نصٌّ حكيم له سر قاطع اور یہ چودہ کے چودہ حروف ان چار قسموں میں تقسیم ہیں:

۱۔ بالکل نہ کھینچنے والا: اور وہ صرف ایک حرف الف ہے جو الٓمٓ اور الٓرٰ، وغیرہ میں آتا ہے، اسکے تینوں حروف ہجاء (اَ، لِ، فْ) کے بیچ میں چونکہ حرف مد ساکن نہیں ہے اسلئے یہ کھینچتا نہیں۔

۲۔ جو دو حرکت کے بقدر یعنی مد طبیعی کی مقدار میں کھینچتے ہیں، اور یہ پانچ حروف ہیں:

تعداد	حرف	موقع استعمال	تعداد	حرف	موقع استعمال
۱	حاء	حٰمٓ میں	۲	یاء	یٰسٓ اور کٓهٰیٰعٓصٓ میں
۳	طاء	طٰهٰ، طٰسٓمٓ، اور طٰسٓ میں	۴	ہاء	طٰهٰ اور کٓهٰیٰعٓصٓ میں
۵	راء	الٓمٓر اور الٓرٰ میں			

قرآن مجید میں ہر جگہ ان کا یہی قاعدہ ہے

اور یہ پانچوں حروف ان دو کلمات میں جمع ہیں: حي طهر۔

۳۔ جو چھ حرکات کے برابر کھینچتے ہیں، اور یہ آٹھ حروف ہیں جو اس جملے میں جمع ہیں: نقص عسلكم۔

۴۔ جن میں توسط[19] اور مد دونوں جائز ہیں، اور یہ حرف عین ہے سورۂ مریم اور سورۂ شوریٰ کے شروع میں (یعنی) كٓهٰيٰعٓصٓ - حٰمٓ عٓسٓقٓ -

قراء حضرات کے درمیان اسکے اشباع اور توسط کے بارے میں اختلاف ہے اسلئے کہ یاء یہاں حرف لین ہے کیونکہ اس سے قبل والے حرف پر فتحہ ہے، اور پسندیدہ قول یہ ہے

کہ اس کو چھ حرکات کے بقدر کھینچا جائے۔[20]

سورتوں کے شروع میں آنے والے حروف جو حروف نورانی (اور حروف مقطعات) کہلاتے ہیں تکرار کو حذف کر کے انکی کل تعداد چودہ ہے اور یہ انتیس (۲۹) سورتوں کے شروع میں آئے ہیں (اور یہ سورتیں اپنے حروف کی تعداد کے لحاظ سے پانچ قسموں میں تقسیم ہیں):

❶ اُحادیات (یعنی ایک ایک حرف والی سورتیں): صٓ، قٓ، نٓ

❷ ثنائیات (دو دو حروف والی سورتیں): طٰهٰ، يٰسٓ، طٰسٓمٓ (سورۂ نمل میں)، حٰمٓ، ان چھ سورتوں میں: (۱) غافر (جسے سورۂ مؤمن بھی کہتے ہیں، نمبر ۴۰)۔ (۲) فصلت (جسے حم سجدہ بھی کہتے ہیں، نمبر ۴۱)۔ (۳) زخرف (نمبر ۴۳)۔

---

۱۹ یعنی درمیانہ مقدار میں کھینچنا جسکی مقدار اوپر آچکی ہے یعنی چار حرکات۔ (طارق)

۲۰ مد تو اسکی نظیروں پر قیاس کرتے ہوئے کرتے ہیں اور توسط اسلئے کہ حرف لین کا مرتبہ کھینچنے میں حرف مد سے کم ہوتا ہے۔ النشر میں کہا گیا ہے کہ یہ دونوں ہی طریقے تمام قراء کے یہاں پسندیدہ ہیں۔

(۴)دخان (نمبر ۴۴)۔(۵)جاثیہ (نمبر ۴۵)۔(۶)احقاف (نمبر ۴۶)

۳ ثُلاثیات (یعنی تین تین حروف والی سورتیں):

الٓرٰ، یہ چھ سورتوں کے شروع میں ہے: بقرہ، آل عمران، عنکبوت، روم، لقمان، سجدہ۔

اور الٓمٓ، یہ پانچ سورتوں کے شروع میں ہے: یونس، ہود، یوسف، ابراہیم، حجر۔

اور طٰسٓمٓ، یہ دو سورتوں کے شروع میں ہے: شعراء، قصص۔

۴ رُباعی (یعنی چار چار حروف والی) اور ایسی یہ دو سورتیں ہیں: المص اعراف اور الٓمٓرٰ۔

۵ خُماسی (یعنی پانچ پانچ حروف والی) اور ایسی یہ دو سورتیں ہیں: کٓهٰیٰعٓصٓ مریم اور حٰمٓ عٓسٓقٓ شوریٰ۔

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆☆

☆

مد کی تمام قسموں کا نقشہ

مدّ

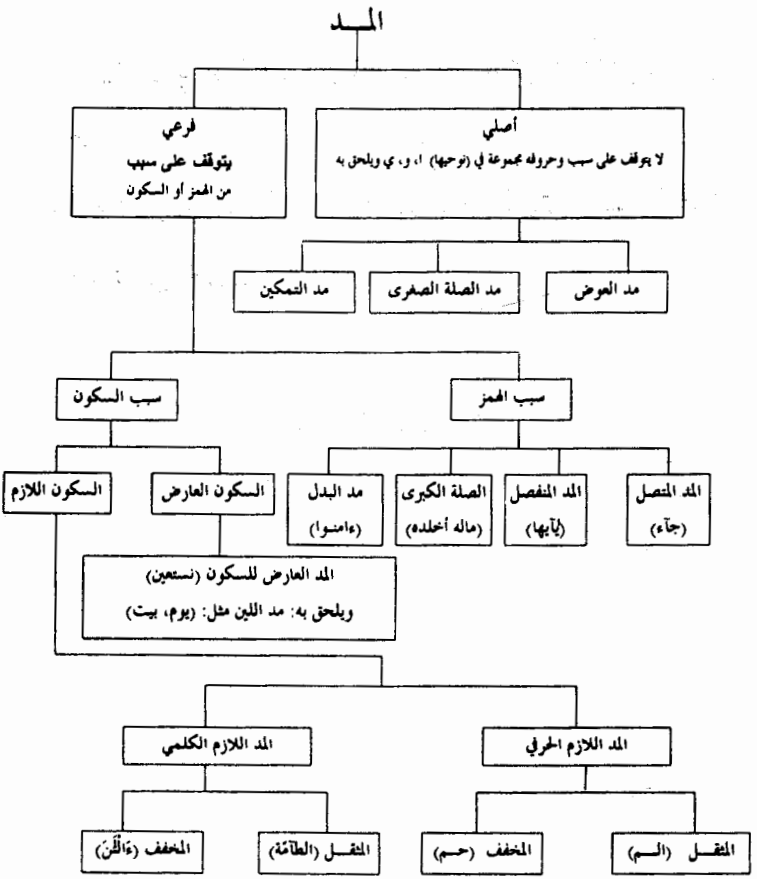

مد کے (باعتبار قوت وضعف) تین درجات ہیں :

(۱) لازم (۲) واجب (۳) جائز

اوران میں سے ہرایک کی مختلف قسمیں ہیں:

اوّل : مدلازم، اوراسکی چار قسمیں ہیں:

۱۔ مدلازم کلمی مثقل، جیسے: الصآخَّة

۲۔ مدلازم کلمی مخفف، جیسے: ءَ الْئٰنَ

۳۔ مدلازم حرفی مثقل، جیسے: الٓمّٓ میں لام۔

۴۔ مدلازحرفی مخفف، جیسے: الٓمّٓ میں میم۔

دوم: مدواجب، اوراسکی صرف ایک ہی قسم ہے

۱۔مدواجب متصل، جیسے: جآء۔

سوم: مدجائز، اوراسکی تین قسمیں ہیں:

۱۔ مدعارضی سکون کی وجہ سے، جیسے: الْمُتَّقِيْنَ

۲۔ مدجائز منفصل، جیسے: إنَّا أنزَلْنٰهُ۔

۳۔مدبدل، جیسے: ءَ اٰمَنُوْا

بعض حضرات نے مدکی اِن قسموں کو اِن دوشعروں میں نظم کیا ہے:

أَقْوَاهُ سَاكِنٌ يَّلِيْهِ الْمُتَّصِلُ فَعَارِضُ السُّكُوْنِ ثُمَّ الْمُنْفَصِلُ

ثُمَّ كَامَنُوْا وَ ذَا أَضْعَفُهَا قَاعِدَةٌ يَّفُزْ بِهَا مُتْقِنُهَا

(مدوں میں سب سے قوی مدساکن ہے، اوراس کے قریب قریب مدمتصل ہے،

اس کے بعد مد عارضی ہے جو سکون کی وجہ سے ہوتا ہے، پھر مد منفصل، پھر (مد بدل) جیسے اٰمَنُوا میں، اور یہ سب سے کمزور ہے، یہ ایسا قاعدہ ہے کہ جو اسے محفوظ کرلے گا وہ (مد کے معاملے میں) کامیاب ہے)

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆☆

☆

دسویں فصل

حروف کے مخارِج کا بیان

مَخارِج مَخْرَج کی جمع ہے مَفْعَل کے وزن پر۔

لغت میں اس کے معنی ہیں کسی چیز کے نکلنے کی جگہ۔

اصطلاح میں مخرج اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے حرف نکلتا (اور ظاہر ہوتا) ہے اور دیگر حروف سے الگ (آواز کے ذریعہ) اسکی شناخت ہوتی (اور دوسرے حروف کے اور اسکے درمیان فرق ظاہر ہوتا) ہے

لفظ "**حرف**" کے معنی لغت میں کنارے کے ہیں

اور اصطلاح میں حرف اس آواز کو کہتے ہیں جو کسی مخرج سے تعلق رکھتی ہو، وہ مخرج خواہ تحقیقی ہو یا تقدیری۔

مخرج تحقیقی : وہ ہے جو ہونٹ یا زبان یا حلق کے کسی مقررہ حصے سے تعلق رکھتا ہو۔

مخرج تقدیری[1]: وہ ہے جو منہ کے اندر کے کسی مقررہ حصے (اندازًا) سے تعلق رکھتا ہو جیسے الف کا مخرج جوفِ[2] (دہن یعنی منہ کا خالی) ہے۔

کسی حرف کا مخرج معلوم کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس حرف سے پہلے ہمزۂ

---

[1] تقدیر کا مطلب ہے اندازہ لگانا، مراد یہ ہے کہ کچھ حروف ایسے ہیں کہ ان کا مخرج ٹھیک ٹھیک کوئی جگہ متعین کر کے بتانا مشکل ہے اس لئے اندازے سے حلق کے کچھ حصے مقرر کر لئے گئے ہیں کہ فلاں حصہ فلاں حرف کا مخرج ہے اور فلاں حصہ فلاں حرف کا۔ (طارق)

[2] جوف یعنی خالی حصہ۔ (طارق)

وصل متحرک خواہ اُسے کوئی بھی حرکت دیدی جائے لاکر اس حرف کو ساکن کردیں یا اسے تشدید دیدیں، پھر اسے ادا کریں اور ادا کرتے وقت اسکی طرف توجہ سے کان لگائیں، بس جہاں حرف ادا کر کے آواز ختم ہوجائے (اور آواز کا سلسلہ کٹ جائے) وہی اس حرف کا تحقیقی مخرج ہے۔ اور جہاں حرف کی آواز ختم ہونے کے قریب ہوجائے وہ اس کا تقدیری مخرج ہے۔

تمام حرف تہجی کے مخارج تحقیقی ہی ہیں اس لئے کہ ان کو ادا کرتے وقت آواز ٹوٹ جاتی اور منقطع ہوجاتی ہے، اور ان سب کا تعلق حلق، زبان یا ہونٹوں کے کسی نہ کسی حصے سے ہے، سوائے تین حروف مدہ[۳] کے، انکا مخرج تقدیری (یعنی اندازے سے مقرر کیا ہوا ہے) اسلئے کہ ان کو ادا کرتے وقت آواز ٹوٹتی نہیں (یعنی آواز کا سلسلہ یکبارگی کٹ نہیں جاتا، بلکہ ہوا میں آکر ختم ہوجاتا ہے چنانچہ حروفِ مدّہ کو اِسی لئے حروفِ ہوائیہ بھی کہتے ہیں، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ بخلاف دیگر حروف کے کہ انکو ساکن کر کے اور انکے شروع میں ہمزۂ متحرک وصلی لگا کر ادا کریں گے تو آواز یکبارگی کٹ جائے گی جیسے أبْ، أدْ وغیرہ)

جب ہم (مذکورہ بالا طریقے پر) تمام اٹھائیس حروف تہجی کے مخارج کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ انکے مخارج سترہ ہیں، اور یہ اکثر نحویوں اور قراء کی رائے ہے اور یہی جمہور کا مذہب اور قولِ راجح ہے۔ اور یہ سترہ کے سترہ مخارج ان پانچ مقامات[۴] میں منحصر ہیں:

۱۔ جوف ۲۔ حلق

۳۔ زبان ۴۔ ہونٹ

۵۔ خیشوم (یعنی ناک کا بانسہ)[۵]

---

۳ یعنی الف، واو، یاء (جنکا بیان آئندہ سطروں میں حروف جوف کے نام سے آرہا ہے۔) (طارق)

۴-۵ مخارج اور ان کے حروف کے نقشے دو صفحے بعد آرہے ہیں۔

(۱) حروفِ جوف:

جوف لغت میں خلاء (یعنی خالی جگہ) کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں جوف سے مراد ہے فم (دہن) اور حلق کا خالی حصہ۔ اور اسمیں ایک مخرج ہے جس کے تین حروف ہیں یعنی حروفِ مد:

۱۔ اَلف: یہ ہمیشہ ساکن ہی ہوتا ہے اور اس سے پہلے ہمیشہ حرف مفتوح ہوتا ہے۔

۲۔ واؤ ساکن جس سے پہلے حرف پر ضمہ (پیش) ہو۔

۳۔ یاء ساکن جس سے پہلے حرف پر کسرہ (زیر) ہو۔

ان حروف کو جوف کی طرف اسلئے منسوب کیا گیا ہے کہ انکے مخرج کا آخری انقطاع (اور آواز کا خاتمہ) وہیں ہوتا ہے، ان حروف کو "حروف ہوائیہ" بھی کہتے ہیں، اسلئے کہ ان کی آوازیں مد کو قبول کرتی ہیں، ان کو جتنا چاہیں کھینچ سکتے ہیں، اور انکی ادائیگی کے وقت ہواء منہ کے اندر ختم ہوتی ہے۔

اور معلوم ہونا چاہئے کہ الف کا ایک الگ مخرجِ منفرد ہے اور وہ جوف ہے، اسلئے کہ وہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے، اور اس سے پہلے ہمیشہ حرفِ مفتوح ہوتا ہے۔

(اس کے برخلاف دوسرے دو حروفِ مد) واو اور یاء میں سے ہر ایک کے (دو حالتوں میں) دو دو مخرج ہیں، ایک مخرج تقدیری یعنی جوف، اور یہ اسوقت ہوگا جب کہ یہ دونوں ساکن ہوں اور واو سے پہلے حرف پر ضمہ (پیش) ہو اور یاء سے پہلے حرف پر کسرہ (زیر) ہو۔

دوسرا مخرج (ان دونوں کا) تحقیقی ہے اور یہ اسوقت ہوگا جبکہ یہ دونوں متحرک ہوں یا ان سے پہلے حرف پر فتحہ ہو جیسے: یوم، بیت۔

اِس صورت میں واو کا مخرج شفتین ہیں اور یاء کا مخرج وسط زبان۔

.....☆☆☆.....

حروف کے مخارج کا تقریبی نقشہ

نیز یہ کہ کون سا حرف کہاں سے نکلتا ہے

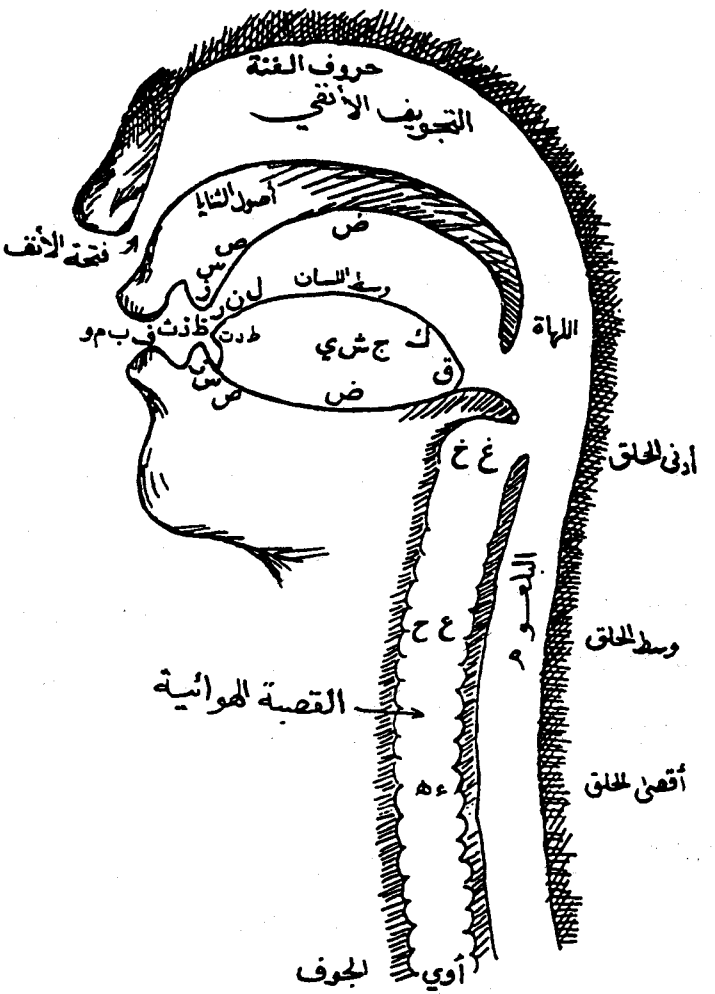

مخارج اوران کے حروف کا نقشہ

مقامات	اس مقام کے مخارج کی تعداد	اس مقام کے حروف کی تعداد
جوف	۱	۳
حلق	۳	۶
لسان	۱۰	۱۸
شفتان (ہونٹ)	۲	۴
خیشوم	۱	۱

(۲) حروفِ حلقی:

حلق مخرجِ کلّی ہے اور اسمیں تین جزئی مخارج ہیں، اسکے چھ حروف ہیں جو ''حروفِ حلقی'' کہلاتے ہیں (اور اسکے تین حصے ہیں، ہر حصے کے الگ الگ حروف ہیں):

۱۔ اَقصائے حلق جو سینے سے ملا ہوا ہے، یہ ہمزہ اور ہاء کا مخرج ہے۔

۲۔ وسطِ حلق (گزشتہ صفحہ میں نقشہ نمبر ایک پر نظر ڈالئے) یہ عین اور حاء کا مخرج ہے۔

۳۔ ادنائے حلق جو فم کے قریب ہے، یہ غین اور خاء کا مخرج ہے۔

(۳) حروفِ لسان:

زبان بھی مخرج کلّی ہے، اور اسمیں دس جزئی مخارج ہیں، اور یہ تمام زبان کے ان چار حصوں میں منحصر ہیں: اَقصائے لسان، وسطِ لسان، حافہ لسان، طرفِ لسان۔ (جیسا کہ آگے نقشہ نمبر دو سے واضح ہے)

☆ اَقصائے لسان: اور اس میں دو مخرج ہیں:

۱۔ قاف کا مخرج جو اَقصائے زبان ہے یعنی اسکا حلق کے قریب کا حصہ اور اس کے مقابل اوپر کا تالو۔

۲۔ کاف کا مخرج جو اقصائے لسان ہے قاف کے مخرج سے ذرا نیچے (اور اس کے مقابل اوپر کا تالو)

☆ **وسطِ لسان:** اور اسمیں ایک مخرج ہے:

اور اس سے اور اسکے مقابل اوپر کے تالو سے تین حروف نکلتے ہیں: جیم، شین اور یائے غیر مدّہ، اور انکی ترتیب بھی یہی ہے کہ پہلے جیم کا (مخرج ہے) پھر شین کا پھر یاء کا، اور بعض حضرات نے شین کو جیم سے مقدم رکھا ہے۔

اور یاء سے مراد یہاں یائے غیر مدّہ ہے جس پر ضمہ یا فتحہ یا کسرہ کی حرکت ہو یا فتح کے بعد ساکن ہو رہی ہو (جسے لین کہتے ہیں) اور یاء مدّہ (کا مخرج الگ ہے وہ) جیسا کہ اوپر آچکا ہے جوف سے نکلتی ہے۔

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆☆

☆

فم، حلق اور لسان کے مختلف حصوں کو واضح کرنے والا نقشہ

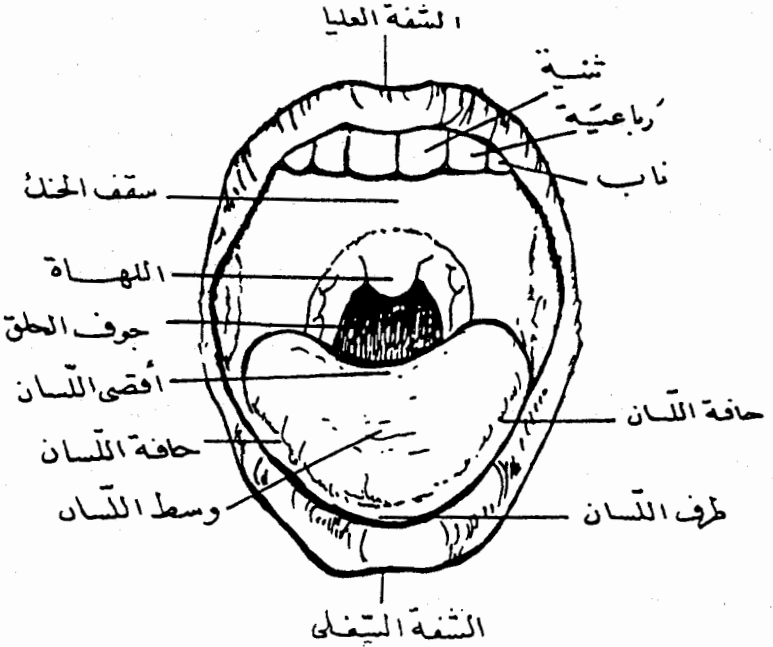

نقشہ نمبر (۲)

ماخوذ از کتاب "حق التلاوة" صفحہ ۲۱۴ معمولی تصرف کے ساتھ

☆ زبان کی کروٹ اوراس میں دومخرج ہیں:

۱- پہلامخرج ضاد کا، زبان کی دونوں کروٹوں میں سے کسی ایک کے شروع اور اسکے مقابل جواوپر کی ڈاڑھیں ہیں یہ ان سے ادا ہوتا ہے، اسکا ادا کرنا بائیں جانب سے آسان اور زیادہ رواج میں ہے، اور داہنی جانب سے ادا کرنا دشوار ہے اور اس کا استعمال نادر ہے۔[۶]

۲- دوسرا مخرج لام کا ہے، زبان کی دونوں کروٹوں میں سے کسی ایک کا ادنیٰ حصہ (ضاحک کے مقابل والا) اور زبان کے کنارے کے اخیر تک اس کے مقابل اوپر کے دانتوں کے مسوڑھے۔

☆ طرف لسان (زبان کا کنارہ) اور اسمیں پانچ مخارج ہیں:

۱۔ پہلامخرج نون کا، وہ نون ساکن جس کا اظہار ہورہا ہو اور نون متحرک، یہ طرف لسان سے نکلتا ہے لام کے مخرج کے ذرا نیچے سے اور اسکے مقابل اوپر کے دانتوں کا مسوڑھا۔

۲۔ دوسرا مخرج راء کا، طرف لسان مع متصل پشت لسان اور اس کے مقابل اوپر کا مسوڑھا۔ (ثنایا علیا اور رُباعی کی جڑ کے قریب)

۳۔ تیسرا مخرج طاء، دال، تاء کا ہے۔ زبان کی نوک اور ثنایا علیا کی جڑ، ذرا اوپر تالو کی طرف اُٹھتے ہوئے۔

۴۔ چوتھا مخرج صاد، سین اور زای کا ہے، یہ زبان کی نوک سے اور ثنایا علیا وسفلیٰ کے درمیان سے نکلتے ہیں۔

۵۔ پانچواں مخرج ظاء، ذال اور ثاء کا ہے، جو زبان کی نوک اور ثنایا علیا کے کنارے سے نکلتے ہیں۔

---

[۶] ضاد ایک بہت قوی اور مشکل حرف ہے اس کا صحیح طور پر ادا کرنا اکثر لوگوں کو مشکل ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس کو دونوں جانب سے ایک ساتھ ادا کیا کرتے تھے، یہ حرف زبان پر سب سے زیادہ سخت اور دشوار ہوتا ہے۔

(۴) حروفِ شفَتَین:

شفتین (دونوں ہونٹوں) میں چار حروف کے دو مخرج ہیں۔

۱۔ پہلا مخرج فاء کا ہے، جو نچلے ہونٹ کی بطن اور ثنایا علیا کے کناروں سے نکلتا ہے۔

۲۔ دوسرا مخرج واو۔ غیر مدّہ۔ باء اور میم کا ہے، یہ تینوں حروف ہونٹوں سے نکلتے ہیں (لیکن اس فرق کے ساتھ کہ) واو میں ہونٹ (آدھ) کھلے رہتے ہیں اور باء میم میں مل جاتے ہیں، (اور ان میں بھی آپس میں ذرا سا فرق ہے کہ باء میں دونوں ہونٹوں کا تر حصہ ملتا ہے اور میم میں دونوں ہونٹوں کا خشک حصہ)

(۵) حروفِ خیشوم:

خیشوم ناک کا منہ کے اندر کی طرف کا حصہ ہے، اور اسمیں ایک ہی مخرج ہے جس سے غنہ کے یہ حروف نکلتے ہیں:

۱۔ نون ساکن اور تنوینِ جبکہ غنہ کے ساتھ انکا ادغام ہو رہا ہو یا اخفاء ہو رہا ہو یا اقلاب ہو رہا ہو۔ (اور اگر ادغام یا اخفاء یا اقلاب نہ ہو رہا تو انکا مخرج خیشوم نہیں بلکہ جو مخرج مخارج کے بیان میں ذکر کیا گیا ہے وہی ہے)

۲۔ نون اور میم مشدد۔

۳۔ میم جبکہ اس کا اِدغام دوسرے میم میں ہو رہا ہو یا وہ باء کے ساتھ آئے اور اسکا اخفاء ہو رہا ہو۔ (اور اگر اس کا اِدغام یا اخفاء نہ ہو رہا ہو تو پھر اس کا مخرج خیشوم نہیں بلکہ شفتین ہیں)

اِنسان کے دانتوں کے نام:

کل دانت بتیس ہوتے ہیں سولہ اوپر کے جبڑے میں اور یہ سب کے سب علیا کہلاتے ہیں اور سولہ نیچے کے جبڑے میں، یہ تمام سفلیٰ کہلاتے ہیں اور وہ اس طرح تقسیم کئے گئے ہیں:

۱۔ ثَنایا، یہ ثنیۃ کی جمع ہے (جس کے معنی جوڑے کے ہیں، دو کے جوڑے میں سے ہر ایک دوسرے کا جوڑا ہوتا ہے) یہ فم (دہن) کے سامنے کے کل چار دانت ہیں دو اوپر کے جبڑے میں اور دو نیچے کے جبڑے میں، اوپر کے دو ثنایا عُلیا کہلاتے ہیں اور نیچے کے ثنایا سُفلیٰ۔

۲۔ رُباعیات، یہ رُباعیۃ کی جمع ہے، اور یہ وہ چار دانت ہیں جو ثنایا کے دائیں بائیں ان سے ملے ہوئے ہیں۔

۳۔ اَنیاب، یہ ناب کی جمع ہے (یعنی کیلے) اور یہ رُباعیات کے دائیں بائیں اُن سے ملے ہوئے چار دانت ہیں۔

۴۔ اَضراس (داڑھیں): یہ بیس ہیں جن کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: ضَواحک جو ضاحک کی جمع ہے (جسکے معنی ہیں ہنسنے والا، آدمی جب کِھل کھلا کر ہنستا ہے تو عموماً یہاں تک کے دانت نظر آتے ہیں)، یہ کیلوں کے بعد ان سے متصل چار دانت ہوتے ہیں، ہر کیلے سے ملا ہوا ایک ایک دانت ہے۔

دوسری قسم: طَواحن جو طاحن کی جمع ہے (یعنی پیسنے والا، یہ دانت چونکہ غذا کو چبانے اور پیسنے کا کام کرتے ہیں اسلئے یہ نام رکھا گیا) یہ کل بارہ دانت (داڑھیں) ہیں، چھ اوپر، دونوں طرف تین تین اور چھ نیچے دونوں طرف تین تین۔

تیسری قسم: نَواجِذ جو ناجِذ کی جمع ہے (نَجذ عقل کی پختگی کو کہتے ہیں، یہ داڑھیں عموماً پختہ عمر میں ہی نکلتی ہے، اِسی لئے) اسے عقل ڈاڑھ بھی کہتے ہیں، یہ فم کے اخیر میں طواحن کے بعد کل چار ڈاڑھیں ہیں (دونوں طرف اوپر نیچے ایک ایک)

(ہم نے معلومات کے لئے تمام دانتوں کا بیان کر دیا ہے ورنہ) اِن تمام دانتوں میں سے مخارج میں استعمال ہونے والے صرف اٹھارہ دانت ہیں، سولہ اوپر کے جبڑے میں اور دو نیچے کے جبڑے میں، سامنے والے جو حروف صفیر صاد، زای اور سین میں استعمال ہوتے ہیں۔

(یاد کرنے کی آسانی کے لئے ہم یہ تین شعر بھی لکھ دیتے ہیں جو اساتذۂ کرام یاد کرایا کرتے تھے، جن میں تمام بتیس دانتوں کا بیان ہے:

ہے تعداد دانتوں کی کل تیس اور دو
ثنایا ہیں چار اور رُباعی میں دو دو

ہیں اَنیاب چار اور باقی رہے بیس
کہ کہتے قرّاء اَضراس اُنہی کو

ضواحک ہیں چار اور اطواحن ہیں بارہ
نواجذ بھی ہیں اُن کے بازو میں دو دو

کل بتیس دانتوں کا تقریبی نقشہ

شكل تقريبي للأسنان في الفم

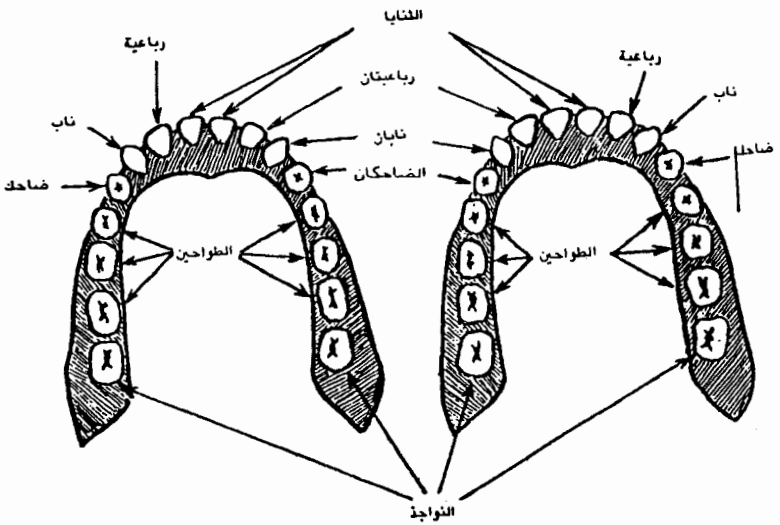

نقشہ نمبر (۳)

ماخوذ از کتاب ''علم تجوید القرآن''

تالیف: استاذ شیخ محمد ہشام البرہانی

حروف کے نام اپنے مخارِج کے لحاظ سے:

یہ کل دس القاب (نام) ہیں جو (ابو بشر عمرو بن عثمان) سیبویہؒ (پیدائش ۱۴۸ھ مطابق ۷۶۵ء وفات ۱۸۰ھ مطابق ۷۹۶ء) کے استاذ خلیل بن احمدؒ امام نحو (پیدائش ۱۰۰ھ مطابق ۷۱۸ء وفات ۱۷۰ھ مطابق ۷۸۶ء) نے اپنی کتاب "العین" میں تجویز کئے ہیں اور یہ نام انہوں نے حروف کے مخارج (انکے ادا ہونے کی جگہوں) کے ناموں سے اَخذ کئے ہیں:

۱-۲) **جَوفی۔ اور ۔ھوائی** : یہ تینوں حروفِ مدّہ ہیں: الف، واو، یاء۔ انکو جوفی اسلئے کہا گیا کہ یہ جوف سے نکلتے ہیں اور ہوائی اسلئے کہا گیا کہ یہ **ھواءِ فم**[۷] سے نکلتے ہیں۔ اور ان کو حروفِ مدّہ بھی کہتے کیونکہ یہ مد کے ساتھ (یعنی کھینچ کر) ادا ہوتے ہیں اور لِین بھی کہتے ہیں اسلئے کہ یہ زبان پر کسی دشواری کے بغیر ادا ہوتے ہیں کیونکہ انکے مخارج میں وسعت ہے۔

۳) **حلقی** : یہ چھ حروف ہیں: **ء - ھاء- عین- حاء-غین-خاء**- انکا یہ نام اسلئے ہوا کہ یہ حلق سے نکلتے ہیں۔

۴) **لَھَوِی**: یہ **ق** اور **ك** ہیں، انکا یہ نام اسلئے ہوا کہ یہ **لَھَات** (حلق کے کوّے جسے کاگ بھی کہتے ہیں) سے نکلتے ہیں، یعنی حلق کے اندر وہ اُبھرا ہوا گوشت کا ٹکڑا جو حلق کے اخیر میں (لٹکا ہوا نظر آتا) ہے۔

۵) **شجری**[۸]: یہ **ج-ش-ی** غیر مدّہ ہیں، انکا یہ نام اسلئے ہوا کہ یہ شجرِ فم سے نکلتے ہیں یعنی دونوں جبڑوں کے درمیان کا خالی حصہ۔

۶) **ذَلقی**: یہ لام، ن اور ر ہیں، ان کا یہ نام اسلئے ہوا کہ یہ ذلقِ لسان (یعنی زبان کے کنارے) سے نکلتے ہیں۔

---

۷ "ہواء" خالی حصے اور فضاء کو کہتے ہیں، اس لحاظ سے یہ تقریباً "جوف" کے ہم معنی ہی ہے۔ (طارق)

۸ یہاں "شَجْرِي" "شَجْر" سے ہے جیم کے سکون کے ساتھ، جس کے معنی ہیں: تالو اور زبان کے درمیان فم کا خالی حصہ- اور "شَجَر" جیم کے فتحہ کے ساتھ درخت کو کہتے ہیں، یہاں وہ مراد نہیں۔۔ (طارق)

۷) **نَطعِی:** یہ **ط ، د** اورت ہیں، انکا یہ نام اسلئے ہوا کہ یہ حروف (اوپر کے) دانتوں کی اس جڑ سے نکلتے ہیں جو نَطعِ فم سے ملی ہوتی ہے، نَطع غار (کے اوپر کے حصے) کو کہتے ہیں (نَطعِ فم تالو کے درمیانی حصے کو کہتے ہیں جہاں زبان لگی رہتی ہے)

۸) **اَسَلِی:** یہ **ص، ز** اور **س** ہیں، انکا یہ نام اسلئے ہوا کہ یہ اَسلہ کسان سے نکلتے ہیں یعنی اسکی نوک اور اسکا باریک حصہ۔

۹) **لثــوِی:** یہ **ظ، ذ** اورث ہیں، انکا یہ نام اس لئے ہوا کہ انکا مخرج لِثَــة یعنی مسوڑھوں کے قریب ہے (یعنی زبان کی نوک اور ثنایائے علیا کا کنارہ)

۱۰) **شَـفَوِی:** یہ **ف، و، ب** اور **م** ہیں، انکا یہ نام اس لئے ہوا کہ یہ شَـفَـة یعنی ہونٹ سے نکلتے ہیں۔

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆☆

☆

گیارہویں فصل

حروف کی صفات کا بیان

صفات: یہ صفت کی جمع ہے، اور یہ کسی حرف کی اُس کیفیت وحالت کا نام ہے جو مخرج سے ادا کرتے وقت اسکو پیش آتی ہے، صفاتِ حروف کی تعداد میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، جمہور کا مشہور قول یہ ہے کہ حروف کی کل صفات سترہ ہیں:

تعداد	صفات کے نام	تعداد	صفات کے نام
۱	جَھر	۱۰	اِذلاق
۲	ھَمس	۱۱	صفیر
۳	رَخاوہ	۱۲	قَلقَلَہ
۴	شدَّت	۱۳	لِین
۵	استِفَال	۱۴	اِنحِرَاف
۶	اِستِعلاء	۱۵	تکرِیر
۷	اِنفِتاح	۱۶	تفشی
۸	اِطباق	۱۷	اِستِطالَت
۹	اِصمَات		

اوران صفات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مُتضادّہ (۲) غیر متضادّہ

صفاتِ متضادہ پانچ ہیں:

۱-جھر اس کی ضد: ھمس-

۲-شدت اس کی ضد: رَخاوہ، اوران دونوں کے درمیان توسط ہے-

۳-استعلاء اس کی ضد: استفال-

۴-اِطباق اس کی ضد: اِنفتاح-

۵-اِذلاق اس کی ضد: اِصمَات-

صفات کی دوسری قسم صفات غیر متضادہ ہے، اوروہ سات یہ ہیں:

۱۔ صَفِیر۔ ۲۔ قَلقَلَه۔ ۳۔ لِیُن۔

۴۔ انحراف۔ ۵۔تکریر۔ ۶۔ تفشی۔

۷۔ اِستطالَت۔

صفات متضادہ کی تفصیل:

۱۔ھمس:

لغت میں اسکے معنی پستی اور چھپانے کے ہیں (خصوصاً آواز کا دبانا یا ہلکی آہٹ یا قدموں کی چاپ اور دبے پاؤں گزرنے کی معمولی آواز)

اصطلاح میں ہمس سے مراد ہے حرف کو ادا کرتے وقت سانس کا جاری رہنا، مخرج پر جماؤ کم ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اِسکے حروف یہ دس ہیں:

سین و کاف وتاء ثاء وفاء و حاء

ھاء وشین وضاد اور دسواں ہے خاء

جن کا مجموعہ ہے: سَكَتَ فَحَثَّه شَخْصٌ[1]۔ (اور یہ حروف حروفِ مہموسہ کہلاتے ہیں)

۲۔ **جھر** : یہ ہمس کی ضد ہے۔

لغت میں اسکے معنی اعلان اور بلند آواز کے ہیں۔

اصطلاح میں جہر کہتے ہیں حرف کو ادا کرتے وقت سانس کی رفتار کے گھٹ جانے کو جو مخرج پر پوری طرح جماؤ کی وجہ سے ہوتا ہے، اس کے کل انیس حروف ہیں (نہایۃ القول صفحہ ۵۷)، یعنی ہمس کے حروف کے علاوہ باقی تمام حروف (اور یہ حروف مجہورہ کہلاتے ہیں)۔

۳۔ **شِدَّت:**

لغت میں اس کے معنی قوت اور سختی کے ہیں۔

اصطلاح میں اس سے مراد ہے حرف کو ادا کرتے وقت آواز کی رفتار کا گھٹ جانا جو مخرج پر کمال اعتماد و جماؤ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس کے حروف آٹھ ہیں

ہمزہ جیم و دال قاف
باء و تاء و طاء وکاف

جن کا مجموعہ یہ ہے: أَجِدُ قَطٍ بَكَتْ (شدت کے یہ حروف شدیدہ کہلاتے ہیں)

۴۔ **رَخاوَہ:** اور یہ شدت اور توسط کی ضد ہے۔

لغت میں رَخاوہ کے معنی نرمی اور لین کے ہیں۔

---

[1] (یہاں اس کے معنی ملحوظ ومقصود نہیں ہیں تاہم) اسکے معنی ہوتے ہیں کہ ایک شخص بات کرنے سے رُک گیا تھا تو اسے ایک دوسرے شخص نے بات چیت کرنے پر آمادہ کیا۔

اصطلاح میں اس سے مراد ہے حرف کے ساتھ آواز کا جاری رہنا اور یہ مخرج پر جماؤ کم ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس کے حروف سولہ ہیں (نہایۃ القول صفحہ ۵۹) یعنی گزشتہ صفت شدت کے آٹھ اور ذیل کے توسط کے پانچ حروف کو چھوڑ کر باقی تمام کے تمام حروف اور توسط کے حروف یہ ہیں: **ل، ن، ع، م** اور **ر**۔ جن کا مجموعہ "لِنْ عُمَر" ہے۔ (حرفِ نداء یہاں محذوف ہے، معنی ہوئے: عمر نرم ہو جاؤ)

انکی صفت کو توسط[۲] اسلئے کہا گیا ہے کہ انکو ادا کرتے وقت نہ تو صفت شدت کی طرح آواز گھٹ کے رہ گئی اور نہ رَخاوہ کی طرح انکو ادا کرتے وقت آواز پوری طرح جاری رہی۔

۵۔ استِعْلاء:

لغت میں اسکے معنی بلند ہونے اور اوپر اٹھنے کے ہیں۔

اصطلاح میں اس سے مراد ہے حرف کو ادا کرتے وقت زبان کی جڑ کا اوپر تالو کی طرف اٹھنا (علم التجوید صفحہ ۸۴۰) اسکے حروف سات ہیں: **خ۔ ص۔ ض۔ غ۔ ط۔ ق۔ ظ۔**

جن کا مجموعہ ہے: **خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ**[۳] (استعلاء کے حروف کو مستعلیہ کہتے ہیں)

۶۔ استِفَال: یہ استعلاء کی ضد ہے۔

---

۲ مصنف نے اس صفت کو یہاں رخاوہ کے ضمن میں بیان کر دیا ہے، بعض دوسرے حضرات نے اس کو ایک مستقل صفت کے طور پر بیان کیا ہے۔ (طارق)

۳ "خُصّ" بانس کی پھچیوں اور پھونس سے بنی جھونپڑی کو کہتے ہیں، حدیث وسیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ کچھ لوگ حضرت سلمان فارسیؓ سے ملنے کے لئے پہنچے تو وہ مدائن میں اپنی "خُصّ" میں یعنی جھونپڑی میں تھے۔ (حیاۃ الصحابۃ تحقیق محمد عبداللہ طارق ۳/ ۶۳)

اور یہاں خص پر نصب حرف جر کے حذف ہو جانے کی وجہ سے ہے جسے اصطلاحِ نحو میں "المنصوب بنزع الخافض" کہتے ہیں، ضغط سے تنگ مکان مراد ہے، اور قِظ أمر ہے "القیظ" سے بمعنی سخت گرمی، یہ (ایک زاہدانہ) نصیحت ہے کہ "اقنع من الدنیا بمثل هذا" یعنی دنیا میں بس اتنی مقدار پر قناعت کر لو۔

لغت میں اسکے معنی پستی کے ہیں۔

اصطلاح میں اس سے مراد ہے حرف کے ادا کرتے وقت زبان کا منہ کے اندر پست رہنا (تالو کی طرف بلند نہ ہونا)

اس کے حروف استعلاء کے (مذکورہ سات) حروف کے علاوہ باقی تمام بائیس حروف ہیں۔ (نہایۃ القول صفحہ ۶۴)

۷۔ اِطْباق:

لغت میں اس کے معنی ملانے کے ہیں۔

اصطلاح میں مراد ہے زبان کا اپنے مقابل اوپر کے تالو سے ملنا۔

اس کے حروف یہ چار ہیں: **ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔**

۸۔ اِنفتاح: یہ اطباق کی ضد ہے۔

لغت میں اسکے معنی کھلنے اور جدا ہونے کے ہیں۔

اصطلاح میں اس سے مراد ہے زبان کا تالو سے جدا رہنا اور اس کے حروف کو ادا کرتے وقت سانس کا ان دونوں کے درمیان سے گزر جانا۔

اس کے حروف اطباق کے (چار) حروف کو چھوڑ کر باقی تمام پچیس حروف ہیں۔
(نہایۃ القول صفحہ ۶۵)

۹- اِذْلاَق: لغت میں ذَلْق[۴] کے معنی دھار اور نوک کے آتے ہیں۔

اصطلاح میں ہے حروف کا زبان کی نوک یا ہونٹ کے سرے سے نکلنا۔ (اور یہ حروف مُذلِقَه کہلاتے ہیں)

---

[۴] یہ ذلق ذال سے ہے، بعض حضرات کو مغالطہ ہوا ہے اور انہوں نے اس کا مفہوم پھسلنا لکھدیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حروف چونکہ زبان سے پھسلتے ہوئے ادا ہوتے ہیں اسلئے اس صفت کا یہ نام ہوا، حالانکہ پھسلنے کے معنی میں جو لفظ آتا ہے وہ ''زلق'' زای سے ہے۔ (طارق)

یہ حروف کل چھ ہیں (تین زبان کی نوک سے نکلنے والے) **ر، ل، ن** (اور تین ہونٹوں کے سرے سے نکلنے والے:) **ب، ف، م**- ان کا مجموعہ ہے: **فَرَّ مِنْ لُبِّ** [۵]

۱۰-اِصْمات : یہ اِذْلاق کی ضد ہے۔

لغت میں اِصمات کے معنی منع کرنے (اور روک دینے) کے ہیں۔

اصطلاح میں اس سے مراد روک دینا ہے اس بات سے کہ تنہا ان حروف سے رُباعی اور خماسی کلمات بنیں تاوقتیکہ اُن (رُباعی اور خماسی کلمات) میں حروف مصمتہ کے ساتھ کوئی نہ کوئی حرف مُذلقہ کا نہ ہو۔

(عربی زبان کے زیادہ تر الفاظ کے بنیادی حروف تین ہوتے ہیں جیسے ضَرَبَ، نَصَرَ میں ہے اور یہ الفاظ ثلاثی یعنی تین حرف والے کہلاتے ہیں، لیکن بعض الفاظ اس سے زائد حروف والے بھی ہیں مثلاً چار حروف والے جو رُباعی کہلاتے ہیں اور پانچ حروف والے جو خماسی کہلاتے ہیں۔

یہاں بتانا یہ ہے کہ رُباعی اور خماسی کلمات میں اصولی طور پر ایسا نہیں ہوگا کہ ان کے تمام کے تمام حروف حروفِ مصمتہ میں سے ہی آجائیں اور کوئی ایک حرف بھی اُن میں مُذلقہ کا نہ ہو، یہ روک دینا اور پابندی لگا دینا یہی خصوصیت ہے اس صفت کی) [۶]

اس کے حروف اِذلاق کے (چھ) حروف کو چھوڑ کر باقی (کُل) تئیس کے تئیس

---

۵ فَرّ، فرار سے ہے اور لب سے مراد ذی لب، جس کے معنی عقل کے ہیں، یعنی جاہل آدمی عقل والے سے بھاگا۔ (اِن ہی حروف کا دوسرا مجموعہ "مَرَّ بِنُفْلٍ" بھی ذکر کیا گیا۔ "مَرَّ" گزر گیا، پار ہوگیا کہ معنی میں ہے، یعنی وہ نوافل کے ذریعہ پار ہوگیا۔

۶ مصنف نے اِصمات کی یہی تعریف لکھی ہے اور یہ وہ تعریف ہے جو اہل لغت بیان کرتے ہیں، چنانچہ تاج العروس ۱/ ۵۶۲، میں یہی تعریف بیان کی گئی ہے، اور یہ اہل لغت ہی کے موضوع کے مطابق ہے اس لئے کہ کلمے کی ساخت اور اسکے اجزاء ترکیبی سے بحث کرنا ان کا کام ہے اور اسکے طرز اداء اور صحت تلفظ کا موضوع ہے۔ اسلئے اس تعریف کا فن تجوید وقرأت سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے، اہل قرأت اصمات کی تعریف یہ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد ہے زبان کا جم جانا، یہ نام اس صفت کا اسلئے ہوا کہ اسکے حروف اپنے مخرج سے مضبوطی سے اور جم کر ادا ہوتے ہیں، جلدی اور آسانی سے ادا نہیں ہوتے، زبان انکو ادا کرتے وقت جم کے اور رُک کے رہ جاتی ہے۔ (طارق)

ہیں (نہایۃ صفحہ ۶۷) (جو مُصمتہ کہلاتے ہیں)

صفاتِ غیر متضادّہ:

۱- صفیر: لغت میں یہ (سیٹی اور سسکاری کی) وہ آواز ہے جو چوپایوں کو پانی پلاتے وقت نکالی جاتی ہے۔

اصطلاحاً اس سے وہ زائد آواز مراد ہے جو اسکے تین حروف کو ادا کرتے وقت ہونٹوں کے درمیان سے نکلتی ہے۔

اس کے یہ تین حروف ہیں: **ص، ز، س**۔

یہ حروف صفیر اسلئے کہلاتے ہیں کہ ان کو ادا کرتے وقت پرندوں کی صفیر یعنی سیٹی کی سی آواز نکلتی ہے ''ص'' کو ادا کرتے وقت بطخ یا مرغابی کے ملتی جلتی آواز ظاہر ہوتی ہے، ''ز'' کو ادا کرتے وقت شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ سی محسوس ہوتی ہے اور ''س'' کو ادا کرتے وقت ٹڈی (کے اڑنے) کی سی آواز محسوس ہوتی ہے۔

اور ان تینوں میں سب سے قوی حرف ''ص'' ہے اسلئے کہ اسمیں اِستعلاء اور اِطباق کی صفتیں پائی جاتی ہیں، اس کے بعد ''ز'' ہے اس لئے کہ اسمیں جہر کی صفت پائی جاتی ہے، اور سب سے کم درجہ میں ''س'' ہے اسلئے کہ وہ مہوسہ اور رخوہ کا حرف ہے۔

۲- قلقلہ: لغت میں اسکے معنی حرکت دینے کے ہیں۔

اصطلاحاً اس سے مراد ہے حرف کا اپنی ادائیگی کے وقت ساکن ہوتے ہوئے بھی اپنی ماقبل والی حرکت کی طرف مائل ہونا۔ (نہایۃ القول، صفحہ ۶۹) کہ آواز میں ایک اچھا خاصا اُبھار اور قوت محسوس ہو۔[1]

---

[1] بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ان حروف کی یہ کیفیت ان سے ماقبل حرف کی حرکت پر موقوف ہے لیکن اہل اَداء کی اکثریت کا کہنا یہ ہے کہ یہ حروف ہر حال میں بحالت سکون فتحہ کی طرف مائل محسوس ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے لکھا ہے اور عمل اسی پر جاری ہے۔

اس کے حروف پانچ ہیں: قاف، طاء، باء، جیم، دال۔ جن کا مجموعہ "قُطْبُ جَدٍ" [۸] ہے۔

اس کا یہ نام اس لئے ہوا کہ اس حرف کو حالت سکون میں ادا کیا جائے تو سننے والا اس وقت تک پوری طرح سن نہیں سکتا جب تک کہ اس کے اندر کسی درجے میں حرکت کی سی آواز پیدا نہ کیجائے، اور یہ بات اس میں اسلئے پیدا ہوئی کہ ان حروف میں جہر اور شدت کی صفتیں پائی جارہی ہیں، جہر حرف کی ادائیگی کے ساتھ سانس کو جاری رہنے سے روکتی ہے اور شدت آواز کو جاری رہنے سے روکتی ہے، اس لئے آواز کو واضح کرنے کے لئے اس تکلف (یعنی قلقلے) کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ اگر قاری آواز میں ایک خاص قسم کا اُبھار (اور سکون کے باوجود قدرے حرکت کی سی آواز) پیدا نہ کرے تو (سننے والے کے لئے) حروف واضح اور نمایاں ہی نہ ہوسکیں۔ کیونکہ یہ جب ساکن ہوتے ہیں تو کمزور ہوجاتے ہیں (اور ان کی آواز دب کے رہ جاتی ہے..... واضح رہے کہ قلقلہ ہمیشہ سکون کی حالت میں ہی ہوتا ہے)

(پھر اِس قلقلے کے بھی درجات ہیں:) حرف جب کلمے کے درمیان واقع ہوگا تو "قَلْقَلَهٔ صُغرٰی" ہوگا، جیسے: خلَقْنَا، اطْمأنوا، صبْحًا، الفجر، عَدْن—اور جب حرف کلمے کے اخیر میں ہو اور اسی پر وقف ہو رہا ہو تو "قلقلهٔ کُبرٰی" ہوگا، جیسے: لُوط، کَسَب، أمْشَاج، لم یَلِدْ۔

اور اگر (قلقلہ کا) وہ حرف جس پر وقف ہو رہا ہے مشدد ہو تو قلقلے کو بہت واضح اور نمایاں کیا جائے گا، اس طرح قلقلے کے کل تین درجات ہوجاتے ہیں:

۱) (قلقلے کا) مشدد حرف جبکہ اسپر وقف ہو رہا ہو، جیسے: الحقّ۔

۲) (قلقلے کا) ساکن حرف جب اس پر وقف ہو رہا ہو، جیسے: مجید

---

۸ قُطب: چکی کے کیلے کو کہتے ہیں اور جد کے معنی ہیں قسمت، نصیبہ (یا بزرگی اور مطلب پوری جملہ کا ہوا مدار بزرگی وعظمت) (طارق)

۳) (قلقلے کا) ساکن حرف جب اس پر وقف نہ ہو رہا ہو (بلکہ وہ کلمے کے درمیان آ رہا ہو)، جیسے: یَبْخَلُوْن۔

(یہ حروف حروفِ قلقلہ کہلاتے ہیں) ان میں (صفت قلقلہ میں) سب سے اعلیٰ درجے میں طاء ہے، اور اوسط درجے میں جیم ہے، اور پھر باقی تینوں ہیں۔

۳۔ **لِیْن:** لغت میں اسکے معنی سہولت اور نرمی کے ہیں۔

اصطلاحاً اس سے مراد ہے حرف کا اس کے مخرج سے سہولت کے ساتھ زبان کو کوئی تکلیف دئے بغیر ادا ہونا۔

اس کے حروف دو ہیں: و اور ی۔ جبکہ یہ دونوں ساکن ہوں اور ان سے پہلے حرف پر فتحہ آ رہا ہو، جیسے الصَّیْفِ، خَوْفٍ۔ اور اگر ان سے پہلے حرف پر ان کے ہم جنس حرکت ہو تو پھر یہ حروف حروفِ مد ہیں، (جیسے: نُوْحِیْهَا)۔

ان دونوں حرفوں کا یہ نام اسی لئے ہوا ہے کہ یہ زبان پر آسانی سے جاری ہوتے ہیں۔

۴۔ **انحراف:** لغت میں اسکے معنی ہیں ہٹ جانا، پھر جانا۔

اصطلاح میں حرف کا اپنے مخرج سے ہٹ کر دوسرے حرف کے مخرج کے قریب ہو جانا ہے اور اسکے دو حروف ہیں: ل، ر۔

ان کا یہ نام اسلئے ہوا کہ یہ دونوں اپنے مخرج سے ذرا ہٹے ہوئے ہیں، لام زبان کے کنارے کی طرف کو ہٹا ہوا ہے یعنی نون کے مخرج کی طرف کو ہے، اور راء قدرے زبان کی پیٹھ کی طرف کو یعنی لام کی طرف کو جھکاؤ رکھتی ہے۔

(یہ حروف مُنحرفہ کہلاتے ہیں)

۵- **تکریر:** لغت میں تکریر تکرار کرنے اور بار بار کوئی کام کرنے کو کہتے ہیں۔

اصطلاح میں حرف کو ادا کرتے وقت زبان کے سرکا (کانپنا) حرکت کرنا مراد ہے۔

اس کا صرف ایک ہی حرف ر ہے۔

اس کا یہ نام اس لئے ہوا کہ یہ (اپنی ادائیگی کے وقت) تکرار کو قبول کر سکتی ہے، اور یہ صفت اسکی واقعی صفت نہیں ہے بلکہ یہ تو اسلئے ذکر کردی جاتی ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ راء میں تکرار پیدا ہونا اچھا نہیں ہے بلکہ یہ ایک عیب ہے، قاری کو چاہئے راء کو ادا کرتے وقت اپنی زبان کو یکبارگی تالو پر مضبوطی سے جمادے اور زبان میں کپکپی اور لرزہ نہ پیدا ہونے دے اس جما دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بس ایک ہی راء ادا ہوگی (اور وہ اس عیب سے بچ جائے گا)۔

اور اس کی تکرار زیادہ واضح اسوقت ہوتی ہے جبکہ راء مشدد ہو، اسلئے قاری کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی تکرار (اور زبان کی کپکپی) کو چھپائے اسے ظاہر نہ ہونے دے۔ لیکن یہ بھی خیال رہے کہ مقصود تکریر کے چھپانے سے تکریر کا بالکلیہ ختم کر دینا نہیں ہے کیونکہ تکریر کو بالکلیہ ختم کر دینے سے آواز بند ہو جائے گی اور راء کا تلفظ طاء کی طرح ہو جائے گا جو کہ غلط ہے اور ناجائز ہے۔

۶۔ **تَفَشِّی**: لغت میں اسکے معنی پھیلنا اور کشادہ ہونا ہیں۔

اصطلاح میں مراد ہے حرف کو ادا کرتے وقت ہوا کا منھ کے اندر اس طرح پھیلنا کہ وہ زبان کے کنارے تک آجائے اور ظاء کے مخرج کے قریب پہنچ جائے۔

اور اس کا صرف ایک ہی حرف **ش** ہے۔

اس کا یہ نام اس لئے ہوا کہ اس میں رُخاوہ ہے شدت نہیں ہے، اس کی آواز منھ میں پھیلتی ہے اور **ظ** کے قریب پہنچ جاتی ہے، لیکن یہ بات محض تخیلاتی ہے حقیقی نہیں ہے، کیونکہ ہوا واقعۃً **ظ** کے مخرج سے نہیں مل جاتی بلکہ اسکے مخرج کے قریب پہنچ جاتی ہے۔

۷۔ **استطالت**: لغت میں اس کے معنی دراز ہونا، لمبا ہونا ہیں۔

اصطلاحاً اس سے مراد ہے آواز کا زبان کی دونوں کروٹوں میں سے کسی ایک کروٹ کے شروع سے اخیر تک دراز ہونا۔

اس صفت کا بس ایک ہی حرف ضاد ہے، اور یہ صرف اسی حرف کی صفتِ لازمہ ہے۔[۹]

اس صفت کا نام (استطالت یا) مستطیلہ اسلئے ہوا کہ اسکی آواز اسکے مخرج کے اندر کھچی اور لام کے مخرج کے قریب پہنچ گئی، ض کے مخرج میں اور ل کے مخرج کی شروعات میں کوئی فاصلہ نہیں ہے، بخلاف شین کے اسلئے کہ اسکے مخرج میں اور ظاء کے مخرج کے درمیان کئی مخارج ہیں۔

صفات کی قوت وضعف کی درجہ بندی کا نقشہ:

یہاں تک صفات کا بیان مکمل ہوگیا، اب ہم تمام حروفِ تہجی کی صفات کو واضح کرنے انکی قوی، ضعیف اور متوسط صفات ظاہر کرنے، اور ہر ہر حرف میں کتنی کتنی صفات ہیں یہ بتانے کے لئے ایک مفصل نقشہ دیتے ہیں (تاکہ مذکورہ تمام تفصیلات ایک نظر میں سامنے آجائیں):

تعداد	حروف تہجی	اس میں قوت کی صفات کیا کیا ہیں؟	اس میں ضعف کی صفات کیا کیا ہیں؟	متوسط کی صفت کیا ہے؟	اسکی صفات کی تعداد
۱	ہمزہ	جہر، شدت	استفال، انفتاح	اِصمات	۵
۲	باء	جہر، شدت، قلقلہ	استفال، انفتاح	اِذلاق	۶
۳	تاء	شدت	استفال، انفتاح، ہمس	اِصمات	۵
۴	ثاء	•	ہمس، رخاوۃ، استفال، انفتاح	اِصمات	۵
۵	جیم	جہر، شدت، قلقلہ	استفال، انفتاح	اِصمات	۶
۶	حاء	•	ہمس، رخاوۃ، استفال، انفتاح	اِصمات	۵

۹ ضاد کی استطالت (درازی) اور حروف مد کے کھچنے میں فرق ہے، ضاد میں استطالت مخرج کے اندر ہوتی ہے اور حروف مدہ میں جو کھنچنا ہوتا ہے وہ سانس کا کھنچنا ہوتا ہے اس کھینچنے کا تعلق مخرج سے کچھ نہیں ہوتا۔

۷	خاء	استعلاء	ہمس، رخاوۃ، انفتاح	اِصمات	۵
۸	دال	جہر، شدت، قلقلہ	استفال، انفتاح	اِصمات	۶
۹	ذال	جہر	رخاوۃ، استفال، انفتاح	اِصمات	۵
۱۰	راء	جہر، انحراف، تکریر	رخاوۃ اور شدت کے درمیان توسط، استفال، انفتاح	اِذلاق	۷
۱۱	زای	جہر، صفیر	رخاوۃ، استفال، انفتاح	اِصمات	۶
۱۲	سین	صفیر	ہمس، رخاوۃ، استفال، انفتاح	اِصمات	۶
۱۳	شین	تفشی	ہمس، رخاوۃ استفال، انفتاح	اِصمات	۶
۱۴	صاد	استعلاء، اطباق، صفیر	ہمس، رخاوۃ	اصمات	۶
۱۵	ضاد	جہر، استعلاء، اطباق، استطالۃ	رخاوۃ	اِصمات	۶
۱۶	طاء	جہر، شدت، استعلا اِطباق، قلقلہ	•	اصمات	۶
۱۷	ظاء	جہر، استعلاء، اِطباق	رخاوۃ	اصمات	۵
۱۸	عین	جہر	انفتاح، استفال، رخاوت اور شدت کے درمیان توسط	اصمات	۵

۱۹	غین	جہر، استعلاء	رخاوۃ، انفتاح	اِصمات	۵
۲۰	فاء	۰	ہمس، رخاوۃ، استفال، انفتاح	اِذلاق	۵
۲۱	قاف	جہر، شدت، استعلاء، قلقلہ	انفتاح	اِصمات	۶
۲۲	کاف	شدت	ہمس، استفال، انفتاح	اِصمات	۵
۲۳	لام	جہر، انحراف	استفال، انفتاح، رخاوۃ اور شدت کے درمیان توسط	اِذلاق	۶
۲۴	میم	جہر	استفال، انفتاح، غنہ، رخاوۃ اور شدت کے درمیان توسط	اِذلاق	۶
۲۵	نون	جہر	استفال، انفتاح، غنہ،[۱] رخاوۃ اور شدت کے درمیان توسط	اِذلاق	۶
۲۶	واو	جہر	استفال، انفتاح، رخاوۃ، لین	اِصمات	۶
۲۷	ہاء	۰	ہمس، رخاوۃ، استفال، انفتاح	اِصمات	۵
۲۸	یاء	جہر	رخاوۃ، استفال، انفتاح، لین	اِصمات	۶

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ (صفات کے لحاظ سے)

۱؎ غنہ کا شمار صفات عارضہ میں ہوتا ہے۔ (طارق)

حروف کی کل تین قسمیں ہیں، (۱) قوی۔ (۲) ضعیف۔ (۳) متوسط۔ اور ان میں طاء مطلقا تمام حروف سے زیادہ قوی ہے (چنانچہ کوئی حرف ایسا نہیں جسمیں ضعف کی کوئی نہ کوئی صفت نہ پائی جاتی ہو، صرف طاء ہی ایک ایسا حرف ہے جسمیں ضعف کی کوئی صفت نہیں اور قوت کی پانچ صفات جمع ہیں اور ایک صفت توسط کی ہے۔

(طاء کے علاوہ کسی حرف میں قوت کی پانچ صفات جمع نہیں ہیں) اور سب سے ضعیف حروف ہاء، حاء، فاء اور ثاء ہیں اور باقی حروف متوسط ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے قوی بھی ہیں۔ (چنانچہ بعض قُراء حضرات نے صفات کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں: (۱) قوی۔ (۲) اقویٰ۔ (۳) متوسط۔ (۴) ضعیف۔ (۵) اَضعف)

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆☆

☆

بارہویں فصل

تفخیم اور ترقیق (یعنی پُر ہونا اور باریک پڑھنا)

تمام حروف تفخیم (پُر پڑھنے) اور ترقیق (باریک پڑھنے) کے لحاظ سے تین قسم کے ہیں:

۱- صرف پُر پڑھے جانے والے۔

۲- صرف باریک پڑھے جانے والے۔

۳- جن میں دونوں طریقے جائز ہیں۔

پہلی قسم : پُر پڑھے جانے والے:

اور اس سے مراد ہے حرف کو موٹا کر کے پڑھنا، یا حرف کو ادا کرتے ہوئے اسکی آواز کو بڑا کر کے ظاہر کرنا تا کہ مخرج میں وہ موٹا اور صفت میں قوی ہو جائے، اور ایسے حروف یہ سات ہیں : خ ۔ ص۔ض۔ غ۔ط۔ ق۔ ظ۔ جن کا مجموعہ ہے: خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ ۔

اور یہ حروف حروفِ استعلاء'' کہلاتے ہیں، ان کو ہر حال میں پُر کرنا ضروری ہے، اور ان میں بھی سب سے زیادہ پُر ہونے والے حروف (صفت) ''اِطْبَاق'' کے یہ چار حروف ہیں: ص، ض، ط، ظ۔ (اور یہ حروف ''حروفِ مطبق'' کہلاتے ہیں)

بس ہر مطبق مستعلی ہے لیکن ہر مستعلی مطبق نہیں، اسی طرح ہر مستعلی مفخم (یعنی پُر) ہے لیکن ہر مفخم مستعلی نہیں۔[1]

---

[1] چنانچہ تین حروف اور بھی ہیں جو بعض حالات میں پُر ہوتے ہیں اور بعض میں نہیں، اور وہ ہیں الف لین، (۲) اللہ کا لام اور (۳) راء۔ (اسکی تفصیل آگے آرہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ)

حروفِ استعلاء کی ترتیب قوت کے لحاظ سے یہ ہے (پہلے طاء، پھر ضاد، پھر صاد، پھر ظاء پھر قاف، پھر غین پھر خاء۔

پھر ان کی (حرکات کی حالتوں کے لحاظ سے بھی) پُر ہونے کے پانچ درجات ہیں:

اوّل درجے میں (استعلاء کا حرف) اسوقت پُر ہوگا جبکہ اسپر فتحہ ہو اور اسکے بعد الف ہو، جیسے: وَ إِنْ طَائِفَتٰنِ، وَلاَ الضَّالين، الصّٰلِحِيْن، الظٰلمينَ، القَانِتين، غَافِرِ الذَّنْبِ، خاَشِعًا۔

دوسرے درجے میں اسوقت جبکہ اسپر فتحہ ہو لیکن اسکے بعد الف نہ ہو، جیسے: وَالطَّيْر، وَضَعتُهَا، صَبَرَ، ظَلَمَ، القَمَر، وَ غَفَر، خَرَجتُ۔

تیسرے درجے میں اسوقت جبکہ اسپر ضمہ (پیش) ہو، جیسے: الطُّوْفَانَ، فَضُرِبَ، صُرِفَتْ، ظُلِمَ، القُمَّلَ، غُلِبَتِ، خُلِقُوْا۔

چوتھے درجے میں اسوقت جبکہ وہ ساکن ہو، جیسے: نَطْوِیْ، يَضْرِب، نَصْر، أظْلَم، يَقْدِر، يَغْفِر، يَخْلُق۔ [۲]

پانچویں درجے میں اس وقت جبکہ اس پر کسرہ ہو، جیسے: طِفْلاً، ضِرَارًا، صِرَاط، ظِلاَل، قِيْلَ، غِسْلِين، خِفْتُم۔

دوسری قسم: باریک پڑھے جانے والے:

اور اس سے مراد یہ ہے کہ حرف کو یا اس کی آواز کو پڑھتے ہوئے باریک کیا جائے اتنا کہ وہ مخرج میں باریک ہو جائے اور صفت میں ضعیف (کمزور) ہو جائے، اور اسکے

---

[۲] امام متولی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ فرماتے ہیں کہ ساکن میں بھی (درجاتِ تفخیم کے لحاظ سے) تفصیل ہے، چنانچہ اگر اس سے پہلے حرف پر فتحہ ہے تو وہ اتنا پر ہوگا جتنا کہ وہ حالتِ فتحہ میں اسوقت ہوتا جبکہ اسکے بعد الف نہ ہوتا، (یعنی دوسرے درجے میں جیسا کہ ابھی دو پر بیان ہوا ہے)
اسی طرح اگر اس سے پہلے حرف پر ضمہ (پیش) ہے تو وہ اتنا پُر ہوگا جتنا کہ یہ ضمہ کی حالت میں پُر ہوتا، اور اگر مکسور ہو تو اس سے ذرا اور کم پُر ہوگا۔

حروف وہ تمام کے تمام ہیں جو استعلاء کے سات حروف کو چھوڑ کر باقی بچتے ہیں، یعنی بائیس حروف اور یہ حروف ''حروفِ استفال'' کہلاتے ہیں، اور ان حروف کا ہر حال میں باریک پڑھنا ضروری ہے، سوائے ان تین حروف کے: (۱) الف لین (مدہ) (۲) اللہ جل شانہ کے پاک نام کا لام اور (۳) راء۔ یہ تینوں پُر بھی ہوتے ہیں اور باریک بھی، جیسا کہ ذیل میں اسکی تفصیل ہے، (یہ تینوں حروف اگر چہ الگ تیسری قسم کے ہیں لیکن انکا شمار اصلاً باریک پڑھے جانے والے حروف میں ہی ہوتا ہے)۔

تیسری قسم: دونوں طرح پڑھے جانے والے:

یعنی یہ حروف الگ الگ حالتوں میں دونوں طرح پڑھے جاتے ہیں پُر بھی اور باریک بھی، اور اسکا تعلق ان کی اپنی حرکات یا ان سے پہلے حروف کی حرکات سے ہوتا ہے۔ اور ایسے یہ تین حروف ہیں: (الف لین، (مدہ) اللہ کا لام، اور راء)

۱- یہ الف لین ہے جو ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور اس سے پہلے حرف پر ہمیشہ فتحہ ہوتا ہے اور اس کا نام ''الفِ لین'' ہوتا ہے اور اسے ''الفِ مدّہ'' بھی کہتے ہیں جسکا مخرج جوف ہے، اسکو نہ پُر کہہ سکتے نہ باریک بلکہ اسکا حکم اس سے پہلے حرف کے مطابق ہوگا، اگر اس سے پہلا حرف پُر ہے تو یہ بھی پُر ہوگا اور اگر وہ باریک ہوگا تو یہ بھی باریک ہوگا، (اور یہی مفہوم ہے اسکے ''لین'' یعنی نرم ہونے کا کہ یہ اپنے ماقبل کا اثر آسانی سے قبول کرلیتا ہے)۔

پُر ہونا: مثلاً الف لین اگر استعلاء کے حروف میں سے کسی حرف کے بعد آیا تو پُر ہوگا، جیسے: الطارق، الضالین۔ استعلاء کے حروف (جیسا کہ اوپر آچکا ہے) یہ ہیں: **خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ۔**

اسی طرح (الف لین) جب راء کے پُر ہونے کی حالت میں راء کے بعد آئے گا اس وقت بھی پُر ہوگا جیسے: کِرَام، الأَبْرَار۔ (راء کس حالت میں پُر ہوگی یہ آگے آرہا ہے)

اسی طرح الف لین اللہ کے لفظ میں بھی پُر ہوگا جبکہ لفظ ''اللہ'' پُر ہو رہا ہو، جیسے: وَاتَّقُوا اللهَ، رَزَقَكُمُ اللهُ۔

باریک ہونا: الف لین اگر استفال کے کسی حرف کے بعد آئے گا تو باریک ہوگا، جیسے: جَاءَ ، تَابَ۔

الف لین کبھی بھی شروع کلمے میں نہیں آئے گا، اسلئے کہ یہ حرفِ مد ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس سے پہلے کوئی نہ کوئی حرف ہو جس کو کھینچا جانا ہو، اور اسلئے بھی کہ یہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور ساکن حرف سے کبھی کسی کلمے کا آغاز نہیں ہوسکتا، اسلئے لازماً یا تو یہ کلمے کے درمیان ہوگا یا اسکے اخیر میں، اور جب درمیان کلمہ میں آئے گا تو سیدھے الف (یعنی بشکلِ الف) ہی لکھا جائے گا اور اس معاملے میں اسم، فعل اور حرف سب برابر ہیں۔

اور جب آخر کلمہ میں آئے گا تو سیدھے الف (بشکل الف) بھی لکھا جاتا ہے، جیسے: مَعَنَا، مَسؤولاً۔ اور الف مقصورہ بشکل یاء غیر منقوطہ [۳] بھی لکھا جاتا ہے، جیسے: متیٰ، أنیّ۔ [۴]

---

[۳] عربی کے قدیم طرز کتابت میں ی جب کلمے کے اخیر میں آتی تھی تو اس کے نیچے عموماً نقطے نہیں لگائے جاتے تھے، اور اس معاملے میں یاء کی آواز میں پڑھی جانے والی یاء میں اور الف کی آواز میں یعنی الف مقصورہ کی آواز میں پڑھی جانے والی یاء میں کوئی فرق نہیں تھا، پھر جب پریس کا دور شروع ہوا تو عربی ٹائپ میں بھی ایک عرصہ دراز تک یہی طریقہ جاری رہا۔

لیکن اب کچھ عرصے سے (اور اس بات کو بھی کم وبیش پچاس سال ہو رہے ہیں) دونوں یاؤں میں فرق کیا جانے لگا، جو یاء یاء ہی کی آواز میں پڑھی جاتی ہے یعنی یائے مدہ اور یائے لین جیسے نبي، ولی کی یاء یا حي، غي کی یاء، اسکے نیچے نقطے لازماً لگائے جاتے ہیں اور جو یاء الف کی آواز میں پڑھی جاتی ہے جیسے مصطفیٰ، مرتضی کی یاء اسکے نیچے نقطے نہیں لگائے جاتے۔

عربوں کے یہاں یہ اہتمام آجکل پورا پورا ہے، البتہ ہندوستان پاکستان کے عربی ناشران کتب ابھی اسکی پوری پابندی نہیں کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک اچھی روش ہے اور اس سے پڑھنے والے کے لئے سہولت ہو جاتی ہے۔

البتہ قرآن مجید کا اپنا مخصوص رسم الخط ہے، اسمیں رسم عثمانی کی پیروی ہی اصل ہے۔ (طارق)

[۴] عثمانی رسم الخط میں عموماً یہ الف (بشکلِ الف) نہیں لکھا جاتا ہے جیسے: الکتٰب، یا لفظ کو اسکی اصل حالت میں لکھ دیتے ہیں (الف نہیں لاتے) جیسے: الصلوٰۃ۔ (اور الف کے بجائے کھڑا زبر لگا دیتے ہیں)۔

۲-لفظ "اللہ" کا لام: (یہ بھی الگ الگ حالتوں میں دونوں طرح پڑھا جاتا ہے پُر بھی باریک بھی)

پُرھونا : اللہ کے لفظ سے پہلے جب:

☆ حرفِ مفتوح آئے، جیسے: قَالَ اللّٰہُ، مِنَ اللّٰہِ

☆ حرف مضموم (پیش والا حرف) آئے، جیسے: یُرِیْدُ اللّٰہُ، رَسُوْلُ اللّٰہِ-یا

☆ ساکن ماقبل مضموم آئے، جیسے: قَالُوْا اللّٰھُمَّ، یا

☆ ساکن ماقبل مفتوح آئے، جیسے: وَ إِلیٰ اللّٰہِ، یا

☆ (جملہ) شروع ہی لفظ "اللہ" سے ہو رہا ہو، جیسے: اَللّٰہُ نور، اسلئے کہ ہمزۂ وصل لام تعریف کے ساتھ جب شروع میں آتا ہے تو مفتوح ہوتا ہے، اسطرح (اللہ کے) لام سے پہلے فتحہ پایا گیا۔

ان تمام حالتوں میں اللہ[۵] کا لام پُر ہوگا۔ اور یہ پُر کرنا ذاتِ باری کا باعظمت نام ہونے کی وجہ سے ہے، فتحہ اور ضمہ چونکہ تالو کی طرف بلند ہوکر ادا ہوتے ہیں لیکن یہ استعلاء بہت خفیف ہے، اسلئے پُر ہونے کی کوئی اور وجہ نہیں ہے۔ (اور اللہ کے لام سے پہلے کسرہ ہونے کی صورت میں یہ خفیف سا استعلاء بھی چونکہ نہیں پایا جاتا اسلئے اس صورت میں یہ لام پر نہیں ہوتا)

---

۵ واضح رہے کہ اللہ کے لفظ سے مراد ذات باری تعالیٰ کا نام ہے، جو الفاظ آواز میں اس کے مشابہ ہو جائیں اور اللہ کا نام نہ ہوں جیسے "اَنْ لاَّ"، جس میں ادغام ہونے کے بعد اللہ کی سی آواز پیدا ہو جاتی ہے، یا مَا وَلّٰھُمْ شِدَادٌ لاَّ یَعْصُوْنَ-

جو لوگ معنی سمجھتے ہیں وہ تو یہ سمجھ لیں کہ اوپر جو قاعدہ اللہ کا لام پُر ہونے کا بیان ہوا ہے وہ اس لفظ اللہ کا ہے جس سے ذات باری تعالیٰ مراد ہوتی ہے، اور جو لوگ عربی نہیں جانتے وہ یہ سمجھ لیں کہ بعض مخصوص حالتوں میں جو "اللّٰہ" کا لام پُر ہوتا ہے وہ بس دو ہی طرح لکھا ہوا ملتا ہے: اللہ یا اللّٰھُمَّ- ان دو شکلوں کے علاوہ جہاں اور جس طرح بھی لام لکھا ہوا ملے وہ باریک ہی ہوگا، جیسے: اَشْھَدُ اَنْ لاَّ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ- میں "اَنْ لاَّ" کا لام باریک ہوگا۔ (طارق)

باریک ہونا: اللہ کے لام سے پہلے جب:

☆ حرفِ مکسور آئے، جیسے: بِاللّٰہِ، بِسْمِ اللّٰہِ، قُلِ اللّٰھُمَّ ، یا

☆ ساکن ماقبل مکسور آئے، جیسے: وَ یُنَجِّیْ اللّٰہُ، یا

☆ تنوین آرہی ہو، جیسے: قَوْماًاللّٰہُ، کیونکہ اس صورت میں تلفظ یہ ہوا: قَوْ مَنِ اللّٰہُ (اور اللہ کے لام سے پہلے کسرہ پایا گیا۔)

اور اس باریک پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ پستی سے بلندی کی طرف جانا ناپسند ہوتا ہے اور (زبان پر) بھاری بھی پڑتا ہے (کسرہ پستی سے تعلق رکھتا ہے اور پُر کرنا بلندی کی طرف جانا ہوتا ہے، اسلئے اس حالت میں اللہ کا لام پُر نہیں کیا جاتا۔)

(یہ ایک قراءتی نکتہ اور حسنِ اتفاق ہے کہ) آیتِ ذیل میں لفظ ''اللہ'' سے پہلے تینوں حرکات کسرہ، ضمہ اور فتحہ آگئی ہیں: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَ اتَّقُوْا اللّٰہَ، اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (۱:۴۹)

۳- (تیسری قسم کے حروف جو پُر اور باریک دونوں طرح پڑھے جاتے ہیں ان میں کا تیسرا حرف) راء ہے۔ (اور اسکے تین حالات ہیں: (۱) پُر ہونا۔ (۲) باریک ہونا۔ اور (۳) دونوں طرح پڑھنے کی گنجائش ہونا، آگے تینوں حالات کی تفصیل لکھی جارہی ہے:)

(۲) پُر ہونا: ۱-۲- راء اِن دو حالتوں میں ہمیشہ پُر ہوگی: جب اسکے اوپر فتحہ ہو یا ضمہ ہو، وہ چاہے شروع کلمے میں آئے یا درمیان میں یا اخیر میں۔[۶]

اس کی مثالیں فتحہ کی حالت میں یہ ہیں:

---

[۶] اس قاعدے سے ''مَجْرٖھَا'' کی راء مستثنیٰ ہے جو ''بسم اللہ مَجْرٖھَا وَ مُرْسَاھَا'' (۱۱:۴۱) میں آئی ہے (یہ لفظ اصلاً ''مَجْرَاھَا'' ہے اسکو حفصؒ نے اِمالہ کرکے پڑھا ہے، حسبِ بیان حرز ونش (امالہ سے مراد یہ ہے کہ اس کو اسطرح پڑھا جائے جیسے اُردو میں یاء مجہول پڑھی جاتی ہے جیسے قطرے، بکرے وغیرہ)۔ (طارق)

اوّل کلمہ میں: رَبِّ، رَؤُوفٌ، رَحِیْمٌ۔

درمیان کلمہ میں: کِرَامٍ بَرَرَةٍ، سِرَاجًا۔

آخر کلمہ میں: اِنَّ الاَبْرَارَ، الذَّکَرَ وَ الاُنْثٰی۔

اسکی مثالیں ضمہ کی حالت میں یہ ہیں:

اوّل کلمہ میں: رُعْبًا، رُزِقُوْا۔

درمیان کلمہ میں: اَمْرُنَآ، الکَافِرُوْنَ۔

آخر کلمہ میں: اَجْرٌ عَظِیْمٌ، نَصْرُ اللّٰہِ۔

۳- راء کے پُر ہونے کا تیسرا موقع وہ ہے جب وہ ساکن ہو اور اس سے پہلے حرف پر فتحہ ہو، راء چاہے درمیان کلمے میں ہو، جیسے: مَرْیَم، تَرْمِیْھِمْ یا آخر کلمہ میں ہو، جیسے: فَلاَ تَنْھَرْ، یُؤْثِرْ۔

۴- راء اسوقت بھی پُر ہوتی ہے جب یہ ساکن ہو اور اس سے پہلے حرف پر پیش ہو، راء چاہے درمیان کلمہ میں آئے جیسے: اَلْقُرْاٰنُ، زُرْتُمْ- یا آخر کلمہ میں آئے، جیسے: فَاھْجُرْ، انْظُرْ۔

۵- راء اس حالت میں بھی پُر ہوگی جبکہ وہ ساکن ہو اور اس سے پہلے بھی کوئی حرف ساکن ہو علاوہ یاء کے، اور اس ساکن حرف سے پہلے کسرہ نہ آرہا ہو، جیسے: الاُمُوْرُ، الغَفُوْر، الشَّکُوْر، القَدْر، شَھْرُ، خُسْر، (جبکہ ان تمام کلمات پر وقف ہو رہا ہو)۔

۶- راء اسوقت بھی پُر ہوگی جبکہ وہ ساکن ہو سکون اصلی کے ساتھ اور اس سے پہلے کسرۂ عارضی ہو، خواہ یہ کسرہ عارضی اس کلمے سے متصل ہو یا منفصل، جیسے: ارْجِعُوا إلیٰ اَبِیْکُم، ارْکَعُوْا، اَمِ ارْتَابُوْا، لِمَنِ ارْتَضٰی- (ان میں سے پہلی دونوں مثالوں میں الف کو یا یوں کہئے کہ ہمزۂ وصل کو سکون عارضی طور پر دیا گیا ہے اگر اس سے پہلے کوئی حرف متحرک آجائے تو نہ یہ ہمزہ پڑھنے میں آئے گا نہ اس کا کسرہ) اسی طرح "أُمْ" کا میم اور

"لِـمَـنْ" کا نون اصلاً دونوں ساکن ہیں لیکن چونکہ آگے سے ملانا تھا اسلئے حرف ساکن کو عارضی طور پر یعنی ملانے کی خاطر حرکت دی گئی، اور قاعدہ یہ ہے کہ ساکن کو جب بھی حرکت دی جاتی ہے تو کسرے کی حرکت دی جاتی ہے، اِلاَّ یہ کہ کوئی معقول وجہ کسرہ نہ دینے کی پیش آجائے، جیسے سورۂ ال عمران کے شروع میں "الٓـمّٓ اللّٰہ" میں کیا گیا ہے، جس کی وضاحت مدوں کے بیان میں نویں فصل کے حاشیہ نمبر ۱۶ میں گزر چکی ہے اور آگے التقاء ساکنین سے بچنے کے طریقے کے بیان میں (فصل ۱۷ حاشیہ نمبر ۷ میں بھی اسکا ذکر آرہا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ)

(۷- راء اسوقت بھی پُر ہوگی جبکہ وہ ساکن ہو اور اس سے پہلے کسرۂ اصلی دوسرے کلمے میں ہو، جیسے: رَبِّ ارْجِعُوْنِ، رَبِّ ارْحَمْهُمَا۔)

۸- راء اسوقت بھی پُر ہوگی جبکہ وسطِ کلمہ میں آکر ساکن ہو اور اس سے پہلے کسرۂ اصلی ہو اور اس راء کے بعد استعلاء کا کوئی حرف مفتوح اسی کلمے میں آجائے،[۷] اور ایسا پورے قرآن مجید میں صرف پانچ کلمات میں ہے: قِـرْطَـاسٍ، (۷:۶) فِـرْقَة (۱۲۲:۹) اِرْصَادًا (۱۰۷:۹) مِرْصَادًا (۲۱:۷۸) لَبِالْمِرْصَاد (۱۴:۸۹)۔

(۲) باریک ہونا:

۱- راء جب مکسور ہوگی تو ہمیشہ باریک پڑھی جائے گی چاہے وہ شروع کلمے میں ہو یا درمیان میں یا اخیر میں (لیکن اخیر کلمے میں صرف اسوقت) جبکہ وہ حالت وصل میں ہو۔[۸]

تینوں کی مثالیں یہ ہیں:

شروع کلمے میں: رِزْقًا، رِجَالاً۔

درمیان کلمے میں: قَرِيْباً، مَرِيْئًا۔

---

۷ استعلاء کے حروف کا بیان اوپر آچکا ہے ان کا مجموعہ یہ ہے: خص ضغط قظ۔

۸ اس کے بعد والا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ (طارق)

آخر کلمے میں: وَالْفَجْرِ، بِالنُّذُرِ۔[۹]

۲- راء اسوقت بھی باریک ہوگی جبکہ وہ ساکن ہو-سکون خواہ اصلی ہو یا وقف کی وجہ سے سکون عارضی ہو- اور راء سے پہلے کسرۂ اصلی ہو اور راء کے بعد استعلاء کا کوئی حرف اسی کلمے میں نہ آرہا ہو، یہ راء خواہ درمیانِ کلمہ میں ہو یا آخر کلمہ میں۔

درمیان کلمہ کی مثالیں: شِرْعَة، فِرْعَوْن-

آخر کلمہ کی مثالیں: اَسَاوِرْ، قُدِرْ-

۳- راء اسوقت بھی باریک ہوگی جبکہ وہ ساکن ہو، آخر کلمہ میں اور اس سے پہلے یاء ساکن آرہی ہو (خواہ یاء سے پہلے فتحہ ہو، جیسے: خَيْـر، یا اس سے پہلے کسرہ ہو، جیسے: بَصِيْر، خَبِيْر۔

۴- راء اسوقت بھی باریک پڑھی جائے گی جبکہ آخر کلمہ میں ساکن ہو کر آئے اور اس سے پہلے کسرۂ اصلی ہو، چاہے پھر اسکے بعد آئندہ کلمے میں استعلاء کا کوئی حرف ہی کیوں نہ آرہا ہو، جیسے: وَلاَ تُصَعِّرْ خَدَّكَ، أَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ، فَاصْبِرْ صَبْراً جَمِيْلاً۔ اور پورے قرآن مجید میں ان تین مثالوں کے علاوہ کہیں ایسا نہیں ہے۔

۵- راء اسوقت بھی باریک پڑھی جائے گی جبکہ وہ آخیر کلمہ میں ساکن ہو کر آئے اور اس سے پہلے کوئی حرفِ ساکن علاوہ یاء کے ہو اور اس حرف سے پہلا حرف مکسور ہو، جیسے: الذِّكْر، السِّحْر-

(۳) پُر پڑھنا اور باریک پڑھنا دونوں کی گنجائش:

۱- راء جب ساکن ہو اور اس سے پہلے کسرۂ اصلی ہو اور اس کے بعد کوئی حرفِ استعلاء مکسور ہو (تو پُر پڑھنا بھی جائز ہے اور باریک پڑھنا بھی) اور یہ "فِرْق" میں ہے،

۹ صرف حالت وصل میں اسلئے باریک پڑھتے ہیں کہ وہ بس اسی حالت میں مکسور ہوتی ہے، اور جب اسپر وقف ہوتا ہے تو وہ ساکن ہو جاتی ہے بسکون عارضی اور اس کا حکم اسوقت اس سے پہلے حرف کے تابع ہوتا ہے جیسا کہ اوپر ابھی چند سطر قبل بیان ہو چکا ہے، (یعنی پُر ہونے کی پانچویں حالت کے ضمن میں)۔

جوفَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ العَظِيْم (۲۶:۶۳) میں آیا ہے۔

پُر پڑھنے کی وجہ تو یہ ہے کہ اسکے بعد حرفِ استعلاء آرہا ہے جو قوی ہے، اور باریک پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے حرف مکسور آرہا ہے جو اسکے پُر ہونے کو کمزور کررہا ہے۔

اس کو دونوں ہی طرح پڑھنا درست ہے اور دونوں ہی طرح پڑھا بھی جاتا ہے، البتہ اکثر علماء کا یہ کہنا ہے کہ حالتِ وصل میں باریک پڑھنا بہتر ہے۔

۲- راء جب آخر کلمہ میں ساکن ہوکر آئے اور اس سے پہلے کوئی حرفِ استعلاء ساکن ہو، اور اس حرفِ استعلاء سے پہلے حرف مکسور ہو (تو اس راء کو بھی پُر اور باریک دونوں طرح پڑھنا جائز ہے) اور یہ بات قرآن مجید میں صرف ایک کلمہ "مِصْر" بلاتنوین (بحالتِ وقف)[۱۰] میں پائی جاتی ہے، جو چار مقامات پر آیا ہے اور دوسرے کلمہ "القِطْر" میں، جو صرف ایک مقام پر ہے: وَ أَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْر (۳۴:۱۲) (مصر بلاتنوین ان چار مقامات پر آیا ہے):

(۱) بِمِصْرَ بيوتاً (۱۰:۸۷) (۲) مِنْ مِّصْرَ (۱۲:۲۱)

(۳) اذْخُلُوْا مِصْرَ (۱۲:۱۹) (۴) اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ (۴۳:۵۱)

لیکن قراء حضرات کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان دونوں کلمات پر "مصر" اور "القطر" پر وقف کرنے کی صورت میں انکو کس طرح پڑھا جائے؟

بعض حضرات ان پر وقف کرنے کی صورت میں پُر پڑھتے ہیں اور بعض وقف کرنے کی صورت میں باریک پڑھتے ہیں۔ امام ابن الجزریؒ کا کہنا یہ ہے کہ کلمہ "مصر" پر اگر وقف کیا جائے تو اسکو پُر پڑھا جائے، اور اگر "القطر" پر وقف کیا جائے تو اسکو باریک پڑھا جائے، حالتِ وصل کو دیکھتے ہوئے اور اصل پر عمل کرتے ہوئے۔[۱۱]

---

[۱۰] یہ لفظ "مِصْرًا" تنوین کے ساتھ صرف ایک جگہ سورہ بقرہ (۲/۶۱) میں آیا ہے: "اهْبِطُوا مصرًا" اور یہاں پُر پڑھا جاتا ہے۔

[۱۱] النشر ۱۰۶۔

(یعنی "مصر" میں راء پر فتحہ ہے اگر اسپر وقف نہ ہوتا تو یہ پُر پڑھی جاتی، اور القطر کی راء مکسور ہے اسپر اگر وقف نہ کیا جاتا تو یہ باریک پڑھی جاتی، اسلئے دونوں جگہ وہ اصل حالت کو ملحوظ رکھ رہے ہیں)

۳- کلمہ "وَ نُذُر" پر سورۂ قمر کے چھوؤں مقامات پر جب وقف کیا جائے تو وہاں پُر کرنا اور باریک پڑھنا دونوں درست ہیں لیکن باریک پڑھنا بہتر ہے، اسلئے کہ اصلاً وہ لفظ "نُـــذُرِيْ" ہے، اسمیں سے یاء تخفیفاً اور آیتوں کے تناسق (اور انکی یکسانیت) کی رعایت میں حذف کردی گئی ہے، لہٰذا باریک پڑھنا کلمے کی اصل حالت بتانے کے لئے ہے، البتہ وصل کرنے کی صورت میں باریک ہی پڑھنا متعین ہے اسلئے کہ وہ مکسور ہے۔

۴- جب کلمہ "يَسْرِ" (۸۹:۴) پر وقف کیا جائے تو وہاں بھی دونوں صورتیں جائز ہیں، باریک تو اصل پر نظر کرتے ہوئے کیونکہ "يَسْـــرِ" کی اصل "يَسْـــرِي" ہے، تو جو بات ابھی "نُذُر" میں آچکی ہے وہی حال اسکا بھی ہے۔

اسی طرح "اَسْـــرِ" پر اگر وقف کیا جائے تو اسمیں بھی دونوں صورتیں جائز ہیں اور باریک پڑھنا اولیٰ ہے، اسلئے کہ یہ بھی "أَسْـرِيْ" سے بنا ہے، یہ فعلِ امر ہے اسکے اخیر سے یاء حرفِ علت حذف ہوئی ہے۔[۱۲]

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆☆

☆

۱۲ ملاحظہ ہو "اعراب القرآن الکریم وبیانہ" از شیخ محی الدین الدرویش ۱۰/۴۶۸۔

تیرہویں فصل

وقف وابتداء اوران کی انواع واقسام

وقف وابتداء:

تعریف: یہ بات مسلّم ہے کہ پڑھنے والا کوئی پوری ایک سورت یا ایک پورا واقعہ (جو قرآن مجید میں بیان ہورہا ہے) یا طویل آیات ایک سانس میں نہیں پڑھ سکتا، لہٰذا درمیان میں سانس لئے اور پھر آگے نئے سرے سے قراءت شروع کئے بغیر چارہ نہیں، اسکا تقاضا یہ ہے کہ آدمی (بے سلیقگی سے جہاں چاہے سانس توڑ کر اور پھر جہاں سے جس طرح چاہے پڑھنا شروع نہ کردے بلکہ وہ) وقف کا اور پھر آگے شروع کرنے کا صحیح طریقہ جانے۔

اور اس سلسلے میں بنیاد وہ معمول نبوی ہے جو اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، آپ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تلاوت فرماتے تو ہر ہر آیت پر وقف فرماتے تھے، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم پڑھتے اور ٹھہر جاتے، پھر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ پڑھتے اور ٹھہر جاتے[1] (اور اسی طرح آگے تک)۔

حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلاً میں "ترتیل" سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: تجويد الحروف ومعرفة الوقوف، یعنی حروف کا صحیح طور پر ادا کرنا اور وقفوں کا پہچاننا۔[2]

---

[1] رواه الترمذي وأبو داود و أحمد وغيرهم وهو حديث حسن ۔ (ولهذا الحديث طرق كثيرة، قال ابن الجزري في النشر ۱/۲۲۶: و هو حديث حسن وسنده صحيح۔) (طارق)

[2] أخرجه البيهقي في سننه۔ (كما في الإتقان للسيوطي ۱/۲۳۲۔ بيروت ۱۹۹۲م) (طارق)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہماری زندگی ایک عرصے تک اس طرح گزری کہ ہم میں کا ہر شخص قرآن مجید سیکھنے سے پہلے ایمان سیکھا کرتا تھا، ایک سورت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تو ہم اس میں بیان شدہ حلال یا حرام کا حکم بھی سیکھتے تھے اور یہ بھی کہ اس سورت میں کس مقام پر وقف کرنا چاہئے، جیسا کہ تم لوگ آجکل قرآن مجید پڑھتے ہو، لیکن آج تو بہت سے لوگوں کو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ایمان سے پہلے قرآن مجید سیکھتے ہیں اور فاتحہ سے خاتمہ تک پڑھ جاتے ہیں اور ان کو یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ اسے قرآن مجید کس بات کا حکم دے رہا ہے اور کس بات سے روک رہا ہے، اور اسے کہاں ٹھہرنا چاہئے۔[۳]

(علامہ سیوطیؒ امام نحاسؒ کے حوالے سے حضرت ابن عمرؓ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: نحاسؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرامؓ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سیکھتے تھے اسی طرح اسکے اوقاف بھی سیکھتے تھے کہ کہاں وقف کرنا ہے۔)[۴]

قرآن مجید میں کوئی وقف واجب یا حرام نہیں ہے، وقف کا تعلق صرف اس بات سے ہے کہ اس سے معنی ومراد کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے،[۵] جیسا کہ اس بات کی طرف امام ابن الجزریؒ نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

وَلَيْسَ فِي القرآنِ مِنْ وَقْفٍ وَجَبْ ۔ وَلاَ حَـرَامٌ غَيْرُ مَالَـهُ سَبَبْ

---

۳ الإتقان في علوم القرآن ۱/ ۲۳۲۔

۴ حوالۂ بالا، النوع الثامن والعشرون في معرفة الوقف والا بتداء۔ (طارق)

۵ اور اس لحاظ سے اس کی بہت اہمیت وافادیت ہے، اس کو آپ اِس مثال سے سمجھئے کہ مثلاً اُردو میں آپ نے کسی بچے سے کہا: ''ابھی تم جاؤ مت ٹھہرو'' یہاں مت کے بعد وقف کیا یعنی ذرا رکے، اِسی بات کو اگر آپ یوں کہیں: ''ابھی تم جاؤ، مت ٹھہرو'' یعنی مت سے پہلے ذرا رکے، اور مت کا تعلق آگے سے کر دیا تو آپ دونوں جملوں پر غور کیجئے صرف وقفے کی جگہ بدلنے سے دوسرے جملے کا مفہوم پہلے سے بالکل الٹا ہوگیا۔ بس وقف کی یہی اہمیت ہے۔ (طارق)

''یعنی قرآن مجید میں کوئی وقف نہ واجب ہے اور نہ حرام علاوہ اسکے کہ اس کا کوئی سبب ہو'' (جیسا کہ آگے وقف قبیح کے بیان میں آرہا ہے)

مذکورہ بیان سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ وقف کا اور ابتداء کا جاننا ہر قاری کے اوپر ایک امر واجب ہے، اور قدیم دور سے لے کر آج تک یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ سلف صالحین اسکے سیکھنے سکھانے اور اسپر توجہ کرنے کا اہتمام کرتے چلے آئے ہیں۔

ائمہ قراءت نے وقف وابتداء کے لئے کچھ اصطلاحات اور انکی تعریف اور قسمیں بیان فرمائی ہیں ہم یہاں اختصار کے ساتھ ان کو بیان کرتے ہیں:

وقف:

لغت میں اسکے معنی ٹھہرنے اور رُک جانے کے ہیں۔

اصطلاح میں اس سے مراد ہے کسی کلمے پر آواز کو ذرا سے وقفے کے لئے کاٹ دینا جسمیں آدمی قراءت جاری رکھنے کے لئے سانس لے سکے۔

وقف کی قسمیں:

وقف کی چار قسمیں ہیں:

(اوّل: وقفِ اضطراری۔ دوم: وقفِ اختباری۔ سوم: وقفِ انتظاری۔ چہارم: وقفِ اختیاری۔ اب ہر ایک کی تفصیل دیکھئے:)

اوّل: وقف اضطراری (یعنی مجبوری میں وقف کرنا)

اس سے مراد ہے کسی کلمے پر ٹھہر جانا سانس کی تنگی، کھانسی اٹھنے، بھول جانے، رونے یا نیند آجانے یا کسی ایسے ہی (غیر اختیاری) سبب سے، اور یہ جائز ہے خواہ کسی بھی کلمے پر ہو اور چاہے وہاں (جملہ پورا ابھی نہ ہو رہا ہو اور) کوئی معنی ومفہوم بھی مکمل نہ

ہورہا ہو، (اسلئے کہ یہ مجبوری ہے) البتہ پڑھنے والے کو چاہئے کہ (دوبارہ جب) پڑھنا شروع کرے تو صحیح جگہ سے لوٹائے۔

دوم: وقف اختباری (یعنی امتحان کے موقع کا وقف)

اس سے مراد وہ وقف ہے جو ممتحن امتحان لیتے وقت یا کسی طالب علم کو پڑھاتے وقت کوئی کلمہ بولتا ہے جس کا مقصد یہ بتانا ہوتا ہے کہ کہاں ملا کر مسلسل پڑھنا چاہئے اور کہاں رُکنا چاہئے، یا یہ بتانے کے لئے کوئی کلمہ بولنا ہوتا ہے کہ یہاں سے فلاں حرف حذف ہوا ہے، یا یہ بتانا ہوتا ہے کہ کب (اور کس طرح) ہا پر یا گول تاء پر ٹھہرنا چاہئے وغیرہ، یہ ٹھہرنا بھی جائز ہے چاہے کسی بھی کلمے پر ٹھہرا جائے، البتہ اسکے بعد جب ابتداء کی جائے تو صحیح جگہ سے کی جائے جیسا کہ ابھی گزرا ہے، خصوصاً اسلئے بھی کہ یہ صاحب اس وقت سکھانے کی حیثیت میں ہیں (یہ جو کچھ کریں گے طلبہ کے لئے وہی لائق اتباع ہوگا اسلئے یہ ان قواعد کا خاص لحاظ رکھیں۔)

سوم: وقف اِنتظاری:

یہ وہ وقف ہے جو کسی ایسے کلمے پر کیا جاتا ہے جسمیں قراءاتِ عشرہ متواترہ میں سے کئی قراءتیں ہوسکتی ہوں اور اسپر ٹھہر کر مختلف قرائتوں کا بتانا مقصود ہو، اس وقف میں اور اس سے پہلے وقف میں بھی (جملے کا پورا ہونا اور) معنی کا مکمل ہونا شرط نہیں۔

اور اس کا حکم جواز ہے، اور مقامِ تعلیم میں بہت سی وہ باتیں جائز ہوتی ہیں جو دیگر مواقع پر جائز نہیں ہوتیں۔

چہارم: وقفِ اختیاری:

اور اس سے مراد وہ وقف ہے جو پڑھنے والا بغیر کسی مجبوری کے اپنے اختیار اور مرضی سے کرتا ہے، اور یہاں (اس فصل میں اصلاً) اِسی کا بیان کرنا مقصود ہے۔ اور اسکی پانچ قسمیں ہیں:

وقفِ اختیاری کی قسمیں:

۱ – وقفِ لازم:

یہ وہ مقام ہوتا ہے کہ اگر (وہاں وقف نہ کیا جائے اور) اُس لفظ کو آگے سے ملا کر پڑھا جائے تو جو مفہوم وہاں بیان کرنا مقصود ہے اس سے الگ مفہوم بن جائے گا، اس موقع پر قرآن مجید میں جس کلمے پر وقف کرنا ضروری ہے اس پر چھوٹی سی میم اس طرح (م) بنی ہوئی ہوتی ہے، جیسے اس آیت میں ہے: اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ۘ وَ الْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ۔ (۳۶:۶)

یہاں یَسْمَعُوْنَ پر ٹھہرنا اور پورا سانس لینا ضروری ہے۔

اسکا حکم یہ ہے کہ اسپر ٹھہرنا اور پھر اسکے بعد والے کلمے سے شروع کرنا ضروری ہے۔

۲ – وقف تامّ:

اور یہ وہ مقام ہوتا ہے جہاں معنی پورے ہو جاتے ہیں اور اسکا سمجھنا بعد والے پر نہ لفظاً موقوف ہوتا ہے نہ معناً، جیسے: بسم اللہ الرحمن الرحیم پر وقف کرنا، اور پھر الحمدللہ رب العالمین سے شروع کرنا۔ اور مفہوم کی تکمیل آیتوں کے ختم پر (یعنی گول دائروں پر) ہوتی ہے، یا سورتوں کے اختتام پر جہاں کوئی قصہ (یا کوئی مسلسل مضمون) چل رہا ہو اس کے ختم پر ہوتی ہے۔

اور یہ وقف آیتوں کے اختتام کے علاوہ (بھی) ہوتا ہے، جیسے: قل ربی اعلم بعِدَّتِهِمْ مَّا یَعْلَمُهُمْ اِلاَّ قَلِیل فلا تمار فیهم۔ (۲۲:۱۸) اس آیت میں قَلِیْل پر ٹھہرنا اور پھر فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ سے شروع کرنا چاہئے، قرآن مجید کے نسخوں میں اس جگہ ٹھہرنے کی علامت کے طور پر قلے کا اشارہ دیا جاتا ہے۔[۶]

---

[۶] عرب ممالک سے شائع شدہ نسخہائے قرآن مجید میں یہاں اسی طرح باریک سا (قلے) بنا ہوا ہے جو "الوقف اَولی" کا مخفف ہے یعنی ٹھہرنا بہتر ہے۔ پاک و ہند کے نسخوں میں یہاں "قف" ہے جو "قَدْ یُوْقَفُ علیہ" کا مخفف ہے، یعنی ضرورتاً کبھی یہاں وقف کیا جاسکتا ہے، اور ایسے مقام پر علماء کی رائے میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اس کا حکم یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا اور اس کے بعد والے کلمے سے شروع کرنا بہتر اور اولیٰ ہے۔

۳- وقفِ کافی:

یہ وقف اس موقع پر ہوتا ہے جبکہ لفظ تو جدا ہو جائے لیکن معنی کے لحاظ سے ماقبل کا تعلق مابعد سے برقرار ہو، جیسے: اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا پر وقف کرنا اور پھر هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم (۱۰:۶۵) پڑھنا۔ جمیعاً پر وقف کرنا وقفِ کافی ہے اور العلیم پر وقف کرنا وقفِ اَکفٰی (بہت کافی) ہے، اور آیتوں کے ختم پر اکثر یہی ہوتا ہے۔ اور اسکے لئے قرآن مجید کے نسخوں میں چھوٹا سا جیم اس طرح (ج) بنا ہوا ہوتا ہے۔

اسکا حکم جواز کا ہے، (یعنی بس اِجازت ہے کہ ٹھہر سکتے ہو، نہ ضروری نہ ممنوع) اور اس سے مراد یہ ہے کہ یہاں وصل کرنا اور وقف کرنا دونوں برابر ہیں لیکن وقفِ تام کی طرح وقف کرنا اور اسکے بعد والے کلمے سے شروع کرنا بہتر ہے، اگرچہ وقفِ تام پر ٹھہرنے میں وقفِ کافی پر ٹھہرنے کے مقابلے میں زیادہ حسن (اور بہتری) ہے۔

۴- وقفِ حسن:

اس سے مراد یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا تو حَسَن (اچھا) اور مفید ہے لیکن اسکے بعد والے کلمے سے دوبارہ پڑھنے کی ابتداء کرنا اچھا نہیں ہے اسلئے کہ وہ اس پہلے جملے سے لفظاً و معناً متعلق ہے۔[۷] جیسے: وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ...

(بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

اختلاف ہوتا ہے بعض حضرات یہاں وقف کرنا بہتر قرار دیتے ہیں، اور بعض وصل کو بہتر سمجھتے ہیں۔

واضح ہو کہ یہ کلمہ "قِف" بصیغہ امر نہیں جس کا مفہوم "ٹھہریے" ہوتا ہے جیسا کہ بعض حضرات نے سمجھا ہے۔ ملاحظہ ہو تفہیم الوقوف ص ۳۵۰۔ لاہور۔ ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء۔ (طارق)

۷ اور اس کے بعد والے کلمے سے ابتداء کرنے میں اختلاف ہے، بہتر یہ ہے کہ ایسے مقام پر اگر وقف کر لیا ہے تو پیچھے سے لوٹائے لیکن یہ ہمیشہ ہی نہیں کبھی آدمی چاہے تو آگے سے بھی ابتداء کر سکتا ہے، یہ پڑھنے والے کی فہم و بصیرت پر موقوف ہے۔

(۶:۱۷) تک پڑھا، اور پھر وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۶:۱۷) پڑھا تو "هو" پر وقف کرنا درست تو ہے لیکن وصل کرنا اولیٰ ہے، اور ایسے مواقع پر قرآن مجید میں (باریک سا) صلے لکھا ہوا ہوتا ہے۔[۸] (جو مخفف ہے "الوَصْلُ اَوْلٰے" کا یعنی وصل بہتر ہے)

یا اسی طرح جیسے کوئی الحمد للہ پر وقف کر دے (تو وقف تو یہاں درست ہوگا لیکن) رَبِّ العَالَمِیْن سے ابتداء کرنا، اچھا نہیں ہے۔ (اسلئے کہ یہ ماقبل کی صفت ہے)

اسکا حکم یہ ہے کہ یہاں ٹھہرنا تو درست ہے لیکن اسکے بعد والے کلمے سے ابتداء کرنا مناسب نہیں بلکہ وہ آیات کے شروع ہی سے ہونی چاہئے اسلئے کہ وہ سنت ہے (جیسا کہ حضرت اُم سلمہؓ کی حدیث کے حوالے سے اِس فصل کے شروع میں آچکا ہے۔ (الف)

۵- وقفِ قبیح (یعنی برا اور ناپسندیدہ وقف):

یہ وہ مقام ہوتا ہے جہاں جان بوجھ کر ٹھہرنا جائز نہیں اسلئے کہ وہاں بات پوری نہیں ہوتی ہے اور اس کا تعلق لفظاً بھی اور معناً بھی اگلے کلمے سے ہے، جیسے: بسم اللہ الرحمن الرحیم میں کوئی "بِسْمِ" پر، یا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ میں "الحَمْدُ" پر وقف کر دے (اور یہ وقفِ لازم کی ضد ہے)

پھر اس برائی اور ناپسندیدگی کے بھی مختلف درجات ہیں (کہیں برائی کم ہے کہیں زیادہ ہے) مثلاً کہیں ایسے مقام پر وقف کر دیا کہ اس سے شانِ خداوندی کے خلاف معنی

---

[۸] عرب ممالک کے شائع شدہ نسخہائے قرآن مجید میں یہاں یہی ہے لیکن پاک و ہند کے نسخوں میں یہاں ط ہے جو وقف مطلق کی علامت ہے۔ اور اسکا مطلب بھی ان نسخوں کے اخیر میں رموزِ اوقاف میں علماء قراءت نے یہی لکھا ہے کہ یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور بات کہنے والا ابھی کچھ اور کہنا چاہتا ہے۔ گویا فرق صرف علامت اور اشارے کا ہے مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔ اور یہ فرق بھی صرف بعض مقامات پر ہی ہے، ورنہ "صلے" کی علامت پاک و ہند کے نسخوں میں بھی ہوتی ہے۔ (طارق)

(الف) لیکن وقف احسن اگر کسی آیت کے ختم پر ہو تو اس کے مابعد سے ابتداء ہوگی۔ ماقبل سے اعادہ صحیح نہیں۔ کیونکہ حدیث ام سلمہؓ سے آیات پر حضورؐ کا وقف کرنا ثابت ہے۔

بن گئے (یا اللہ تعالیٰ کی مراد کچھ کی کچھ ہوگئی یہ بات ان چار مثالوں سے پوری طرح واضح ہوجائے گی):

(۱) جیسے آیت: اِنَّ اللّٰهَ لاَ يَسْتَحْيِ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلاً مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا (۲:۲۶) میں، ترجمہ: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا اس بات سے کہ مچھر یا اس سے بھی حقیر چیز کی مثال بیان کرے'' اس آیت میں مثلاً کوئی شخص لاَ يَسْتَحْيِ پر وقف کردے، یعنی معاذ اللہ ''اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا'' (یہاں معنی مرادِ خداوندی سے نہ صرف یہ کہ بالکل ہٹ گئے بلکہ نہایت گستاخانہ جملہ بن گیا)

(۲) جیسے آیت: فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَ اللّٰهُ لاَ يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (۲:۲۵۸) ترجمہ: ''یہ سن کر وہ کافر حیران وششدر رہ گیا اور اللہ ظالموں کو سیدھی راہ نہیں دکھایا کرتا۔'' اس آیت میں مثلاً کوئی شخص لفظ ''اللہ'' پر وقف کردے (اس صورت میں معنی یہ ہوجائیں گے کہ ''یہ سن کر وہ کافر اور اللہ حیران وششدر رہ گئے، نعوذ باللہ)۔

(۳) جیسے آیت: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الإِنْسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُوْنِ (۵۱:۵۶) ترجمہ: ''میں نے جن اور انسان کو پیدا نہیں کیا مگر اپنی عبادت کے لئے'' اس آیت میں کوئی شخص مثلاً الإِنْسَ پر وقف کردے (اس صورت میں معنی یہ ہوگئے کہ گویا اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ''میں نے جن اور انسان کو پیدا نہیں کیا۔'' نعوذ باللہ)

(۴) یا جیسے آیت: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ بْنُ مَرْيَمَ (۵:۱۷) ترجمہ: ''وہ لوگ یقیناً کافر ہوگئے جنہوں نے کہا: اللہ ہی مسیح بن مریم ہے'' اس آیت میں اگر کوئی شخص قالوا، پر وقف کردے اور پھر آگے سے شروع کرے، اس صورت میں گویا وہ کسی دوسرے کا مقولہ نقل کرنے کے بجائے خود ہی یہ کہہ رہا ہے کہ ''اللہ ہی مسیح بن مریم ہے'' (نعوذ باللہ)

ایسے مقامات پر قرآن مجید کے نسخوں میں (باریک سا) ''لا'' بنا ہوا ہوتا ہے (جس سے مراد ہے لا تقف یعنی نہ ٹھہرو)

اسکا حکم یہ ہے کہ اس پر وقف کرنا جائز نہیں سوائے وقف اضطراری کے (یعنی مجبوراً ٹھہرنا پڑ جائے تو خیر) لیکن پھر ابتداء صحیح کی جائے (یعنی پیچھے سے کسی مناسب مقام سے لوٹا کر لائے)۔ اور اگر ایسے مقام پر قصداً وقف کیا ہے تو گنہگار رہوا، اور اگر (خدا نخواستہ) قصداً وقف کیا ہے اور وہ معنی بھی سمجھ رہا تھا اور اس وقف کا حکم بھی جانتا تھا تو ایسا شخص کافر ہو گیا واللہ اعلم (أعاذ نا الله منه)

وقفِ معانقہ:

ان ہی اوقاف میں ایک وقف معانقہ بھی ہے اور یہ اصلاً دو وقفوں کا گلے ملنا ہوتا ہے، یعنی وہاں دو وقف ایک جگہ اسطرح جمع ہو رہے ہوتے ہیں کہ اگر پڑھنے والا ایک جگہ ٹھہرے تو دوسری جگہ نہ ٹھہرے (یعنی نقطوں کے درمیان کی عبارت کو اسکے دائیں اور بائیں دونوں طرف سے نہ کاٹ دیا جائے، اسے یا تو اس سے پہلے کلمے سے ملایا جائے یا دوسرے سے) [9]

جیسے: **ذلك الكتب لاريب ۛ فِيهِ ۛ هُدى للمتقين** (۲:۲) ''یہ وہ کتاب ہے کہ کوئی شک نہیں ۛ اس میں ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔'' (اس ترجمے کو آپ غور سے پڑھیں اور ان نقطوں کو بھی دیکھیں تو پوری بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔)

اس کی علامت یہ ۛ ..... ۛ ہوتی ہے۔

یہ وقف قرآن مجید میں ان سات مقامات پر آیا ہے۔ [10]

---

[9] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معانقہ کی علامت کے درمیان آیت کا جو حصہ ہوتا ہے اسکو ماقبل سے بھی ملا سکتے ہیں اور مابعد سے بھی کسی بھی طرح معنی میں کوئی خلل نہیں پڑتا، البتہ اگر دونوں جگہ وقف کر دیا جائے اور اس درمیانی حصے کو دونوں طرف سے علیحدہ کر دیا جائے تو یہ بے معنی ہو جاتا ہے، رہا یہ کہ آپ کس طرف سے ملائیں؟ تو یہ آپ کی فہم پر موقوف ہے۔

[10] ہمارے پاک و ہند کے نسخوں میں معانقے دو طرح کے ہیں:

(۱) وہ معانقے جو متقدمین کے نزدیک ہیں اور ان کو حاشیہ پر پورا ''معانقہ'' نہیں لکھا جاتا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۱) ذلك الكتب لاريب ۞ فِيْهِ ۞ هُدى للمتقين (۲:۲)

۲) وَلاَ تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا ۞ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۹۵:۲)

۳) قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ ۞ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۞ يَتِيْهُوْنَ فِى الاَرْضِ (۲۶:۵)

۴) يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لاَ يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۞ وَ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۞ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ (۴۱:۵)

۵) وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِ هِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى ۞ شَهِدْنَا ۞ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ (۱۷۲:۷)

۶) اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۞ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۞ لاَ يَعْلَمُهُمْ اِلاَّ اللهُ (۹:۱۴)

۷) حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۞ ذٰلِكَ ۞ وَ لَوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لاَ نْتَصَرَ مِنْهُمْ[۱۱] (۴:۴۷)

(بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

بلکہ "مع" لکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی عند المتقدمین لکھا ہوتا ہے، ایسے معانقے کل سولہ ہیں۔ پہلا سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۵ میں ہے اور آخری مع سورۂ مدثر نمبر ۷۴ کی آیت ۳۹۔۴۰ میں ہے۔

(۲) دوسرے وہ معانقے ہیں جو متاخرین کے نزدیک ہیں جنکے حاشیہ میں پورا لفظ "معانقہ" لکھا جاتا ہے اور ساتھ ہی "عند المتاخرین" بھی لکھا ہوتا ہے، انکی کل تعداد اٹھارہ ہے، پہلا سورۂ بقرہ کی دوسری آیت میں ہے اور آخری سورۂ قدر (۹۷) میں ہے۔ اور ہر ایک کے ساتھ نمبر شمار بھی لگا ہوتا ہے۔ بعض نسخوں میں دونوں کے لئے صرف "مع" لکھدیا جاتا ہے۔ (طارق)

[۱۱] ان ساتوں مثالوں میں سے نمبر ۱۔ اور ۵۔ ہمارے نسخوں میں "معانقہ عند المتاخرین" ہیں۔ اور نمبر ۲۔۴۔۶۔۷۔ عند المتقدمین ہیں اور نمبر ۳ ہمارے نسخوں میں نہیں ہے۔ (طارق)

(معانقے کی علامات جہاں جہاں بھی ہیں وہاں وقف کی کوئی نہ کوئی علامت اور بھی ہوتی ہے، جہاں ایسی کوئی علامت ہو اس کی رعایت مقدم ہے، معانقے میں قاری کو جو یہ اختیار ہے کہ چاہے پہلی جگہ پر وقف کرے چاہے دوسری جگہ پر وہ علامت اسمیں سے راجح کو بتادیتی ہے کہ اختیار دونوں ہیں لیکن راجح یہ ہے کہ آپ یہاں وقف کریں اور یہاں وصل)

آیتوں کے سروں پر وقف کرنا:

اس میں تین مذاہب ہیں:[۱۲]

مذهب اوّل :جہاں (گول دائرے پر) آیت ختم ہو وقف کردیا جائے، اور پھر اسکے بعد سے پڑھنا شروع کیا جائے، چاہے اسکا کتنا ہی گہرا تعلق مابعد سے کیوں نہ ہو، اسلئے کہ سنت کی رعایت اسی میں ہے۔ (مسند احمد ۶/ ۳۰۲)، ترمذی (رقم ۲۹۲۴)، ابوداود (رقم ۴۰۰۱، نسائی (۲/ ۱۸۱)، میں حضرت اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن مجید پڑھتے تو ہر ہر آیت پر ٹھہرتے تھے، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم پڑھتے اور ٹھہر جاتے، پھر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن پڑھتے اور ٹھہر جاتے، پھر الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم پڑھتے اور ٹھہر جاتے۔ اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔

(امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں کہا ہے وقف کے سلسلے میں قراء کی اس رائے کے مقابلے میں کہ ''معنی کا لحاظ کیا جائے۔'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کی پیروی زیادہ مقدم ہے، ابوعمرو دانیؒ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے، حافظ بن قیمؒ کہتے ہیں کہ دیگر مقاصد کے مقابلے میں سنت نبوی زیادہ لائقِ اتباع ہے، دیگر علماء بھی اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔

مزید تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو زاد المعاد ۱/ ۱۳۴، الاتقان ۱/ ۲۳۲، فيض القدير للمناوي ۵/ ۲۳۸ وغیرہ۔

---

[۱۲] بعض حضرات فرماتے ہیں کہ چار مذاہب ہیں چوتھا مذہب یہ ہے کہ ہر آیت کے ختم پر سانس توڑے بغیر سکتہ کرلیا جائے، ملاحظہ ہو کتاب "معالم الاهتداء إلى معرفة الوقف و الابتداء" ص ۵۴

مذہب دوم : آیتوں کے ختم اوران کے سروں پر بھی وقف کا حکم وہی ہے جوان کے علاوہ دیگر مقامات پر وقف کرنے کا ہے، یعنی ماقبل کے مابعد سے تعلق یا عدم تعلق کے مطابق ہی اسکا حکم ہے، اگر ماقبل کا تعلق مابعد سے ہے تو وصل کیا جائے ورنہ وقف کردیا جائے۔ جیسے آیت فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ میں "الْمُصَلِّينَ" پر وقف کردینا، یہ وقف ''وقفِ قبیح'' ہے اسلئے کہ (اس صورت میں ویل یعنی تباہی و بربادی کا تعلق مصلین سے ہوجاتا ہے) حالانکہ اسکا تعلق مصلین سے نہیں ہے بلکہ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ سے ہے۔

(دونوں آیتوں کا ترجمہ پڑھ کر غور کرنے سے پوری بات اچھی طرح واضح ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتا ہے: ''پھر تباہی و بربادی ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لئے (۴) جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں (۵)'' یہاں پہلے گول نشان پر ٹھہرنے سے معنی میں خرابی آتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اُس آیت کے اوپر چھوٹا سا ''لا'' بنا ہوا ہے یعنی یہاں ٹھہرا نہ جائے۔)

مذہب سوم : ہر آیت کے سرے پر وقف تو سنت کی پیروی اور عمل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں کرلیا جائے لیکن (جہاں ماقبل کی آیت کے مضمون کا تعلق مابعد سے ہو ایسے مقامات پر) معنی کی رعایت میں اسے پیچھے سے ملا کر (دوبارہ) پڑھ لیا جائے، یہی قول راجح ہے، اس لئے کہ اسمیں سنت کی رعایت بھی ہے اور تلاوت کے ہدفِ اساسی اور مقصدِ اصلی کی رعایت بھی یعنی (قرآن مجید کے) معنی کا سمجھنا اور اس پر غور وفکر کرنا، اور یہ بات اسوقت تک ممکن نہیں جبتک کہ قرآن مجید کے باہم مربوط حصوں (اور ایک دوسرے سے تعلق رکھنے والی آیتوں) کو یک جا کر کے نہ پڑھا اور نہ دیکھا جائے۔

اور بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ مذہب اول ہی راجح ہے اور قراء حضرات کے یہاں وہی مشہور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقف کے بارے میں خلاصۂ کلام:

وقف کا معاملہ دراصل پڑھنے والوں کے اپنے اپنے حالات (اور ذوق) سے تعلق

رکھتا ہے، اور اسکا اصل تعلق ان کی فہم وتدبر سے ہے اور اسی وجہ سے قرآن مجید کے رسم الخط کے ماہرین کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ (چنانچہ ایک نے کہیں وقف کرنے کو ترجیح دی اور دوسرے نے وصل کرنے کو، اسی لئے عافیت اسمیں ہے کہ معمول نبوی کی پیروی کی جائے اور یہی جمہور کا مذہب ہے، البتہ جہاں آیت کے سرے پر وقف کرنے میں معنی کے لحاظ سے خرابی آتی ہو جیسے مذہب دوم کے ضمن میں سورۂ ماعون کی آیت کی مثال دی گئی ہے' یا جیسے'' وقفِ قبیح'' کے بیان میں کئی مثالیں گزر چکی ہیں، ایسے مقامات پر مذہب سوم پر عمل کر لینا مقدم ہے، اس طرح معنی کی رعایت بھی ہو جاتی ہے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

اور اس مقصد کی توضیح کے لئے ہم اس آیت (کے الفاظ کے باہمی ربط) کے متعلق غور کرتے ہیں: قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (۲۷:۳۴)

ترجمہ: '' ملکہ سبا نے کہا کہ: حکمراں لوگ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے تباہ کر ڈالتے ہیں اور وہاں کے عزت مند لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں، اور وہ یہی کریں گے۔''

اس آیت میں اگر وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ '' اور وہ یہی کریں گے'' کو ملکہ سبا بلقیس کے قول کا حصہ مانیں تو "اَذِلَّةً" پر وقف حسن کیا جائے گا (اور گویا پھر پیچھے سے ملا کر آگے پڑھنا ہوگا، جیسا کہ وقفِ حسن کے قاعدے میں اوپر بیان ہو چکا ہے) اسلئے کہ اس صورت میں "اَذِلَّةً" کا تعلق لفظاً اور معناً آگے سے ہے، اور یہ واو عاطفہ قرار پائے گی۔

اور اگر وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ کو بلقیس کی بات کے بعد اللہ تعالیٰ کا الگ مستقل کلام مانیں [۱۳] (جو گویا اسنے حکمرانوں کی عمومی فطرت بیان کرنے کے لئے) ملکہ سبا کی تائید میں اِرشاد فرمایا ہے تو اس صورت میں " اَذِلَّةً" پر'' وقف تام'' ہوگا اور یہ واو اس صورت میں'' واوِ استینافیہ'' ہوگا [۱۴]۔

---

[۱۳] اس صورت میں ترجمہ معمولی فرق سے یوں ہوگا'' اور وہ یہی کچھ کیا بھی کرتے ہیں'' (طارق)

[۱۴] اور مفسرین نے یہ دونوں ہی امکان بیان کئے ہیں۔ (طارق)

ابتداء:

اور یہ ہمیشہ اسوقت ہی ہوتی ہے جب کہیں وقف کر دیا گیا ہو، یا پڑھنا روک دیا ہو، یا تلاوت کرنا شروع ہو رہا ہو، اور یہ تلاوت کی شروعات عموماً سورت کے شروع سے یا کسی آیت کے شروع سے ہی ہوا کرتی ہے، یا یہ کہ لفظ و معنی کے لحاظ سے جہاں سے کوئی جملہ (یا کوئی قصہ یا کوئی مستقل مضمون) بیان ہونا شروع ہوا ہو۔

اور جو شخص وقف تام- وقفِ کافی - وقفِ حسن- وقف قبیح اور وقف معانقہ سے واقف ہوگا تو اسکی قراءت کی ابتداء بھی ضرور درست ہوگی، کیونکہ وقف تو کبھی اضطراری بھی ہو جاتا ہے جیسے پڑھنے والے کو کوئی اچانک سبب قراءت کو روک دینے کا پیش آجائے جیسے چھینک کی وجہ سے، رونا آجانے کی وجہ سے، نیند کی وجہ سے یا کسی اور ایسے ہی سبب سے تلاوت روک دینی پڑے جسکے ساتھ قراءت جاری رکھنا ممکن نہ ہو، لیکن (ظاہر ہے) قراءت کی ابتداء تو ہمیشہ اپنے اختیار سے ہی ہوتی ہے۔

(ابتداءِ) قبیح کی مثال یہ سمجھئے کہ آیت وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (۲:۱۱۶)

ترجمہ: 'اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے''۔

اس آیت میں اگر کوئی ''اتخذا اللہ'' سے ابتداء کرے تو یہ ابتداء قبیح ہوگی، بلکہ اگر وہ قصداً اور معنی سمجھتے ہوئے ایسا کرتا ہے تو بالاجماع وہ کافر ہو جائے گا۔ (اسلئے کہ اس صورت میں وہ اللہ کے دشمنوں کا مقولہ ہونے کے بجائے اس سے الگ ایک مستقل دعویٰ ہو گیا جو ایک کافرانہ دعوی ہے)

یا جیسے آیت وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ (۵:۶۴)۔

ترجمہ: ''اور یہودی یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں'' اس آیت میں مثلاً کوئی ید اللہ سے شروع کر دے (یعنی اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ نعوذ باللہ)۔

اور اسی سے دیگر مقامات کو بھی سمجھ لیا جائے۔ پڑھنے والے کے لئے ضروری کہ وہ

(جہاں تک ممکن ہو) وقف کرنے میں بھی اور ابتداء کرنے میں بھی اس بات کا لحاظ رکھے کہ (آیت کے) الفاظ بھی مکمل ہو جائیں اور معنی بھی۔

قطع: لغت میں قطع کے معنی کاٹ دینا جدا کر دینا اور ہٹا دینا ہے۔

اور اصطلاح میں وہ قراءت کا بالکل روک دینا اور موقوف کر دینا ہے، (جبکہ آگے پڑھنے کا اِرادہ بھی نہ رہے، اور اگر اسی مجلس اور اسی بیٹھک میں ابھی مزید تلاوت کا اِرادہ ہے تو وقفہ چاہے طویل کیوں نہ ہو جائے یہ وقف ہی ہے قطع نہیں)

اور قطع کر دینا جو ختم کر دینے کی طرح ہے، پڑھنے والا اسطرح گویا قراءت سے اعراض کرتے ہوئے اور اس سے منہ موڑتے ہوئے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو رہا ہے، اور یہی وہ بات ہے جس سے دوبارہ نئے سرے سے قراءت شروع کرتے وقت (أعوذُ باللهِ پڑھ کر) پناہ مانگی جاتی ہے، اور یہ (قطع) ہمیشہ سورتوں کے ختم پر یا آیتوں کے پورا ہونے پر ہی ہوتا ہے، اسلئے کہ آیتوں کے سرے خود ترک وعلیحدگی کے مقامات ہیں۔

سَکْتَه: لغت میں ''سکتہ'' کے معنی ہیں رُک جانا، (خاموش ہو جانا)، کہا جاتا ہے: سَکَتَ الرَّجُلُ عَنِ الْحَدِیْث (آدمی بات چیت سے رُک گیا، خموش ہو گیا)۔

اصطلاح میں سکتہ اس کو کہتے ہیں کہ پڑھنے والا اپنی تلاوت کو جاری رکھتے ہوئے سانس توڑے بغیر ذرا سا رُک جائے۔ قرآن مجید میں اسکا اشارہ (باریک سا) س ہوتا ہے۔[۱۵]

حفصؒ سے پورے قرآن مجید میں بلا اختلاف صرف چار مقامات پر سکتے آئے ہیں:

(۱) سورۂ کھف (۱:۱۸) میں عِوَجَاسْ قَیِّمًا کے پہلے الف پر۔

(۲) سورۂ یٰسین (۵۲:۳۶) میں مَرْقَدِنَا سْ هٰذَا کے پہلے الف پر۔

---

۱۵ عرب ممالک کے نسخہائے قرآن مجید میں ایسا ہی ہے، پاک وہند کے نسخوں میں یا جو نسخے سعودی حکومت نے پاک وہند کے طرز خط میں شائع کئے ہیں ان میں پورا لفظ ''سکتہ'' باریک سا لکھا جاتا ہے۔ (طارق)

(۳) سورۂ قیمۃ (۷۵:۲۷) میں مَنْ ۛ رَاقٍ کے نون پر۔

(۴) سورۂ تطفیف (۸۳:۱۴) میں بَلْ ۛ رَانَ کے لام پر۔

البتہ سورۂ حاقہ (۶۹:۲۸) میں مالِیَه ۛ هَلَكَ میں قاری کے لئے دونوں باتوں کا اختیار ہے: سکتے کے ساتھ اظہار بھی کرسکتا ہے، اور ہاء کا دوسری ہاء میں اِدغام بھی، لیکن سکتے کے ساتھ اظہار کر کے پڑھنا بہتر ہے۔ اسی طرح سورۂ انفال اور سورۂ براءت کے درمیان سکتے کا جواز ہے، اور یہ وہاں اختیار کی جانے والی تین شکلوں میں سے ایک ہے، اسکا بیان بسم اللہ کے احکام میں (اِسی دوسرے باب کی چوتھی فصل میں) گزر چکا ہے، یعنی وصل، سکتہ اور قطع، لیکن تینوں صورتوں میں سورۂ براءۃ کو بسم اللہ کے بغیر پڑھا جائے۔

علاماتِ وقف:

یہ علامتیں سات قسم کی ہیں، یہ قرآن مجید کے ان نسخوں میں پائی جاتی ہیں جو سن ۱۳۴۲ھ (مطابق ۱۹۲۴ء) کے بعد مروج ہوئے ہیں[۱۶] وہ علامات یہ ہیں:

(م): یہ وقفِ لازم کی علامت ہے۔

اسکا حکم: لزوم یا وجوب ہے۔

---

۱۶ مؤلف محترم نے یہ بات غالباً کسی مخصوص علاقے کے مطبوعہ نسخوں کے پیش نظر کہی ہے ورنہ یہ علامات تو قرآن مجید کے نسخوں میں مذکورہ سن سے بہت پہلے سے مروّج ہیں، میں نے:-

(۱) قرآن مجید کے ایک قلمی نسخے میں بترجمہ شاہ رفیع الدین دہلویؒ جو سن ۱۲۵۵ھ کا لکھا ہوا ہے بخط عبدالرزاق، (۲) اور ایک دیگر قلمی نسخے میں جو تقریباً اتنا ہی قدیم ہے یہ تمام علامات دیکھی ہیں اسی طرح:

(۳) شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ کے ترجمہ کے ساتھ شائع شدہ سن ۱۳۰۰ھ کا نسخہ،

(۴) مطبع غوثیہ کلکتہ کا رمضان سن ۱۳۰۶ھ مطابق مئی سن ۱۸۸۹ء کا واوی نسخہ جس کی ہر سطر واو سے شروع ہوتی ہے کل تیس صفحات میں مکمل قرآن مجید ہے،

(۵) مطبع اعجاز محمدی کا شائع کردہ سن ۱۳۰۸ھ کا نسخہ جو چوب قلم جہازی سائز میں دو جلدوں میں ہے بترجمہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ و شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور انکے بعد کے متعدد نسخے دیکھے ہیں سب میں یہ علامات تمام کی تمام موجود ہیں۔

ان میں سے نسخہ نمبر ۲، اور نمبر ۵ مدرسہ کاشف العلوم بریلی یوپی کی لائبریری میں ہیں اور باقی تمام جامعہ ہمدرد نئی دہلی کی لائبریری میں موجود ہیں۔ (طارق)

(لا): وقفِ ممنوع کی علامت ہے۔

اسکا حکم : یہ ہے کہ اس پر اسطرح نہ ٹھہرا جائے کہ اس کے بعد آگے سے شروع کر دیا جائے۔[۱۷] (اگر کسی وجہ سے اس پر ٹھہرنا ہو تو پیچھے سے لوٹا کر پڑھا جائے)

(ج): وقفِ جائز کی علامت ہے۔

اسکا حکم : یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا اور اسکے مابعد سے ابتداء کرنا جائز ہے یعنی وقف و وصل دونوں باتوں کا اختیار ہے[۱۸] (صلے): (یہ بھی) وقف جائز کی علامت ہے۔

اسکا حکم : یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا بھی جائز ہے اور اسکے بعد سے ابتداء کرنا بھی لیکن وصل کرنا بہتر ہے (یہ "الوصل اَولٰے" کا مخفف ہے، جیسا کہ "وقفِ حسن" کے بیان میں گزر چکا ہے)۔

(قلے) یہ بھی وقف جائز کی علامت ہے۔

اسکا حکم : یہ ہے کہ اسپر وقف جائز ہے اور اسکے بعد سے ابتداء کرنا بھی جائز ہے لیکن وقف کرنا بہتر ہے[۱۹] (یہ "الوقف اَولٰے" کا مخفف ہے، جیسا کہ "وقف تام" کے بیان میں گزر چکا ہے)

---

۱۷ شیخ (ابوعبداللہ محمد بن طیفور) سجاوندیؒ نے (وقف کی) اس قسم کو بہت بڑھا دیا ہے اور "لا" کے سلسلے میں اپنی کتاب میں بہت مبالغے سے کام لیا ہے، انکے نزدیک اسکے معنی یہ ہیں کہ یہاں ٹھہرا نہ جائے، حالانکہ ان میں سے بہت سے مقامات وہ بھی ہیں جہاں اس علامت کے بعد سے (پیچھے سے ملائے بغیر) ابتداء کرنا درست ہے اور ان میں سے اکثر مقامات ایسے ہیں جہاں وقف کرنا جائز ہے۔ (جبکہ سجاوندی وہاں لابنا کر وقف کرنے سے منع کر رہے ہیں)
مؤلف لکھتے ہیں کہ سجاوندی کے مقلدین میں بہت سے وہ لوگ جو زیادہ معرفت نہیں رکھتے انکو یہ وہم ہے کہ جہاں انہوں نے وقف کرنے سے منع کیا ہے وہاں وقف کرنا "وقفِ قبیح" کے تحت آتا ہے، یعنی نہ وہاں وقف کرنا چاہئے اور نہ اسکے بعد سے ابتداء کرنی چاہئے، اسکا نتیجہ یہ ہے کہ جب انکا سانس ساتھ نہیں دیتا (اور وہ وقف کرنا چاہتے ہیں) تو وہ (بہت سی جگہ) وقف حسن جو کہ جائز ہے اسکو نظر انداز کر دیتے ہیں اور قصداً ایسی جگہ پر وقف کر دیتے ہیں جہاں وقف کرنا قبیح و ممنوع ہے۔
ملاحظہ ہو کتاب "حق التلاوۃ ص ۱۱۴۔۱۱۵۔

۱۸ آگے علامت "قلے" کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ (طارق)

۱۹ پاک و ہند کے نسخوں میں یہ علامت نہیں ہے، بلکہ انکے اخیر میں رموز اوقاف میں (ج) کے متعلق لکھا ہے کہ جہاں یہ علامت ہو وہاں وقف و وصل دونوں جائز ہیں لیکن وقف بہتر ہے۔ گویا (ج) "قلے" کا مرادف ہے۔ (طارق)

(ۛ ۚ ۗ) یہ معانقہ کی علامت ہے۔ (یہ ہمیشہ تھوڑے ہی فاصلے پر آگے پیچھے دو علامتیں ہوتی ہیں)۔

اسکا حکم : یہ ہے کہ جب ایک علامت پر وقف کرلیا جائے تو دوسری پر نہ کیا جائے ورنہ معنی میں خرابی آجاتی ہے (اس کا تفصیلی بیان ابھی وقفِ اختیاری کی پانچوں قسموں کے بعد مستقل عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔)

رَوم اور اِشمام:

کلام عرب میں وقف کی کئی قسمیں ہیں ان میں سے ایک قسم (کلمے کے آخری حرف کو) پوری طرح ساکن کردینا ہے (اب تک جو وقف کی تفصیلی بحث آئی ہے وہ وقف کی اسی قسم کی تھی، وقف کی) دو قسمیں اور ہیں رَوم اور اِشمام:

عرب لوگ کسی کلمے کو حرفِ ساکن سے شروع نہیں کرتے اور حرفِ متحرک حرف پر وقف نہیں کرتے، (پہلے کلمے کے آخری حرف کو ساکن کرتے ہیں پھر وقف کرتے یعنی اسے ختم کرتے ہیں) اور کلمات کے ختم پر وقف کرنے کا اصل طریقہ آخری حرف کو ساکن کردینا ہی ہے۔

لیکن وقف میں آپ کو یہ بھی اختیار ہے کہ آپ وقف کریں رَوم کے ساتھ، یا اِشمام کے ساتھ (رَوم کسی چیز کا اِرادہ کرنے کو کہتے ہیں، اور اِشمام کے لغوی معنی سنگھانے کے ہیں، روم میں- جیسا کہ آگے معلوم ہوگا- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والے نے وقف کردیا ہے لیکن یہ ابھی آگے مزید پڑھنے کا اِرادہ رکھتا ہے، اسلئے کہ اسمیں کسی درجے میں حرکت باقی رہ جاتی ہے، اور اِشمام میں حرکت تو باقی نہیں رہتی لیکن پڑھنے والا آخری حرف کے اعراب یعنی پیش کی گویا صرف خوشبو سنگھا دیتا ہے، جیسا کہ آئندہ سطروں میں انکی تعریفوں سے ظاہر ہورہا ہے۔)

رَوم : (وقف کرنے کے باوجود) حرکت کا کچھ حصہ ادا کرنا اتنی ہلکی آواز

میں کہ اسے قریب والا آدمی سن سکے دور والا محسوس نہ کر سکے، اسطرح سے کہ حرکت کا غائب حصہ باقی رہ جانے والے حصے سے کم ہو یعنی ایک تہائی حرکت غائب ہو جائے۔

روم مخصوص ہے مرفوع اور مضموم [۲۰] کے ساتھ اور مجرور و مکسور [۲۱] کے ساتھ، منصوب اور مفتوح (پر جو وقف کیا جاتا ہے اس) میں روم نہیں ہوتا۔

مرفوع کی مثال: جیسے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں نَسْتَعِيْنُ پر وقف کرنا۔

مضموم کی مثال: جیسے: وَ مِنْ حَيْثُ میں حَيْثُ پر وقف کرنا۔

مجرور کی مثال: جیسے: بِسْمِ اللهِ الرحمٰن الرحيم میں الرَّحيم پر وقف کرنا۔

مکسور کی مثال، جیسے: فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (۷۸:۴) میں هٰؤُلَآءِ پر وقف کرنا۔

اور رَوم کرنا (مد کے ساتھ نہیں) صرف حالت قصر میں اور ضمہ و کسرہ کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ [۲۲]

اِشمام : (وقف کرتے وقت) حرف کو سکون دیتے ہوئے اسطرح ہونٹوں کا بند کرنا کہ دونوں ہونٹوں کے درمیان سانس نکلنے کے لئے معمولی سا فاصلہ باقی رہ جائے، اور یہ صرف نظر آ سکتا ہے سنا نہیں جا سکتا۔

---

۲۰ چاہے وہ اعراب میں مضموم ہو (یعنی نحوی ترکیب میں وہ رفعی حالت میں آ رہا ہو اور یہ رفع بدلتا رہتا ہے مثلاً نَعبُدُ کی دال پر سورۂ فاتحہ میں پیش ہے لیکن سورۂ ہود (۱۱/ ۶۲) میں اور سورۂ ابراہیم (۱۴/ ۳۵) میں اسپر ''اَنْ'' آ گیا ہے تو اسکی دال پر فتحہ آ گیا) یا اس کا ضمہ علامت بناء کی وجہ سے ہو۔ (یعنی مبنی بر ضمہ ہونے کی وجہ سے ہو کہ کسی حال میں نہ بدلتا ہو جیسے حيثُ کا ضمہ ہے)

۲۱ چاہے اسکا کسرہ اعرابی حالت کی وجہ سے ہو یا بناء کی وجہ سے۔

۲۲ روم درست ہے مد واجب متصل متوسط چار حرکات اور پانچ حرکات میں، اسلئے کہ مد متصل میں حالتِ وقف ہو یا وصل یہ مقدار واجب ہے، کیونکہ روم کا اعتبار وصل کے مطابق ہے اور اسی حالت میں آتا ہے جو کلمے کی حالت وصل کے وقت ہوتی ہے اور متصل میں قصر جائز نہیں، اور روم مد مشبع (بھرپور مد) کے ساتھ جائز نہیں۔ یہ حفصؒ کے نزدیک ہے اور ان حضرات کے نزدیک بھی ہے جو متصل میں مد متوسط کے قائل ہیں۔ اور جو لوگ حالت وصل میں طول کو جائز مانتے ہیں جیسے حمزہؒ اور ورشؒ انکے نزدیک ''مَدِّ مُشْبِعْ'' کے ساتھ بھی رَوم جائز ہے۔

اور اِشمام صرف مرفوع اور مضموم کے اندر ہی ہوتا ہے کسی اور حرکت میں نہیں ہوتا۔

مکسور کی مثال:

جیسے: گزشتہ مثال میں نستعینُ پر وقف کرنا۔ اس مثال میں اِشمام جائز ہے قصر، توسط اور مد کے ساتھ، اور یہ صرف آخیر کلمہ ہی میں آتا ہے، درمیان کلمہ میں حفصؒ کے نزدیک (پورے قرآن مجید میں) صرف ایک مقام پر اِشمام آیا ہے، اور وہ ہے آیت قَالُوْا یٰاَبَانَا مَا لَكَ لَاتَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ (۱۱:۱۲) لفظ لاتَـأْمَنَّا، (اس میں تمام قراء کے نزدیک اِشمام بھی ہے اور رَوم بھی، اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ یہ لفظ اصلاً "لا تَأْمَنُنَا" تھا، پہلے نون کا دوسرے میں اِدغام کر دیا گیا ہے، چنانچہ قراءت شاذّہ میں اسی طرح دُہرے نون کے ساتھ ہی پڑھا گیا ہے، بس روم یا اِشمام کے ذریعہ اُس پہلے اِدغام شدہ نون کا ذرا سا اِشارہ دیا جاتا ہے۔

یہ اشارہ روم میں معمولی سی آواز کے ذریعے دیا جاتا ہے، اور اِشمام میں ہونٹوں سے پیش کی سی شکل بنا کر بغیر آواز کے پیش کی ذرا سی خوشبو سنگھائی جاتی ہے۔

مضموم کی مثال:

جیسے: لِلّٰهِ الامر مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ (۴:۳۰) میں قَبْلُ پر وقف کرنا۔

اور اِشمام صرف ضمے میں آتا ہے اور یہ قصر میں بھی جائز ہے توسط میں بھی اور مد (طول) میں بھی۔

رَوم اور اِشمام کہاں ممنوع ہے؟

چار حالات ایسے ہیں جہاں رَوم اور اِشمام ممنوع ہیں:

(۱) جس کلمے پر وقف ہو رہا ہے اس کا آخری حرف مفتوح ہو۔

(۲) جس کلمے پر وقف ہو رہا ہے اس کا آخری حرف منصوب ہو۔

(۳) جس کلمے پر وقف ہو رہا ہے اس کا آخری حرف ہائے تانیث (گول تاء) ہو۔

(۴) جس کلمے پر وقف ہو رہا ہے اس کا آخری حرف جمع کا میم ہو۔

مفتوح کی مثال، جیسے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں العٰلَمِينَ پر وقف کیا جائے۔

منصوب کی مثال، جیسے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں مستقیم پر وقف کیا جائے۔

ہائے تانیث (گول تاء) کی مثال، جیسے: درجاتٍ منه و مغفرةً ورحمةً (۹۶:۴) میں مغفرة ورحمة پر وقف کیا جائے۔

میم جمع کی مثال، جیسے: وَ يُلْقُوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ (۹۱:۴) میں إِلَيْكُمْ پر وقف کیا جائے۔[۲۳]

(ایک پانچویں حالت اور بھی ہے جہاں رَوم و اِشمام ممنوع ہے، جس کلمے پر وقف ہو رہا ہے اسکی حرکت عارضی ہو، خواہ ضمے کی ہو یا کسرے کی، جیسے: عَصَوُا الرَّسُوْلَ میں عَصَوْا پر۔ اور وَ اَنْذِرِ النَّاسَ میں وَ اَنْذِرْ پر۔)

البتہ ہائے ضمیر پر رَوم و اِشمام ہونے نہ ہونے کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

ایک رائے مطلقاً ممانعت کی ہے۔

---

۲۳ پہلے دو حالات میں تو رَوم و اِشمام اسلئے نہیں ہے کہ شروع میں روم کے بیان میں بتایا جا چکا ہے کہ وہ صرف مرفوع و مضموم اور مجرور و مکسور میں ہوتا ہے منصوب و مفتوح میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح اِشمام کے بیان میں بتایا جا چکا ہے کہ وہ صرف مرفوع و مضموم میں ہوتا ہے اور کسی اعراب میں نہیں ہوتا۔

ہائے تانیث میں مصنف نے جو مثال دی ہے وہ تو خیر منصوب کی ہے منصوب میں تو روم و اِشمام ہوتے ہی نہیں لیکن کسی دوسری حرکت کے ساتھ بھی اُس میں رَوم و اِشمام نہیں ہونگے جیسے: اَلْمَشْئَمَةِ اور مُؤْصَدَةٌ میں۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ حرکت تو حرف کے تابع ہوتی یہاں جب خود حرف ہی اپنی حالت پر قائم نہیں رہا تو اسکی حرکت اور حرکت کی وجہ سے جو حالت آنے والی تھی اسکا کیا ذکر۔

اور میم جمع کا معاملہ یہ ہے کہ اسپر جو حرکت آتی ہے وہ اسکی اپنی پیش نہیں ہوتی وصل کی خاطر دی جاتی ہے۔ جب وصل ہی نہیں ہوتا تو حرکت بھی نہیں دی جائے گی اور حرکت نہیں تو روم و اِشمام کیسے؟ (طارق)

دوسری رائے مطلقاً جواز کی ہے۔

تیسری رائے میں کچھ تفصیل ہے: وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہائے ضمیر سے پہلے سکونِ صحیح ہو یا الف ہو یا فتحہ تو اسمیں رَوم و اِشمام ہے، اور اگر ہائے ضمیر سے پہلے واو ساکنہ مدّہ یا لین ہو، یا یائے ساکنہ مدّہ یا لین ہو، یا کسرہ ہو، یا ضمہ ہو تو ان صورتوں میں صرف سکون ہے۔

ہائے ضمیر کی مثالیں جن میں رَوم و اِشمام ہوتا ہے:

(۱) سکونِ اصلی جیسے: مِنْهُ، نُزِقُهُ میں۔

(۲) ہائے سے پہلے الف کی مثال، جیسے: وَ اٰتَيْنَاهُ، وَ هَدَيْنَاهُ۔

(۳) (ہائے ضمیر سے پہلے) فتحہ کی مثال، جیسے: فَاَقْبَرَهُ، اَنْشَرَهُ۔

ہائے ضمیر کی مثالیں جن میں رَوم اور اِشمام نہیں ہوتا ہے:

(۱) (ہائے ضمیر سے پہلے) واو کی مثال، جیسے: قَتَلُوْهُ، وَ شَرَوْهُ۔

(۲) (ہائے ضمیر سے پہلے) یاء کی مثال، جیسے: فِيْهِ، اِلَيْهِ۔

(۳) (ہائے ضمیر سے پہلے) کسرے کی مثال، جیسے: عِلْمِهٖ، بِهٖ۔

(۴) (ہائے ضمیر سے پہلے) ضمے کی مثال، جیسے: يُخْلِفُهُ، يَعْلَمُهُ۔

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆☆

☆

چودھویں فصل

گول تاء اور لمبی تاء کا بیان

(گول تاء کو تائے مَربُوطَہ اور تاء مُدوّرَہ بھی کہتے ہیں، اور لمبی تاء کو تائے ممدودہ اور تائے مفتوحہ بھی کہتے ہیں) دونوں تاؤں میں فرق یہ ہے کہ تاء مربوطہ (یعنی گول تاء) ہاء (ھوز) کی شکل میں لکھی جاتی ہے اور اس پر دو نقطے ہوتے ہیں، اس طرح (ۃ)، اور یہ حالتِ وصل میں تاء ہوتی ہے لیکن حالتِ وقف میں ھاء بن جاتی ہے جیسے: مَغْفِرَة، رَحْمَة، رَبْوَة۔

اور تاء مفتوحہ (لمبی تاء) جو مؤنث کی علامت ہوتی ہے اور بعض اسماء وافعال کے اخیر میں پائی جاتی ہے جو فاعل کے ساتھ ساتھ صیغے (یعنی لفظ) کے بھی مؤنث ہونے پر دلالت کرتی ہے وجوباً یا جوازاً، اور اسی طرح یہ تاء حروف کے ساتھ بھی پائی جاتی ہے۔ اور اسکے لکھنے کی صورت یہ ہوتی ہے (ت) اور وصل ووقف دونوں صورتوں میں یہ تاء ہی پڑھی جاتی ہے۔

اس کی مثال فعل میں یہ ہے: وَ اُزْلِفَتْ۔

اس کی مثال اسماء میں یہ ہے: والعادیات، والنازعات۔

اس کی مثال حروف میں یہ ہے: ثُمَتَ[1] لاتَ[2]

تاء جب اسم کے ساتھ آتی ہے تو اصل قاعدہ اس کا یہی ہے کہ وہ گول لکھی جائے

---

[1] یہاں "ثُمَتَ" حرفیہ مراد ہے "ثَمَةَ" ظرفیہ نہیں، ثَمَةَ ظرفیہ کی مثال یہ ہے: بَلْ ثَمَةَ اَمرٌ آخر – اور لیت کی مثال جیسے ہم بولتے ہیں "و لیتَ الأمر کذلك" اور لاتَ سورہ ص کی تیسری آیت میں آیا ہے: وَ لاتَ حِیْنَ مَنَاص۔

[2] ہم یہاں تاء فاعل کی تعریف میں نہیں مشغول ہونگے جو صیغہ مخاطب میں مفتوح ہوتی ہے جیسے قُلْتَ میں، یا جو صیغۂ متکلم میں مضموم ہوتی ہے جیسے قُلْتُ، یا مؤنث میں مکسور ہوتی ہے جیسے قلتِ، اس لئے کہ ہم یہاں تاء تانیث کا بیان کررہے ہیں نہ کہ مطلق تاء کا۔

اور وقف کرتے وقت وہ ہاء ہو جائے، اور ایسا ہی عموماً ہوتا بھی ہے اور اس سلسلے میں مصاحف عثمانی میں اور اِملاء کے جدید طریقوں میں (بالعموم) کوئی فرق نہیں ہے، لیکن مصاحفِ عثمانی میں کچھ کلمات ایسے پائے جاتے ہیں جو اس عام قاعدے سے باہر ہیں اور وہ تاءِ مفتوحہ (لمبی تاء) سے یعنی اس شکل کی تاء (ت) سے لکھے ہوئے ہیں، اور ایسے کلمات (پورے قرآن مجید میں صرف) بیس ہیں۔

ان میں سے تیرہ کلمات تو وہ ہیں جن کو مفرد پڑھنے میں علماء قراءات کا اتفاق ہے، اور سات کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ اِفراد کے ساتھ پڑھے جائیں یا جمع کے ساتھ!

اوّل : وہ کلمات جن کو مفرد پڑھنے میں علماء قراءات کا اتفاق ہے یہ ہیں:

(۱) رَحْمَتَ۔	(۲) نِعْمَتَ	(۳) لَعْنَتَ	(۴) امْرَأَتُ
(۵) مَعْصِيَتِ	(۶) سُنَّتُ	(۷) شَجَرَتَ	(۸) قُرَّتَ
(۹) جَنَّتُ	(۱۰) فِطْرَتَ	(۱۱) كَلِمَتُ	
(۱۲) بَقِيَّتُ	(۱۳) ابْنَتَ۔		

ان تیرہ کلمات میں سے جن کے اِفراد کے ساتھ پڑھنے پر اتفاق ہے چھ کلمات وہ ہیں جو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آئے ہیں، اور سات کلمات وہ ہیں جو صرف ایک ایک مقام پر وارد ہوئے ہیں۔

(ان میں سے) وہ چھ کلمات جو متعدد مقامات پر آئے ہیں یہ ہیں:

۱- **رَحمت**[۳]: یہ سات مقامات پر چھ سورتوں میں آیا ہے:

(۱) بقرہ (۲:۲۱۸) (۲) اعراف (۷:۵۶) (۳) ھود (۱۱:۷۳)۔
(۴) مریم (۱۹:۲) (۵) رُوم (۳۰:۵۰) (۶) زخرف (۴۳:۳۲)
ایک ہی آیت میں دو جگہ۔

---

[۳] ان تمام کلمات میں ت کی حرکت کہاں کیا ہے اس سے بحث نہیں چنانچہ کہیں کسرہ ہے کہیں ضمہ ہے، یہاں غرض صرف تاء کے طرزِ کتابت اور اسکے اِفراد یا جمع سے ہے۔ (طارق)

۲- **نِعْمَتَ** : گیارہ مقامات پر آٹھ سورتوں میں آیا ہے:

(۱) بقرہ(۲:۲۳۱) (۲) آل عمران(۳:۱۰۳)

(۳) مائدہ (۵:۱۱) (۴) ابراہیم(۱۴:۲۸-۳۴)دوجگہ۔

(۵) نحل(۱۶:۷۲-۸۳-۱۱۴) تین جگہ۔ (۶) لقمان(۳۱:۳۱)

(۷) فاطر(۳۵:۳) (۸) طور(۵۲:۲۹)

۳- **لَعْنَتَ** : دومقامات پر آیا ہے:

(۱)آل عمران (۳:۶۱) (۲)نور(۲۴:۷)

۴- **امْرَاَتُ** : سات مقامات پر چار سورتوں میں آیا ہے۔

(۱) یوسف(۱۲:۳۰-۵۱)دوجگہ (۲) آل عمران(۳:۳۵)

(۳) قصص(۲۸:۹) (۴) تحریم(۶۶:۱۰-۱۰-۱۱) تین جگہ۔

۵۔ **مَعْصِیَتِ** : دوجگہ سورۂ مجادلہ(۵۸:۸-۹) میں آیا ہے۔

۶۔ **سنَّتُ** : پانچ مقامات پر آیا ہے:

(۱) اَنفال(۸:۳۸) (۲)فاطر(۳۵:۴۳) ایک ہی آیت میں تین جگہ۔

(۳) غافر(۴۰:۸۵)

اور جو کلمات صرف ایک ایک جگہ آئے ہیں وہ یہ سات ہیں:

۱- شَجَرَتَ دخان(۴۴:۴۳)

۲- قُرَّتَ قصص(۲۸:۹)

۳- جَنَّتُ واقعہ(۵۶:۸۹)

۴- فِطْرَتَ رُوم(۳۰:۳۰)

۵- کَلِمَتُ اعراف(۷:۱۳۷)

۶- بَقِیَّتُ ھود (۱۱:۸۶)

۷- ابْنَتَ تحریم (۱۲:۶۶)

اوران ہی کے ساتھ وہ چھ کلمات بھی ملحق ہیں جو بلا اختلاف تاء مفتوحہ (لمبی ت) سے لکھے جاتے ہیں (اور اگر اُن پر وقف کیا جائے تو) حفصؒ کے نزدیک وہ تاء ہی رہتی ہے (حالت وقف میں ھاء نہیں بن جاتی) اور وہ (چھ) کلمات یہ ہیں:

هيهاتَ - ذاتَ - يابَتِ - لاَتَ - مَرْضَاتَ - اللاَّتَ

دوم: کچھ کلمات وہ ہیں جنکے اِفراد (مفرد پڑھنے) یا جمع پڑھنے میں اختلاف ہے اور ایسے یہ سات کلمات ہیں:

۱- ثَمَرَاتِ ۲- جِمَالَتٌ ۳- آيَاتٍ
۴- الغُرُفَاتِ ۵- غَيَابَتِ ۶- بَيِّنَتُ
۷- كَلِمَتُ۔

ان کا حکم: یہ ہے کہ یہ تاء حالتِ وصل میں تاء متحرکہ (یعنی لمبی تاء کی طرح) پڑھی جائے، خواہ یہ تاء مربوطہ (گول تاء کی شکل میں) لکھی ہو یا تاء مفتوحہ (لمبی تاء) کی شکل میں، البتہ حالتِ وقف میں اُسی طرح پڑھی جائے جس طرح قرآن مجید میں اسکا رسم الخط ہو، یعنی اگر تاء مربوطہ (گول تاء) بنی ہوئی ہے تو وقف میں اس کو ھاء کر دیا جائے، اور تاء مفتوحہ (لمبی تاء) ہے تو تاء ساکنہ پڑھی جائے۔

یہ تاء مربوطہ اور تاء مفتوحہ کے اس ضروری بیان کا خلاصہ ہے جو ہماری کتاب کے طرز و منشأ سے تعلق رکھتا ہے۔ جو شخص اس سلسلے میں مزید واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے فن قراءت کی مفصّل و مبسوط کتابوں کی طرف رُجوع کرنا چاہئے۔

.....☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆

پندرہویں فصل

ہمزۂ قطعی اور ہمزۂ وصلی کا بیان

ہمزۂ قطعی:

یہ وہ ہمزہ ہوتا ہے جو وقف و وصل ہر حال میں باقی رہتا ہے، (یعنی جس کلمے کے شروع میں یہ آیا ہے) اس سے شروع کریں یا (جس کلمہ کے شروع میں یہ ہمزہ آیا ہے اس کا اس سے پہلے کلمے سے) وصل کریں،.....اور یہ کلمے کے شروع میں بھی آتا ہے درمیان میں بھی اور آخر میں بھی، (ہمزہ جب کلمے کی ابتداء میں آتا ہے تو قطعی ہو یا وصلی ہمیشہ الف کی شکل میں لکھا جاتا ہے) اور ہمزۂ قطعی اصل کلمے کا حصہ ہوتا ہے (اور اسی لئے یہ ثابت رہتا ہے گرتا نہیں) اور یہ اسماء، افعال اور حروف سب میں آتا ہے اور (تمام حرکات) فتحہ، ضمہ، کسرہ اور سکون کو قبول کرتا ہے، اور (ظاہر ہے) سکون کبھی اوّل کلمے میں تو ہوتا نہیں اسلئے کہ حرفِ ساکن سے کسی کلمے کی ابتداء (عربی زبان میں) ہوتی ہی نہیں۔

اور یہ ہمزہ لکھنے اور پڑھنے دونوں حالتوں میں برقرار رہتا ہے، اور قرآن مجید میں جس قدر بھی ہمزۂ قطعی آئے ہیں روایتِ حفصؒ میں سب برقرار رہتے ہیں سوائے ایک کلمے کے جو سورہ فصلت (حم السجدہ :۴۱) کی آیت نمبر ۴۴ میں ہے "أَ أَعْجَمِيٌّ" اس کا حکم یہ ہے کہ اِن دونوں ہمزوں میں سے پہلا ہمزہ تو برقرار رہے گا اور دوسرے ہمزے کی تسہیل کر کے (یعنی اسے نرم کر کے) بین بین پڑھا جائے گا، یعنی اسکی آواز ہمزے اور الف کے درمیان کی نکالی جائے گی۔

قرآن مجید کے نسخوں میں اس دوسرے ہمزہ کے اوپر ایک چھوٹا سا گول اندر سے بھرا ہوا دائرہ بنا ہوتا ہے اور اس طرح لکھا جاتا ہے "ءَ اَعْجَمِيٌّ"۔[1]

---

[1] یہ طریقہ عرب ممالک سے شائع شدہ نسخہ ہائے قرآن مجید میں ہے، پاک و ہند کے نسخوں میں اس طرح لکھتے ہیں "ءَ اَعْجَمِيٌّ" اور دوسرے الف پر یہ نشان (ـــ) لگا دیتے ہیں اور حاشیہ پر یہ لکھتے ہیں: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہمزۂ وصلی:

یہ وہ ہمزہ ہوتا ہے جو (لکھنے میں تو ہمزۂ قطعی کی طرح کلمے کی) ابتداء میں موجود ہوتا ہے لیکن وصل کی حالت میں (صرف پڑھنے میں) حذف ہوجاتا ہے یہ اوّل کلمہ میں زائد ہوتا ہے جو اسلئے آتا ہے کہ اسکے بعد والا حرف جو ساکن ہے اسکو بحالت سکون نہ پڑھنا پڑے، اسلئے (اِسے حرکت دیدیتے ہیں اور) اِس سے ملا کر اُس ساکن کو ادا کر لیتے ہیں (اور اسی لئے اسکا نام "وَصْلي" ہے کہ یہ حرف "وصل" یعنی ملانے کی خاطر لایا جاتا ہے، اگر اس کلمے کو اس سے پہلے کسی کلمے سے ملا لیا جاتا ہے تو اسکی ضرورت نہیں رہتی) اور یہ اسماء، افعال اور حروف تینوں میں آتا ہے۔[۲]

اوّل : اسماء میں :

اسماء کی دو قسمیں ہیں: قِیاسِی، سِمَاعِی۔

(۱) **سماعی**: یہ دس اسماء ہیں (جن کے شروع میں ہمزۂ وصلی آتا ہے): اثنان- اثنتان- ابن- ابنة - امرؤ - امرأة - اسم- است - ابنم - ایمن جسکا مختصر "ایم" آتا ہے۔

ان اسماء میں سے شروع کے سات قرآن مجید میں آئے ہیں، باقی تین نہیں آئے،

(بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

"قرأ حفص بتسهيل الهمزة الثانية" (حفص نے دوسرے ہمزے کی تسہیل کے ساتھ پڑھا ہے)۔(طارق)

[۲] مصاحف میں اس الف کے اوپر چھوٹا سا صاد اس طرح (صہ) بنا دیا جاتا ہے۔(مثلاً "بِالْقُرْءَ انِ" اس طرح لکھیں گے)

محمد عبداللہ طارق عرض کرتا ہے کہ یہ طریقہ جو مؤلف محترم نے بیان کیا ہے قرآن مجید کے عرب ممالک کے نسخوں میں پایا جاتا ہے، پاک و ہند کے نسخوں میں یہ الف بالکل خالی ہوتا ہے، اور اسکا ہر حرکت وسکون سے خالی ہونا ہی اسکے وصلی ہونے کی علامت ہے۔ان نسخوں میں "بِـالْـقُـرْاٰنِ" اس طرح لکھا ہوتا ہے، یہ باء کے ساتھ جو الف ہے یہ ہمزہ وصلی ہے۔(طارق)

لیکن لام تعریف والے ہمزہ پر ابتدا کی حالت میں فتحہ آتا ہے جیسے اَلْحَمْدُ اَلْحَاقَّةُ اَلْقَارِعَةُ وغیرہ۔

"اِست" کے معنی میں سُرین، "ابنم" اصلاً "ابن" ہی ہے اس میں میم بڑھادی گئی ہے۔ اور ایمن"[۳] قسم کے معنی میں آتا ہے۔ (کہا جاتا ہے ایمن اللہ، ایم اللہ یعنی اللہ کی قسم)

یہ مذکورہ سات اسماء جو قرآن مجید میں آئے ہیں ان کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱-	اثنان	جیسے: اثنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنكُمْ	(۱۰۶:۵)
۲-	اثنتان	جیسے: اثْنَتَا عَشَرَةَ عَيْنًا	(۶۰:۲)
۳-	ابنَ	جیسے: عِيسىٰ بنَ مَرْيَمَ	(۲۵۳:۲)
۴-	ابنتَ	جیسے: وَ مَرْيَمَ بنتَ عِمْرَانَ	(۱۲:۶۶)
۵-	امْرُؤٌا	جیسے: اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ	(۱۷۶:۴)
۶-	امْرَأَةٌ	جیسے: وَاِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ	(۱۲۸:۴)
۷-	اسم	جیسے: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ	(۸:۷۳)

(۲) قیاسی: اور قیاسی میں (یہ الف) فعل خماسی اور سُداسی کے مصدر میں آتا ہے، فعل خماسی کے مصدر کی مثال جو همزۂ (وصلی) سے شروع ہو رہا ہے یہ ہے: اِبْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللهِ (۲۰۷:۲) میں "اِبْتِغاءَ"۔

اور فعل سداسی کے مصدر کی مثال جو ہمزۂ (وصلی) سے شروع ہو رہا ہے یہ ہے: اِسْتِكْبَارًا فی الأَرْضِ (۴۳:۳۵) میں "اِسْتِكْبَارًا"

دوم: افعال میں:

افعال میں یہ قیاسی ہوتا ہے لیکن صرف خماسی اور سُداسی کے صیغۂ ماضی میں اور، ان دونوں کے صیغۂ امر میں اور ثلاثی کے صیغۂ امر میں آتا ہے، اور مضارع میں بالکل نہیں آتا، نہ ثلاثی اور رباعی کے صیغۂ ماضی میں آتا ہے۔ کیونکہ فعل رُباعی میں جو ہمزہ آتا ہے وہ

---

[۳] سورۂ قصص (۳۰:۲۸) میں جو "الأیمن" آیا ہے، یہ الگ ہے اس کا ہمزہ قطعی ہے۔ (طارق)

ہمزۂ قطعی ہوتا ہے چاہے اس کے ماضی میں آئے یا امر میں یا مصدر میں، جیسے: أَكْرَمَ- أَكْرِمْ- إِكْرَامًا-

(۱) ماضی خماسی، جیسے: وانطلق المَلأُ مِنهُمْ (۳۸:۶) میں "انْطَلَقَ"۔

اور جیسے: اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ (۴۳:۱۶) میں "اتَّخَذَ"۔

(۲) ماضی سُداسی، جیسے: فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (۳:۱۳۵) میں "اسْتَغْفَرُوا"۔

اور جیسے: أَبىٰ وَاسْتَكْبَرَ (۲:۳۴) میں "اسْتَكْبَرَ"۔

(۳) خماسی کا امر جو ہمزہ سے شروع ہوتا ہے، جیسے: انْطَلِقُوْا إِلىٰ ظِلٍّ ذِيْ ثَلَاثِ شُعَبٍ (۷۷:۳۰) میں "انْطَلِقُوْا"۔

اور جیسے: واتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى (۲:۱۲۵) میں "اتَّخِذُوْا"۔

(۴) سُداسی کا امر جو ہمزہ سے شروع ہوتا ہے، جیسے: فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ (۷۱:۱۰) میں "اسْتَغْفِرُوا"۔

اور جیسے: اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ (۸:۲۴) میں "اسْتَجِيْبُوْا"۔

(۵) ثلاثی کا امر جیسے: رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ (۴۴:۱۲) میں "اكْشِفْ"

اور جیسے: اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ (۱۲:۴۲) میں "اذْكُرْنِي"۔

سوم: حروف میں:

حروف میں یہ (ہمزۂ وصلی) لام تعریف کے ساتھ آتا ہے (جسے الف لام بھی کہتے ہیں)[۴] اور یہ قرآن مجید میں ہمیشہ "ال" کی صورت میں ہی آتا ہے، جیسے: الرحمٰن، الرحیم میں، یا جیسے: الحي، الأخِر، الأرض، القراٰن، لام چاہے شمسی ہو یا قمری، اسی طرح یہ (ہمزۂ وصلی) لام زائدہ لازمہ کے ساتھ بھی آتا ہے، جیسے: الذي، الذان، الذين، التي، اللاتي، اللائي، الأن، اليسع- اسی طرح اللہ جل شانہ کے نام "اللہ"

---

[۴] لام کا تفصیلی بیان آٹھویں فصل میں آچکا ہے۔ (طارق)

کے شروع میں بھی یہ ہمزۂ وصلی ہی ہے۔

ہمزہ وصلی کا حکم مذکورہ تمام مثالوں میں:

۱- مذکورہ تمام دس کے دس سماعی اسماء میں اور قیاسی اسماء میں یعنی فعل خماسی و سُداسی کے مصادر میں ہمزۂ وصلی کو کسرہ دیا جائے گا۔[۵]

۲- افعال کے اندر اس کے حکم میں قدرے تفصیل ہے:

(الف) جس فعل کے شروع میں ہمزۂ وصل آرہا ہے (اور اسی کلمے سے ہمیں پڑھنا شروع کرنا ہے) تو اگر اس فعل کا تیسرا حرف ضمہ کازمی کے ساتھ مضموم ہے تو ہمزۂ وصلی کو ضمہ دیا جائے گا، جیسے: اَنِ اشْكُرْلِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ (۳۱:۱۴) میں "اشْكُرْ"۔

(ب) ہمزۂ وصل کو کسرہ دیا جائے گا اگر فعل کا تیسرا حرف مفتوح ہو، جیسے: الَّذِيْ ارْتَضٰى لَهُمْ (۲۴:۵۵) میں "ارْتَضٰى"۔

یا فعل کا تیسرا حرف مکسور ہو تب بھی کسرہ ہی دیا جائے گا، جیسے: اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۱:۶) میں "اهْدِنَا"

یا اس پر ضمۂ عارضی ہوا صلی نہ ہو، جیسے: ثُمَّ اقْضُوْا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ (۱۰:۷۱) میں "اقْضُوْا"۔

اقْضُوْا اور اسکے ساتھ دیگر کلمات پر مزید کلام ابھی آگے آرہا ہے، انشاء اللہ۔

۳- اس کا حکم حروف میں:

لام موصولہ پر جب ھمزۂ وصلی آتا ہے تو اس کو فتحہ دیا جاتا ہے، جیسے: الْمُسْلِمِيْنَ، الْمُؤْمِنِيْنَ- اور یہ (یعنی ہمزۂ وصلی مع لام کے) یا تو زائدہ لازمہ ہوتا ہے

---

[۵] سوائے کلمہ "ایمن" کے اس کو فتحہ دیا جائے گا' اور یہ اسلئے ہے کہ علماء نحو کا اس کے بارے میں اختلاف ہے کچھ لوگ اس کو اسم مانتے ہیں اور کچھ حرف، لیکن صحیح اور راجح بات یہ ہے کہ یہ اسم ہے جیسا کہ مختار الصحاح میں کہا گیا ہے۔

کہ کلمے سے جدا نہیں ہوسکتا جیسے: اللہ، الَّذِیْ، الَّتِي میں، یا زائدہ غیر لازمہ ہوتا ہے جسے لام تعریف بھی کہا جاتا ہے اور لام "ال" بھی کہتے ہیں، جیسے: الأَرْض، البحر میں، اور اللیل، النور میں۔

ہمزۂ وصلی کے متعلق کچھ مزید وضاحتیں:

اوّل: جب فعل کا تیسرا حرف ضمہ لازمی کے ساتھ مضموم ہو تو ہمزۂ وصلی کو ضمہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ لیکن اگر فعل کا تیسرا حرف ضمۂ عارضی۔ یعنی غیر اصلی۔ کے ساتھ مضموم ہو تو ہمزہ وصلی سے ابتداء کسرے سے ہوگی، اور ایسا قرآن مجید میں اِن پانچ افعال میں آیا ہے: اقْضُوْا، امْضُوْا، ابنُوا، ائتُوا، امْشُوْا، یہ پانچ کلمات قرآن مجید میں اِن مقامات پر آئے ہیں:

۱۔ ثُمَّ اقْضُوْا إِلَيَّ وَلاَ تُنظِرُوْنِ (۷۱:۱۰)

۲۔ وَ امْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ (۶۵:۱۵)

۳۔ فَقَالُوْا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا (۲۱:۱۸)

اور قَالُوْا ابْنُوْا لَهُ بُنْيَاناً (۹۷:۳۷)

۴۔ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا (۶۴:۲۰)

اور قَالُوْا ائْتُوْا بِاٰبَائِنَا (۲۵:۴۵)

اور ائْتُوْنِي (۷۹:۱۰)

اور اسی طرح کے کلمات ہیں (۱۲:۵۰-۵۴-۵۹) میں اور (۴:۴۶) میں۔

۵- أنِ امْشُوْا وَ اصْبِرُا عَلىٰ اٰلِهَتِكُمْ (۶:۳۸)

(ان کلمات میں ہمزہ وصلی کو کسرہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ) اِن پانچوں افعال میں جو ضمہ (نظر آرہا ہے) اسکی اصل کسرہ ہی ہے کیونکہ (مثال کے طور پر) "اقضوا" کی اصل "اُقْضِيُوْا" ہے ضاد کے کسرے اور یاء کے ضمے کے ساتھ اور یہی حقیقت بقیہ چاروں

افعال کی ہے کہ ان میں بھی یاء سے پہلے کسرہ ہے اور یاء کے اوپر ضمہ ہے، پھر اس یاء کی حرکت (یعنی ضمہ پہلے حرف) ضاد کو دیدیا گیا، اس طرح ضاد مضموم ہوگیا۔ اور یہی عمل "اُمْضُوا" کے ضاد میں "ائتُوا" کی تاء میں "ابْنُوا" کے نون میں اور "اُمْشُوا" کے شین میں ہوا ہے۔

ان کلمات میں جو یاء کی حرکت ماقبل کو دی گئی یہ عمل اُس ماقبل حرف کی حرکت کو سلب کرنے کے بعد ہوا ہے، پھر جب دو ساکن یکجا ہوگئے (یاء اور واو) تو یاء حذف کردی گئی اسلئے کہ التقاء ساکنین ممنوع ہے، آخر ان کلمات کی وہ شکل بن گئی جو اس وقت موجود ہے: **اقضوا، امضوا، ابنوا، ائتوا، امشوا۔**

اور دلیل اسکی یہ ہے کہ جب تم کسی ایک یا دو (آدمیوں) کو (اِن افعال کا) حکم دو گے (یعنی واحد یا تثنیہ کا صیغہ امر بناؤ گے) تو تم یہ کہو گے:

اِقْضِ، اِقْضِیَا- اِمْضِ، اِمْضِیَا- اِبْنِ، اِبْنِیَا- اِئْتِ، اِئْتِیَا- اِمْشِ، اِمْشِیَا- اسی طرح تم ہر جگہ دیکھو گے کہ عینِ فعل ان تمام افعال میں مکسور ہوتی ہے، بس اس سے یہ سمجھ لو کہ (یہ ضمہ جو نظر آرہا ہے حقیقی نہیں یہ) ضمہ عارضی ہے۔

دوم: ہمزہ وصلی جب ایک ہی کلمے میں ہمزۂ استفہام کے ساتھ جمع ہوجائے گا تو ہمزۂ وصلی حذف ہوجائے گا، اسلئے کہ (وصل کے معنی ہیں ملانا) ہمزۂ وصلی کو لانے کی غرض صرف یہ ہوا کرتی ہے کہ نطق (اور آواز) کو حرفِ ساکن سے تَوَصُّل (یعنی میل) حاصل ہو (کیونکہ ابتداء بالساکن ہو نہیں سکتی) اور یہ غرض اب ہمزہ استفہام کے ذریعہ پوری ہورہی ہے، لہٰذا اب کوئی وجہ ہمزۂ وصلی کو لانے کی موجود نہیں رہی (لہٰذا اس کو حذف کردیا گیا)۔

اور ایسا قرآن مجید میں ان سات افعال میں پایا جاتا ہے (کہ وہاں کلمے میں ہمزۂ وصلی تھا اور اسپر ہمزۂ استفہام آگیا اور اسکی وجہ سے وہ ہمزۂ وصلی حذف کردیا گیا) جیسے:

۱۔ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللهِ عَهْدًا (۲:۸۰) میں "أَتَّخَذْتُمْ"

۲۔ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ (۱۹:۷۸) میں "أَطَّلَعَ"

۳۔ أَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (۳۴:۸) میں "أَفْتَرٰى"

۴۔ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ (۳۷:۱۵۳) میں "أَصْطَفٰى"

۵۔ أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا (۳۸:۶۳) میں "أَتَّخَذْنَاهُمْ"

۶۔ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ (۳۸:۷۵) میں "أَسْتَكْبَرْتَ"

۷۔ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ (۶۳:۶) میں "أَسْتَغْفَرْتَ"

سوم : ہاں جب ہمزۂ استفہام اور ہمزۂ وصلی ایک کلمے میں جمع ہو جائیں اور ہمزۂ وصلی کے بعد لام ساکن آرہا ہو تو اس صورت میں ہمزہ وصلی کا حذف کرنا ممنوع ہے اس لئے کہ اس طرح استفہام کا خبر کے ساتھ التباس واشتباہ ہونے کا اندیشہ ہے۔

(مثلاً قُلْ اٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ کا ترجمہ تو ہوا "آپ کہہ دیجئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دیدی ہے؟"۔ اور اگر ہمزۂ وصلی کو حذف کر کے قل اللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ پڑھا جائے تو ترجمہ یہ ہو جاتا ہے "آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اِجازت دیدی ہے" یعنی یہ استفہام اِنکاری کے بجائے خبر اور اطلاع بن جانے کا اندیشہ ہے جو کہ مراد نہیں بلکہ اس سے مفہوم ہی اُلٹا اور انتہائی غلط ہو جاتا ہے۔)

لیکن (یہ بھی خیال رہے کہ ہمزہ وصلی اگر چہ موجود رہے گا مگر) اسکا نطق وتکلم اور اس کی آواز پوری طرح ہمزہ کی نہیں ہوگی بلکہ اس میں دو شکلوں کی اِجازت ہے:

اوّل : اُس کی تسہیل کر کے اسے ہمزہ اور الف کے درمیان ادا کیا جائے۔

دوم : اُسے حرفِ مد کے طور پر ابدال کر کے (یعنی پوری طرح الف بنا کر) مد اِشباع کیا جائے۔

اور یہ صورت قرآن مجید میں چھ مقامات پر تین کلمات میں پیش آئی ہے:

پہلا کلمہ: آلذَّكَرَيْنِ (۶:۱۴۳-۱۴۴)

دوسرا کلمہ: الْأُنْثَىٰ (۱۰:۵۱-۹۱)

تیسرا کلمہ: اللّٰهُ (۱۰:۵۹)،(۲۷:۵۹)

ان تینوں کلمات میں جو یہ مد آیا ہے یہ "مَدِّ فَرق" کہلاتا ہے۔ اور اس مد کا یہ نام اس لئے ہوا ہے کہ یہ استفہام اور خبر کے درمیان فرق کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اگر مد نہ کیا جائے تو شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ خبر دی جارہی ہے استفہام نہیں ہے۔ اور یہ مد لازماً چھ حرکات کے برابر کھینچا جائے گا اس حالت میں جبکہ ہمزۂ وصلی کو حرفِ مد سے بدل دیا جائے، بطریق طیبہ والشاطبیۃ۔

اور آلـذَّكَـرَيْـنِ کو اور اللّٰہ کو مد کلمی لازم مثقل کے ساتھ ملحق کیا جائے گا، اور آلْـئٰنَ اور آللّٰہ کو مد کلمی لازم مخفف کے ساتھ (اور اِن دونوں مدوں کا بیان نویں فصل میں مدوں کے بیان میں آچکا ہے)۔

یادداشت:

(۱) جب آیت بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ (۴۹:۱۱) میں کسی ضرورت سے یا کسی کا اِمتحان لیتے وقت کلمہ "بِئْسَ" پر وقف کرنا پڑے اور پھر "الاسْمُ" سے ابتداء کرنی ہو تو آپ یہ کرسکتے ہیں کہ ہمزۂ وصلی کو فتحہ دے کر اس طرح پڑھیں "اَلِسْمُ"۔ اور اگر اس کو مابعد سے ملا کر پڑھنا ہے تو یوں پڑھئے "اَلِسْمُلْفُسُوْقُ"۔ یہی طریقہ مقدم اور اولیٰ ہے۔

لیکن آپ کو یہ بھی اختیار ہے کہ ہمزہ وصلی کو چھوڑ ہی دیں اور لام کو کسرہ دے کر اس طرح پڑھیں "لِسْمُ" اور مابعد سے وصل کرنے کی صورت میں اس طرح پڑھیں "لِسْمُلْفُسُوْقُ"۔

(۲) اس فصل کے اختتام پر ہمزۂ وصلی سے متعلق ایک اور بات بھی بتا دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ جب ہمزۂ وصلی کے بعد ہمزۂ قطعی ساکن آجائے۔ جیسے: الـــذي اؤ تُمِنَ اور ائْذَنْ لِّي وغیرہ میں ہے تو حالتِ وصل میں ہمزۂ وصلی حذف ہو جائے گا اور ہمزۂ قطعی ساکن کر کے پڑھا جائے گا۔

لیکن جب کلمہ "اؤْتُمِنَ" یا "ائْذَنْ لِّي" سے ابتداء کریں گے تو ہمزۂ وصلی کو باقی رکھا جائے گا اور حسب ضابطہ اس کو تیسرے حرف کی حرکت کے مطابق حرکت دی جائے گی جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، اور ہمزۂ قطعی ساکن اپنے ماقبل کی حرکت کی جنس کے مطابق حرف مد سے بدل جائے گا، (اور یہ بات معلوم ہی ہے کہ) کسرے کے مناسب حرفِ مد یاء ہے اور ضمے کے مناسب حرفِ مد واو ہے۔ (چنانچہ اس صورت میں اؤْتُمِنَ کو اُوْتُمِنَ — اور "ائْذَنْ لِّي" کو "اِيْذَنْ لِّي" پڑھیں گے۔)

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆☆

☆

سولہویں فصل

مقطوع اور موصول کا بیان

(واضح رہے کہ قرآن مجید کا اپنا ایک مخصوص رسم الخط اور الگ طرز تحریر ہے، عربی زبان کا موجودہ طرز نگارش اور طریقہ تحریر اس سے بہت سی چیزوں میں مختلف ہے، لیکن قرآن مجید کو بالکل اسی طریقے اور اُسی روش میں لکھا جاتا ہے جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مرتب کردہ نسخے میں اور اس سے نقل کراتے ہوئے عثمانی صحیفوں میں لکھا گیا تھا۔

ان عثمانی صحیفوں میں جن کلمات کے حروف الگ کر کے لکھے گئے تھے وہ اسی طرح الگ کر کے لکھے جاتے ہیں اور جو ملا کر لکھے گئے تھے وہ ملا کر ہی لکھے جاتے ہیں، چاہے آواز دونوں کی ایک ہی طرح نکلے، مثلاً "مِن ما مَلَكَتْ اَيمَانُكُمْ" کی آواز اور "مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُوْنَ" کی آواز ایک ہی ہے لیکن پہلی آیت میں "مِنْ" اور "مَا" کو الگ کر کے لکھا جائے گا اور دوسری آیت میں تحریر میں سے نون حذف ہو جائے گا۔ یہ پہلی شکل یعنی الگ الگ لکھنا "مقطوع" کہلاتا ہے اور دوسری شکل یعنی ملا کر لکھنا "موصول" کہلاتا ہے۔

اس بحث کا جاننا قاری کے لئے ضروری ہے تاکہ وہ وقف کے موقع پر وقف کی گزشتہ ہدایات کے علاوہ اس "قطع" اور "وصل" کا بھی خیال رکھ سکے، یہی وجہ ہے کہ

المقدمة الجزرية للامام ابن الجزريؒ۔

هداية القاري للشيخ عبدالفتاح المرصفي۔

العقد الفريد في فن التجويد للشيخ علي بن أحمد صبره۔

دليل الحيران للإمام إبراهيم المارغني التونسي۔

أحكام قراءة القرآن للشيخ محمود الحصريؒ۔

میں اور تجوید و قراءت پر جتنی بھی مفصل کتابیں لکھی گئی ہیں سبھی میں اس بحث کو بہت تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

اس بحث کا جاننا خاص طور پر اُن کاتب حضرات اور مصحح حضرات کے لئے ضروری ہے جو قرآن مجید کی کتابت وتصحیح کرتے ہیں، کہ وہ زبان سے ادا ہونے والے الفاظ کو جس طرح چاہیں صرف تحریر کی شکل دیدینا کافی نہ سمجھیں بلکہ قرآن مجید کے منقول ومتواتر رسم الخط اور اُس کی اپنی مخصوص تحریر کی سختی سے پابندی کریں، قرآن مجید کی حفاظت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی کتابت اور رسم الخط کو بھی اُسی قدیم حالت پر باقی رکھا جائے جو دورِ قدیم اور زمانہ خیر القرون سے آج تک چلی آرہی ہے۔ (محمد عبداللہ طارق)

مقطوع : یعنی (آیت کا) وہ مقام جہاں سے مصاحفِ عثمانی کی تحریر میں[1] یہ میں کلمے کو اسکے مابعد سے کاٹ کر الگ کردیا گیا ہے۔

موصول : وہ مقام جہاں کلمہ اپنے بعد والے کلمے سے ملا کر لکھا جاتا ہے۔

(تحریر ونگارش میں) اصل تو "قَطْع" یعنی علیحدہ لکھنا ہی ہے اور "وصل" (ملا کر لکھنا) اسکی فرع ہے، اس لئے کہ ہر کلمے کا اصل (تقاضا) یہی ہے کہ وہ دیگر کلموں سے الگ کر کے لکھا جائے۔ (اس لئے) قاری کے لئے ضروری ہے کہ وہ مقطوع اور موصول کو بھی جانتا ہو چنانچہ علماء تجوید نے قاری کے اوپر اس بحث کا جاننا بھی لازم کیا ہے تاکہ وہ تعلیم دیتے وقت یا (پڑھنے میں) سانس لیتے وقت یا کسی کا اِمتحان لیتے وقت اور اسی طرح کے دیگر مواقع پر مقامِ قطع سے باخبر رہے اور جب وہ ضرورت پوری ہوجائے تو صحیح طور پر وصل کرسکے۔

اور اس بحث کو جاننے سے مراد یہ ہے کہ آدمی یہ جانتا ہو کہ کلمہ مقطوعہ پر وقف کرنا درست ہوتا ہے اور کلمہ موصولہ پر درست نہیں ہوتا۔ جو کلمہ اپنے مابعد سے مل رہا ہوگا اس پر وقف جائز نہیں ہوگا بلکہ اسکے بعد والے پر جائز ہوگا، اور اگر قطع ووصل میں (قُرّاءِ کرام کا) اختلاف ہو تو اسکی اِجازت ہے کہ دونوں کلموں میں سے چاہے پہلے پر وقف کرلیا جائے یا

---

[1] مصاحف عثمانی سے مراد قرآن مجید کے وہ تحریری مجموعے ہیں جو سیدنا حضرت عثمان بن عفانؓ کے حکم سے حضرت صدیق اکبرؓ کے تیار کردہ نسخے سے نقل کئے گئے تھے (اور حضرت عثمانؓ نے ان کو مختلف علاقوں میں بھجوایا تھا۔ اس کی تفصیل باب اول کی دوسری فصل میں آچکی ہے)

دوسرے پر، آگے ہم اس کو قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں:

(۱) نمبر ایک: "أنْ" کا قطع "لا" سے

"أنْ" جسکا ہمزہ مفتوحہ اور نون ساکن ہوتا ہے وہ "لائے" نفی سے قرآن مجید میں کل دس مقامات پر (لکھنے میں) قطع کیا جائے گا، وہ دس مقامات یہ ہیں:

۱۔ حَقِيْقٌ عَلٰى اَن لاَّ أَقُولَ عَلَى اللهِ اِلاَّ الْحَقَّ (۷:۱۰۵)

۲۔ اَن لاَّ يَقُوْلُوْا عَلَى اللهِ اِلاَّ الْحَقَّ (۷:۱۶۹)

۳۔ اَن لاَّ مَلْجَأَ مِنَ اللهِ اِلاَّ اِلَيْهِ (۹:۱۱۸)

۴۔ وَ اَن لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ (۱۱:۱۴)

۵۔ اَن لاَّ تَعْبُدُوْا اِلاَّ اللهَ (۱۱:۲۶)

۶۔ اَن لاَّ تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا (۲۲:۲۶)

۶۔ اَن لاَّ تَعْبُدُوْا الشَّيْطٰنَ (۳۶:۶۰)

۷۔ وَ اَن لاَّ تَعْلُوا عَلَى اللهِ (۴۴:۱۹)

۹۔ اَن لاَّ يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا (۶۰:۱۲)

۱۰۔ اَن لاَّ يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ (۶۸:۲۴)

ان تمام دس کے دس مقامات پر بلا اختلاف ("ان" کا "لا" سے) قطع ہوگا (یعنی نون کو تحریر میں ظاہر کرنا ہوگا، اِدغام صرف پڑھنے میں اور آواز میں ہوگا)۔

صرف ایک مقام ایسا ہے جہاں قطع یا وصل میں اختلاف ہے اور وہ ہے: اَن لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ (۲۱:۸۷) یہ بعض مصاحف میں وصل کے ساتھ لکھا گیا ہے (یعنی "اَلاَّ") اور بعض میں قطع کے ساتھ (یعنی "اَن لاَّ")[۲]

---

[۲] اور یہ دونوں ہی طریقے درست اور معمول بہ ہیں، البتہ قطع پر عمل کرنا راجح ہے، ابوداود نے "التنزیل" میں اسی کو ترجیح دی ہے، ابن الجزریؒ نے بھی مقدمہ میں اسکے وصل کا ذکر نہیں کیا ہے، اور بیشتر مصاحف میں اسکو جدا کر کے ہی لکھا گیا ہے، خصوصاً خادم حرمین شریفین کے مصحف میں جو کہ اسوقت اہل اسلام کے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اوران مقامات کے علاوہ (جہاں بھی ''اَنْ'' اور ''لائے نافیہ ایک ساتھ آتے ہیں) ہر جگہ وصل کے ساتھ لکھے جائیں گے (یعنی نون لکھنے میں بھی نہیں آئے گا) جیسے: اَلاَّ تَعْبُدُوا اِلاَّ اللّٰہَ (۲:۱۱)اور اَلاَّ یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلاً (۸۹:۲۰)اور اَلاَّ یَسْجُدُوا لِلّٰہِ (۲۵:۲۷) اور اَلاَّ تَعْلُوْا عَلَیَّ (۳۱:۲۷) اور اَلاَّ تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (۳۸:۵۳)

(۲) نمبر دو: ''اِنْ'' شرطیہ کا تعلق ''ما'' مؤکدہ سے۔

''اِنْ'' (شرطیہ) جس کا ہمزہ مکسورہ اور نون ساکن ہوتا ہے یہ صرف ایک مقام پر ''ما'' سے قطع کر کے لکھا گیا ہے، وہ مقام ہے: وَاِن مَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ (۴۰:۱۳)اور اس کے علاوہ جہاں بھی ہے موصول ہے، جیسے: وَ اِمَّا نُرِیَنَّكَ (۴۶:۱۰)و (۴۰:۷۷)اور جیسے: وَ اِمَّا تَخَافَنَّ (۵۸:۸)اور فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا (۲۶:۱۹)

البتہ ''اَمَّا'' جو ہمزۂ مفتوحہ کے ساتھ ہوتا ہے یہ ہر جگہ بلا اختلاف موصولاً لکھا گیا ہے، جیسے: اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْہِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ (۶:۱۴۳-۱۴۴)اور أَمَّا یُشْرِكُوْنَ (۵۹:۲۷)اور اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۸۴:۲۷)۔

(۳) نمبر تین: ''عَنْ'' کا تعلق ''مَا'' سے۔

''عَنْ'' جو حرف جر ہے ''ما'' موصولہ سے قطع کیا جائے گا صرف ایک مقام پر، اور وہ ہے: فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُھُوْا عَنْہُ (۷:۱۶۶)اور اس ایک مقام کے علاوہ ہر جگہ بالاتفاق موصولہ لکھا جائے گا (یعنی ''عَنْ'' کا نون لکھنے میں نہیں آئے گا) جیسے: عَمَّا یَقُوْلُوْنَ (۵:۴۱)اور عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (۲۸:۶۸) اور عَمَّا یَصِفُوْنَ (۳۷:۱۸۰)۔

(۴) نمبر چار: ''مِنْ'' کا تعلق ''ما'' سے۔

''مِنْ'' جو حرفِ جر ہے ''ما'' موصولہ سے دو مقامات پر قطع کیا جائے گا: فَمِن مَّا

(بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

درمیان سب سے زیادہ پھیلا ہوا ہے، اور خاص طور پر اسی آخری بات نے مجھے اسکو ترجیح دینے پر آمادہ کیا ہے۔

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (۲۵:۴) اور مِن مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (۲۸:۳۰)۔

اور ایک مقام یہ ایسا ہے جس میں اختلاف ہے: وَ اَنْفِقُوْا مِن مَّا رَزَقْنَاكُمْ[۳] (۱۰:۶۳)

ان کے علاوہ اور جہاں بھی ہے سب موصول ہے، جیسے: وَ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا (۲:۳، ۲۳) اور مِمَّا خَطِيٰٓتِهِمْ اُغْرِقُوْا (۲۵:۷۱)

(۵) نمبر پانچ: "اَمْ" کا تعلق "مَنْ" سے

"اَمْ" کو "مَنْ" سے ان چار مقامات پر قطع کیا جائے گا:

۱۔ اَم مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلاً (۱۰۹:۴)

۲۔ اَم مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ (۱۰۹:۹)

۳۔ اَم مَّنْ خَلَقْنَا (۱۱:۳۷)

۴۔ اَم مَّن يَّاْتِيْ اٰمِنًا (۴۰:۴۱)

اور ان کے علاوہ جہاں بھی ہے بالاتفاق موصول ہے، جیسے: أَمَّنْ لاَّ يَهِدِّيْ (۳۵:۱۰) اور اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضَ (۶۰:۲۷) اور- اَمَّنْ جَعَلَ الاَرْضَ قَرَارًا (۶۱:۲۷)۔

(۶) نمبر چھ: "أنْ" کا تعلق "لَمْ" سے۔

"أنْ" جس کا ہمزہ مفتوحہ اور نون ساکن ہوتا ہے یہ قرآن مجید میں جہاں بھی کہیں آئے گا "لَمْ" جازمہ سے الگ ہی لکھا جائے، جیسے: ذٰلِكَ اَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى (۱۳۱:۶) اور- اَيَحْسَبُ اَن لَّمْ يَرَهٗ اَحَدٌ (۷:۹۰)[۴]

---

[۳] مصاحف میں قطع پر ہی عمل ہے اور یہی مشہور ہے واللہ اعلم۔

[۴] مراد یہ ہے کہ یہ بات ان دو مذکورہ مقامات تک ہی محدود نہیں، جیسا کہ شیخ محمود خلیل الحصری مرحوم نے اپنی کتاب "أحكام قراءة القرآن الكريم" صفحہ ۲۷۱ میں کتاب "هداية القارئ" صفحہ ۴۲۵، ۴۲۷ کے حوالے سے لکھا ہے۔

البتہ "اِنْ" جسکا ہمزہ مکسورہ اورنون ساکن ہوتا ہے وہ "لَمْ" جازمہ کے ساتھ صرف ایک جگہ موصول ہے، اوروہ ہے: فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ (۱۱:۱۴) اوراسکےعلاوہ جہاں بھی آیا ہے بالاتفاق مقطوع ہے، جیسے: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا (۲:۲۴) اور وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا (۵:۷۳)اور- فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ (۱۲:۶۰)۔

(۷) نمبرسات: "اِنَّ" کاتعلق "ماَ" سے۔

"اِنَّ" جس کا ہمزہ مکسورہ اورنون مشدد ہوتا ہے یہ "ما" موصولہ سے صرف ایک جگہ قطع کیا جاتا ہے بلا اختلاف اوروہ ہے: اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ (۶:۱۳۴) اورایک مقام پراختلاف ہے: اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (۱۶:۹۵)۔

اوران کےعلاوہ جہاں بھی ہے ہرجگہ بلا اختلاف موصول ہے،[۵] جیسے: اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (۴:۱۷۱)اور- اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (۴۹:۱۰)اور- اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ (۷۷:۷)

(۸) نمبرآٹھ: "اَنَّ" کاتعلق "مَا" سے۔

"اَنَّ" جسکا ہمزہ مفتوحہ اورنون مشدد ہوتا ہے یہ "مـا" سے بلا اختلاف دوجگہ قطع ہوتا ہے، وہ جگہیں یہ ہیں: وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبٰطِلُ (۲۲:۶۲)اور- وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبٰطِلُ (۳۱:۳۰)۔

اورایک مقام پراختلاف ہے: وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ (۸:۴۱)اوران کےعلاوہ

---

[۵] مصاحف میں عمل وصل پر ہی ہے اور یہی زیادہ قوی اور زیادہ مشہور رائے ہے، ڈاکٹر شعبان محمد اسماعیل نے کتاب "العقد الفريد في فن التجويد" للشيخ علي بن أحمد صبره رحمه الله کی تحقیق میں اصل مصنف کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سورہ نحل میں جوکلمہ "اِنما" ہے اسکے وصل پر اتفاق ہے۔
مصنف کتاب شیخ اُبو جہاد محمد اُبوالفرج صادق کہتے ہیں کہ میرا یہ مقام تو نہیں ہے کہ میں اپنے شیوخ واساتذہ کے کلام پر ردّ کروں لیکن جس اتفاق کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ مجھے کہیں نہیں ملا۔ (چنانچہ مصنف نے سورہ نحل کے اس مقام کو اختلافی ہی قرار دیا ہے)۔

جہاں بھی کہیں ہے ہر جگہ بلا اختلاف موصولاً ہے، جیسے: فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ (۹۲:۵) اور- اَنَّمَا اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ واحد (۱۱۰:۱۸)۔

(۹) نمبر نو: "حَیْثُ" کا تعلق "مَا" سے۔

"حَیْثُ" کو "مَا" سے قطع کیا جائے گا، ایسی صرف دو جگہیں ہیں، قرآن مجید میں کوئی تیسری جگہ نہیں ہے، اور یہ دونوں سورہ بقرہ میں ہیں: وَ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ (۱۴۴:۲، ۱۵۰)۔

(۱۰) نمبر دس: "کُلّ" کا تعلق "مَا" سے۔

"کُلّ" کو "مَا" سے قطع کیا جائے گا ایک مقام پر بلا اختلاف، اور وہ ہے: وَاٰتَاکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْہُ (۳۴:۱۴)۔

اور چار مقامات ایسے ہیں جہاں قطع اور وصل کے بارے میں اختلاف ہے:

۱۔ کُلَّ مَا رُدُّوْا (۹۱:۴)۔ [۶]

۲۔ کُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّۃٌ (۳۸:۷)۔

۳۔ کُلَّ مَا جَآءَ اُمَّۃً رَسُوْلُھَا کَذَّبُوْہُ (۴۴:۲۳)

۴۔ کُلَّمَا اُلْقِیَ فِیْھَا فَوْجٌ (۸:۶۷)

اور ان کے علاوہ ہر جگہ بلا اختلاف موصول ہے، جیسے: کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْھَا مِنْ ثَمَرَۃٍ (۲۵:۲) اور- کُلَّمَا اَوْ قَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ (۶۴:۵) اور- کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ (۳۷:۳)۔

---

[۶] سورۂ نساء اور مومنون میں عمل قطع پر ہی ہے، جیسا کہ اکثر مصاحف میں ہے، خصوصاً جو مصاحف خادم حرمین شریفین کی طرف سے تقسیم کئے جاتے ہیں، وہی اکثر اہل اسلام کے ہاتھوں میں ہیں اس لئے کہ وہ بسہولت اور مفت دستیاب ہیں۔

(۱۱) نمبر گیارہ: "بِئْسَ" کا تعلق "مَا" سے۔

"بِئْسَ" کو "مَا" سے قرآن مجید میں کل چھ مقامات پر قطع کیا جائے گا:

۱۔ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ (۱۰۲:۲)

۲۔ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ (۱۸۷:۳)

۳۔ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۶۲:۵)

۴۔ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (۶۳:۵)

۵۔ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (۷۹:۵)

۶۔ لَبِئْسَ ما قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ (۸۰:۵)

ان چھ مقامات پر قطعی طور پر ایک ہی رائے ہے کہ یہ قطع کے ساتھ ہیں، اور ایک مقام کے بارے میں اختلاف ہے، اور وہ ہے: قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖ اِيْمَانُكُمْ [۷] (۹۳:۲) اور ان کے علاوہ باقی جو دو جگہ (بِئْسَ اور مَا آئے ہیں وہاں وصل ہے، اور کوئی تیسرا مقام نہیں ہے، اور وہ دو ہیں: بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ (۹۰:۲) اور- بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ بَعْدِيْ (۱۵۰:۷)۔

(۱۲) نمبر بارہ: "فِيْ" کا تعلق "مَا" سے۔

"فِيْ" کو "مَا" سے ایک جگہ بلا اختلاف قطع کیا جائے گا، اور وہ یہ ہے: اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَا اٰمِنِيْنَ (۱۴۶:۲۶) اور یہ دس مقامات وہ ہیں جہاں قطع اور وصل کے بارے میں اختلاف ہے لیکن عمل قطع پر ہی ہے:

۱۔ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ (۲۴۰:۲)

۲۔ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ (۴۸:۵)

---

[۷] اور عمل اسمیں وصل پر ہے، جیسا کہ مصحف میں ہے

۳۔ قُلْ لاَّ اَجِدُ فِيْ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ (۱۴۵:۶)

۴۔ لِيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا اٰتٰكُمْ (۱۶۵:۶)

۵۔ وَ هُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خَالِدُوْنَ (۱۰۲:۲۲)

۶۔ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَا اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۱۴:۲۴)

۷۔ فِيْ مَا رَزَقْنَاكُمْ (۲۸:۳۰)

۸۔ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۳:۳۹)

۹۔ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۴۶:۳۹)

۱۰۔ وَ نُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لاَ تَعْلَمُوْنَ (۶۱:۵۶)

اوران کے علاوہ ہر جگہ بلا اختلاف موصول ہے، جیسے: فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۱۱۳:۲)اور- لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۶۸:۸)اور- فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (۱۹:۱۰)۔

(۱۳) نمبر تیرہ: "اَيْنَ" کا تعلق "مَا" سے۔

قرآن مجید میں جہاں بھی "اَيْنَ" "مَا" کے ساتھ آیا ہے اس کو ہر جگہ قطع کیا جائے گا، جیسے: اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَأْتِ بِكُمُ اللّٰهُ (۱۴۸:۲)صرف دو جگہیں ہیں جہاں بلا اختلاف وصل ہوگا، اور وہ ہیں: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (۱۱۵:۲) اور- اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ (۷۶:۱۶)

اور تین مقامات وہ ہیں جہاں اختلاف ہے، اور وہ ہیں: اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ (۷۸:۴)اور اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ (۹۲:۲۶)اور مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا (۶۱:۳۳)[۸]

---

۸ سورۂ نساء اور احزاب میں عمل وصل پر ہے اور شعراء میں قطع پر، جیسا کہ اکثر مصاحف میں ہے اور یہی اکثر اہل علم کے یہاں مختار و پسندیدہ قول ہے۔ ملاحظہ ہو "دليل الحيران" للإمام إبراهيم المارغني التونسي۔

(۱۴) نمبر چودہ: "اَنْ" کا تعلق "لَنْ" سے۔

"اَنْ" مصدر یہ جسکا ہمزہ مفتوحہ اور نون ساکن ہوتا ہے "لَنْ" ناصبہ سے قطع کیا جائے گا قرآن مجید میں ہر جگہ، جیسے: اَن لَّن یَّنقَلِبَ الرَّسُوْلُ (۱۲:۴۸) صرف دو جگہیں اس سے مستثنیٰ ہیں، وہاں بلا اختلاف وصل ہوگا، اور وہ ہیں: اَلَّن نَّجْعَلَ (۴۸:۱۸) اور- اَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ (۳:۷۵)۔

اور ایک مقام ایسا ہے جہاں اختلاف ہے، اور وہ ہے: عَلِمَ اَن لَّنْ تُحْصُوْهُ (۲۰:۷۳) اور اس میں پسندیدہ قطع کرنا ہے۔

(۱۵) نمبر پندرہ: "کَيْ" کا تعلق "لاَ" سے۔

"کَيْ" مصدر یہ "لاَ" نافیہ سے قرآن مجید میں تین مقامات پر قطع ہوتا ہے:

۱۔ لِكَيْ لاَ يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا (۷۰:۱۶)

۲۔ لِكَيْ لاَ يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ (۳۷:۳۳)

۳۔ كَيْ لاَ يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الاَغْنِيَاء (۷:۵۹)

اور ان کے علاوہ ہر جگہ وصل ہوگا اور یہ چار مقامات ہیں:

۱۔ لِكَيْلاَ تَحْزَنُوْا عَلىٰ مَا فَاتَكُمْ (۱۵۳:۳)

۲۔ لِكَيْلاَ يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا (۵:۲۲)

۳۔ لِكَيْلاَ يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ (۵۰:۳۳)

۴۔ لِكَيْلاَ تَأْسَوْا عَلىٰ مَا فَاتَكُمْ (۲۳:۵۷)

(۱۶) نمبر سولہ: "عَنْ" کا تعلق "مَنْ" سے۔

"عَنْ" جارّہ کو "مَنْ" موصولہ سے قطع کیا جائے گا دو جگہ، اور قرآن مجید میں ان دو مقامات کے علاوہ یہ یکجا آئے ہی نہیں ہیں، وہ دو مقام یہ ہیں: وَ يَصْرِفُهٗ عَن مَّن يَّشَاءُ

(۴۳:۲۴)اور- فَاَعْرِضْ عَن مَّنْ تَوَلّٰی (۲۹:۵۳)

(۱۷) نمبرسترہ:"یَوْمَ" کاتعلق "هُمْ" سے۔

"یَوْمَ" کو"هُمْ" سے قطع کیاجائے گااِن دومقامات پر:

یَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ (۱۶:۴۰)اور- یَوْمَ هُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ۔[9] (۱۳:۵۱)۔

اوران کےعلاوہ جہاں بھی ہےوصل ہوگا،جیسے: یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ (۸۳:۴۳)اور(۴۲:۷۰)اور- یَوْمَهُمُ الَّذِیْ فِیْهِ یُصْعَقُوْنَ [10](۴۵:۵۲)۔

(۱۸) نمبراٹھارہ:"لام" کاتعلق اپنے مابعد سے جیسے "مَالِ" میں ہے۔

لام جوحرف جَر ہے اپنے مجرور سے یعنی اپنے بعدوالے کلمے سے چارمقامات پر قطع کیاجائے گا:

۱۔ فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ	(۷۸:۴)
۲۔ مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ	(۴۹:۱۸)
۳۔ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ	(۷:۲۵)
۴۔ فَمَالِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ	(۳۶:۷۰)

اوران کےعلاوہ ہرجگہ موصول ہے،جیسے: فَمَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ (۳۵:۱۰)اور- مَالَكَ لَا تَاْمَنَّا (۱۱:۱۲) اور- وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی (۱۹:۹۲)۔

(۱۹) نمبرانیس: "لَاتَ" کاتعلق "حِیْنَ" سے۔

"لَاتَ" کی تاء "حِیْنَ" سے جوقرآن مجید میں صرف ایک مقام پرجمع ہوئے

---

[9] اس لئے کہ یہ ان دونوں مقامات پرظرفیہ ہے یعنی اس کا اعراب ظرفیت کی وجہ سے ہے۔

[10] اوروہ اس وجہ سے کہ ان دونوں مقامات پر یہ اسمیہ ہے اور مفعول واقع ہورہا ہے۔

ہیں-قطع ہوگی اور وہ ہے: وَلاَتَ حِيْنَ مَنَاصٍ (۳۸:۳)-اور ایک قول اس میں وصل کا بھی ہے، اسی طریقے پر جس طرح ہائے تنبیہ، یائے نداء، لام تعریف، رُبَّمَا، نِعِمَّا، مَهْمَا، يَومئذ، كأنما، وَيْكَانَ، حينذ اور اِلیاس میں وصل ہوتا ہے۔

البتہ سَلٰمٌ عَلىٰ اِلْ يَاسِيْنَ (۳۷:۱۳۰) میں کلمہ "اِلْ يَاسِيْنَ" کا جہاں تک تعلق ہے تو تمام مصاحفِ عثمانی اس کے قطع پر متفق ہیں، اور کلمہ "اِلْ" کو "يَاسِيْنَ" سے الگ کر کے اس پر وقف کرنا حفص اور ان کے ہمنواؤں کی قراءت کے مطابق-یعنی ہمزہ مکسورہ قصر کے ساتھ [۱] اور لام کے سکون کے ساتھ-ممنوع ہے، اسلئے کہ یہاں اگر چہ یہ (اِلْ) لکھنے میں الگ ہوگیا ہے لیکن لفظاً متصل ہے اور اس پر وقف کرنے کے معاملے میں رسم الخط کی پیروی کرنا بالاتفاق ناجائز ہے۔

البتہ دوسری قرأت جس میں یہ ہمزہ مفتوحہ اور لام مکسور ہے اسکے مطابق اضطراراً (مجبوری میں) یا اختباراً (امتحان کی غرض سے) "يَا سِيْنَ" سے الگ کر کے "ال" پر وقف کرنا جائز ہے، اسلئے کہ یہ اس طرح بذاتِ خود ایک مستقل کلمہ ہوگیا "آل موسی" اور "آل هارون" کی طرح۔

(۲۰) نمبر بیس: "ابن" کا تعلق "أم" سے۔

("ابن" اور اُمّ" ایک ساتھ قرآن مجید میں دو جگہ آئے ہیں، ان میں سے پہلی جگہ) "ابن" قطع کیا جائے گا، اور وہ ہے: قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ (۷:۱۵۰) میں۔اس کے برخلاف دوسری جگہ ان دونوں کو ملا کر "يَبْنَؤُمَّ" لکھا جائے گا، یہ اس آیت میں ہے: قَالَ يَبْنَؤُمَّ لاَ تَأْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلاَ بِرَأْسِيْ (۲۰:۹۴) اس لئے کہ تمام مصاحف لکھنے میں اس کے وصل پر متفق ہیں، لیکن کلمہ "يَبْنَ" پر وقف کرنا درست نہیں ہے۔

ایجاز واختصار کے ساتھ یہ بحث یہاں ختم ہوتی ہے، جو حضرات مزید تفصیل دیکھنا چاہیں انھیں اسے قراءۃ وتجوید کی بنیادی اور مفصل کتابیں دیکھنی چاہئیں۔

---

[۱] یعنی 'ال' بالمد نہیں ہے۔(طارق)

سترہویں فصل

حذف واثبات

حذف کردینا اور اِثبات (یعنی باقی رکھنا) یہ خصوصیت سے تینوں حروفِ مدّہ الف واواور یاء کے ساتھ ہوتا ہے جو قرآن مجید کے بعض کلمات کے کناروں پر واقع ہوتے ہیں۔

اَلف کا بیان:

(۱) الف ثابت ہوگا لکھنے میں بھی، پڑھنے میں بھی، حالت وصل میں بھی اور وقف میں بھی، جیسے: رَبَّنَا وَ اٰتِنَا ما وعدتنا علیٰ رُسُلِكَ (۳:۱۹۴)اور- رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (۷:۲۳)اور- وَمَا اَنْزَلْنَا عَلیٰ عَبْدِنَا(۸:۴۱)

(۲) الف حذف ہوگا لکھنے میں بھی پڑھنے میں بھی، وصل میں بھی وقف میں بھی، جیسے: وَلاَ یَأْبَ كَاتِبٌ اَن یَّكْتُبَ (۲:۲۸۲) (میں "یأبَ" کے ساتھ ہوا ہے، یہ لفظ اصلاً "یابیٰ" ہے جیسا کہ وَیَأْبَی اللّٰہُ اِلاَّ اَن یُّتِمَّ نُوْرَہٗ(۹:۳۲) میں اپنی اصل شکل میں آیا ہے، اسمیں سے الف حذف ہوگیا ہے)۔[1]

یا جیسے: وَلَمْ یَخْشَ اِلاّ اللّٰہَ(۹:۱۸)(اس میں "یَخْشَ" کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے یہ لفظ اصلاً "یَخْشیٰ" ہے، جیسا کہ اِلاَّ تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشیٰ (۲۰:۳) میں آیا ہے، اسمیں سے الف حذف ہوگیا ہے)۔

یا جیسے: وَلاَ تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا (۲۸:۷۷)(میں "تَنْسَ" کے ساتھ

---

[1] اور یہ عربی قواعد کی وجہ سے ہوا ہے، یعنی یہ افعال یہاں چونکہ مجزوم واقع ہورہے ہیں اور جزم کی علامت یہ ہوتی ہے کہ (آخر سے) حرف علت حذف ہوجائے جو یہاں الف ہے، یہ الف یَأبَ، یخشَ اور تَنْسَ کے اخیر میں سے حذف ہوا ہے۔

ہوا ہے، یہ لفظ اصلاً "تَنْسٰی" ہے، جیسا کہ سَنُقْرِئُكَ فَلاَ تَنْسٰی (۸۷:۶) میں آیا ہے، اسمیں سے بھی الف حذف ہو گیا ہے)

اسی طرح الف ان تین کلمات میں سے بھی حذف ہوا ہے: اَیُّـهَ الْمُؤْمِنُوْنَ (۲۴:۳۱) اور- یٰاَیُّـهَ السَّاحِرُ (۴۳:۴۹) اور- اَیُّـهَ الثَّقَلاَنِ (۵۵:۳۱) یہ تینوں کلمات (اصلاً اَیُّهَـا تھے اِن) میں سے الف حذف ہوا ہے (ان پر اگر وقف کرنا پڑے تو) "ہ" کو ساکن کر کے ہی پڑھا جائے گا، الف نہیں لایا جائے گا۔ جیسے: آیُّہ)۔[۲]

(۳) الف ثابت ہوگا لکھنے میں اور حذف ہوگا پڑھنے میں، وصل و وقف دونوں حالتوں میں، جیسے "ثَمُوْدَا" کا الف ان چار مقامات پر: اَلاَ اِنَّ ثَمُوْدَا کفروا رَبَّهُمْ (۱۱:۶۸) اور- وَعَادًا وَّ ثَمُوْدَاْ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ (۲۵:۳۸) اور- وَعَادًا وَّ ثَمُوْدَاْ وَ قَد تَّبَیَّنَ لَكُمْ (۲۹:۳۸) اور- وَ ثَمُوْدَاْ فَمَا اَبْقٰی (۵۳:۵۱)۔

اور قَوَارِیْرَاْ کا الف دوسری جگہ کا یعنی قَوَارِیْرَاْ مِنْ فِضَّةٍ (۷۶:۱۶) اسی طرح قَالُوْا، یَقُوْلُوْا- اور- یَتْلُوْا، کے واو کے بعد جو الف ہوتا ہے اسکا بھی یہی حکم ہے۔

(۴) الف ثابت ہوگا لکھنے میں اور حالتِ وقف میں پڑھنے میں، اور حذف کر دیا جائے گا حالتِ وصل میں پڑھا پڑھنے میں اور اسکی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: التقاء ساکنین کی وجہ سے، جیسے: قلنا احمل فیها (۱۱:۴۰)[۳]

دوسری قسم: کچھ دیگر مخصوص کلمات میں بھی یہ قاعدہ ہے جہاں التقاء ساکنین بھی نہیں پایا جاتا ہے، بلکہ وہاں روایۃً اور نقلاً بعد نقلٍ چونکہ اسی طرح پڑھا جاتا رہا ہے اسلئے ان مقامات پر بھی یہی قاعدہ جاری ہوگا، اور یہ سات الف ہیں۔

---

۲ لیکن کسائیؒ اصل کا اعتبار کرتے ہوئے حالتِ وقف میں الف کو باقی رکھتے ہیں (یعنی حالتِ وقف میں وہ "اَیُّهَا" پڑھتے ہیں)

۳ اس باب کے اخیر میں التقاء ساکنین سے بچنے کے سلسلے کی مزید بحث آرہی ہے۔

سات اِلف:

ان سات مقامات پر الف حالتِ وصل میں حذف ہوجائے گا، اور لکھنے میں اور حالتِ وقف میں (پڑھنے میں) باقی رہے گا، یہ سات مقامات ہیں:

(۱) ضمیر (واحد) متکلم "اَنَا" جہاں بھی کہیں قرآن مجید میں آیا ہے، جیسے: قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ (۲:۲۵۸)

(۲) لٰکِنَّا ھُوَ اللّٰہُ رَبِّیْ (۱۸:۳۸) میں "لٰکِنَا" کا الف۔

(۳) وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا (۳۳:۱۰) میں "الظُّنُوْنَا" کا الف۔

(۴) وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلاَ (۳۳:۶۶) میں "الرَّسُوْلاَ" کا الف۔

(۵) فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلاَ (۳۳:۶۷) میں "السَّبِیْلاَ" کا الف۔

(۶) کَانَتْ قَوَارِیْرَاْ (۷۶:۱۵) میں (پہلے) "قَوَارِیْرَاْ" کا الف۔

(۷) اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْکَافِرِیْنَ سَلَا سِلاْ (۷۶:۴) میں "سَلَا سِلاْ" کا الف۔

اس "سَـــلَا سِلاْ" کے الف میں (حالتِ وقف میں) حفصؒ کے نزدیک دو شکلیں جائز ہیں: (۱) آخری الف کو باقی رکھنا۔ (۲) الف کو حذف کرکے اور لام کو ساکن کرکے اسپر وقف کرنا۔ (یعنی "سَلاَسِلْ" پڑھنا)۔

البتہ وصل کی حالت میں حفصؒ کے نزدیک الف حذف ہی ہوگا، اسمیں کوئی دوسرا قول نہیں۔[۴]

(۵) الف ثابت ہوگا لکھنے میں اور حالتِ وقف میں پڑھنے میں، اور یہ پڑھنے میں حالت وصل میں تنوین ہے۔

---

[۴] اوران ساتوں الفوں پر قرآن مجید میں ایک لمبوترا کھڑا صفر بنا ہوتا ہے اسطرح (٥) البتہ "سَلاَسِلاْ" کے دوسرے الف پر ایک بند منھ کا جزم بنا ہوا ہوتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ یہ الف وصل اور وقف دونوں حالتوں حذف ہوگا، اسی پر عمل جاری ہے۔

☆ یہ "اِذًا" کا الف ہوتا ہے جہاں بھی کہیں آئے، جیسے: اِذًا لاَّ رْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (۴۸:۲۹)۔

☆ اسی طرح جو الف کسی اسم منصوب میں تنوین کے بدل کے طور پر آتا ہے جیسے: عَلِیْمًا، حَکِیْمًا، تَقِیًّا میں ہے۔ اور اِهْبِطُوْا مِصْرًا (۶۱:۲) میں "مِصْرًا" کا الف۔

☆ اسی طرح وَلَیَکُوْنًا مِنَ الصَّاغِرِیْنَ (۳۲:۱۲) میں "وَ لَیَکُوْنًا" کا الف، اور لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَةِ (۱۵:۹۶) میں "لَنَسْفَعًا" کا الف۔

واو کا بیان :

(۱) واو ثابت ہوگا لکھنے میں اور پڑھنے میں، حالتِ وقف و وصل دونوں میں، جیسے: وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَیْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللهِ (۲۱:۴۱) اور- وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ (۴۵:۲) اور- اعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (۸:۵)

(۲) حذف ہوگا، لکھنے میں بھی پڑھنے میں بھی، وقف و وصل دونوں حالتوں میں، اور یہ قاعدہ چار افعال اور ایک اسم میں جاری ہوگا:

۱۔ وَیَدْعُ الاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَائَهٗ بِالْخَیْرِ (۱۱:۱۷) میں فعل یَدْعُ" (یہاں عین کے بعد ایک واو تھا اور یہ اصلاً "یَدْعُوْا" ہے جیسا کہ یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ (۱۲:۲۲) میں آیا ہے، اس کے اخیر میں واو حذف ہوگیا ہے)۔

۲۔ وَیَمْحُ اللهُ الْبَاطِلَ (۲۴:۴۲) میں فعلِ "یَمْحُ"۔ (یہ بھی اصلاً "یَمْحُوْا" ہے، جیسا کہ یَمْحُوا اللهُ مَایَشَاءُ وَ یُثْبِتُ (۳۹:۱۳) میں آیا ہے، اس کے اخیر سے بھی واو حذف ہوگیا ہے، یہی حال اُن دونوں افعال کا بھی ہے جو آگے نمبر ۳ اور ۴ میں آرہے ہیں)۔

۳۔ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُكُرٍ (۵۴:۶) میں فعل "يَدْعُ"۔

۴۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (۹۶:۱۸) میں فعل "سَنَدْعُ"۔

۵۔ وَ صٰلِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ (۶۶:۴) میں اسم "صٰلِحُ" (یہاں بھی حاء کے بعد ایک واو تھا اور اصلاً یہ کلمہ "صٰلِحُوْا" تھا،[۵] اسکے اخیر سے واو حذف ہوگیا ہے)

(۳) ثابت ہوگا لکھنے میں اور حالتِ وقف میں، اور حذف ہوگا پڑھنے میں حالت وصل میں، اور یہ التقاء ساکنین سے بچنے کی خاطر ہے، جیسے: كَاشِفُوْا الْعَذَابِ (۴۴:۱۵) (یہاں اگر پڑھنے میں اس کو باقی رکھا جائے تو واو بھی ساکن ہے اور لام بھی، اور دو ساکنوں کا جمع ہونا ممنوع ہے اسلئے پڑھنے میں حالت وصل میں واو حذف کر دیا گیا ہے۔)

یاء کا بیان:

(۱) یاء ثابت ہوگی لکھنے میں بھی پڑھنے میں بھی، حالت وصل میں بھی وقف میں بھی، اسوقت جبکہ اسکے بعد والا حرف متحرک ہو، جیسے: تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (۱۲:۱۰۱) اور- فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۳:۳۱) اور- هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ (۱۲:۱۰۸) وغیرہ میں۔

(۲) ثابت ہوگی لکھنے میں اور حالتِ وقف میں اور حذف ہوجائے گی حالتِ وصل میں پڑھنے میں، اور یہ (حذف کرنا) التقاء ساکنین سے بچنے کی خاطر ہے، جیسے: يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ (۲:۲۶۹) میں کلمہ "يُؤْتِيْ" (اس کو پڑھتے وقت حالتِ وصل میں "ت" کو براہِ راست لام سے ملا دیا جائے گا اسلئے کہ یہاں یاء

---

[۵] یہ بات اس صورت میں ہے کہ اس لفظ "صٰلِحُ" کو یہاں جمع تسلیم کیا جائے جیسا کہ بہت سے مفسرین کی رائے ہے، لیکن ایک دوسری رائے مفسرین کی یہ بھی ہے کہ یہ کلمہ واحد ہے جو جمع کا مفہوم دے رہا ہے، جیسے کہا جاتا ہے لایفعل هذا الصالح من الناس" (اچھے لوگ یہ کام نہیں کیا کرتے) اس مثال میں "صالح" سے جنس مراد ہے، آیت کی تفسیر میں مزید اقوال بھی ہیں، ملاحظہ ہو تفسیر نسفي ۲/ ۲۷۰ و دیگر کتبِ تفسیر۔

بھی ساکن ہے اور لام بھی، دو ساکن جمع ہو گئے، اسلئے یاء کو پڑھنے میں حذف کر دیا گیا)۔

(۳) حذف ہوگی لکھنے میں بھی پڑھنے میں بھی، حالتِ وصل میں بھی وقف میں بھی، جیسے : وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ (۲:۶۵) میں کلمہ "يَتَّقِ" (اسلئے کہ یہ کلمہ اصلاً "يَتَّقِيْ" ہے جیسا کہ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ (۳۹:۲۴) میں آیا ہے، اسمیں سے یاء حذف کر دی گئی ہے، جو ہر حال میں حذف ہی رہتی ہے)

یہی حال وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ (۴:۱۰۲) میں کلمہ "وَ لْتَأْتِ" کا، اور- وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ (۱۷:۲۶) میں کلمہ "اٰتِ" کا، اور- ذَا الْأَيْدِ اِنَّهٗ اَوَّاب (۳۸:۱۷) میں "الْأَيْدِ" کا ہے، (یہاں بھی دال کے بعد یاء تھی جو حذف ہوئی ہے، اصلاً یہ کلمہ "الأيدي" تھا، چنانچہ اسی سورت میں دوسری جگہ یہ کلمہ اپنی مکمل شکل میں آیا ہے: اُولِي الْأَيْدِيْ وَالْأَبْصَار (۳۸:۴۵))۔

علماءِ (قراءت وتجوید) نے قرآن مجید میں ایسے تمام کلمات کو تلاش کیا ہے جہاں یاءِ حرفِ ساکن کے ساتھ جمع ہوئی اور حذف ہوگئی ہے اور وہ پھر لکھنے میں، پڑھنے میں حالتِ وصل میں اور وقف میں ہر طرح حذف ہی رہتی ہے، یہ تمام کلمات سترہ ہیں جو سترہ ہی مقامات پر آئے ہیں:

۱۔ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ (۴:۱۴۶) میں "يُؤْتِ"۔

۲۔ فَلَا تَخْشَوا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ (۵:۴۴) میں "وَ اخْشَوْنِ"۔

۳۔ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۰:۱۰۳) "نُنْجِ"۔

۴۔ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ (۲۰:۱۲) میں "بِالْوَادِ"۔

۵۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (۲۲:۵۴) میں "لَهَادِ"۔

۶۔ عَلٰى وَادِ النَّمْلِ (۲۷:۱۸) میں "وَادِ"۔

۷۔ الْوَادِ الْأَيْمَنِ (۲۸:۳۰) میں "الْوَادِ"۔

۸۔ بِهَادِ الْعُمْيِ (۳۰:۵۳) میں "بِهَادِ"۔

۹۔ اِن يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ (۳۶:۲۳) میں "يُرِدْنِ"۔

۱۰۔ صَالِ الْجَحِيْمِ (۳۷:۱۶۳) میں "صَالِ"۔

۱۱۔ قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (۳۹:۱۰) میں "عِبَادِ"۔

۱۲۔ فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ (۳۹:۱۷) میں "عِبَادِ"۔

۱۳۔ يُنَادِ الْمُنَادِ (۵۰:۴۱) میں "يُنَادِ"۔

۱۴۔ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ (۵۴:۵) میں "تُغْنِ"۔

۱۵۔ وَلَهُ الْجَوَارِ (۵۵:۲۴) میں "الجَوَارِ"۔

۱۶۔ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ (۷۹:۱۶) میں "بِالْوَادِ"۔

۱۷۔ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ (۸۱:۱۶) میں "الْجَوَارِ"۔

البتہ فَمَا اٰتٰنِ يَ اللّٰهُ (۲۷:۳۶) میں "اٰتٰنِ يَ" کی "یاء" کے متعلق حفصؒ کے نزدیک حالتِ وقف میں دو شکلیں ہیں:

☆ یاء کا اثبات ساکن کر کے۔

☆ نون پر وقف کر کے یاء کا حذف۔

ان کے نزدیک اس کلمے میں حالتِ وصل میں بس اک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ یاء کو باقی رکھا جائے اور اسکو فتحہ دیا جائے۔

تتمہ: اور اسی پر اس فصل کو ختم کیا جاتا ہے۔

اِلْتِقَاءِ ساكِنَيْن سے بچنے کا طریقہ:

اس کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں ہمزۂ وصلی سے پہلے کوئی ساکن حرف آجاتا ہے، اس موقع پر تین طریقے اختیار کئے جاتے ہیں:

(۱) (اُس حرف کو) حذف کر دینا۔ (۲) حرکت دے دینا۔ (۳) بدل ڈالنا۔

کیونکہ یہ طے ہے کہ ہر ہمزۂ وصلی کے بعد کوئی نہ کوئی ساکن حرف ہوگا، اب اگر اس سے پہلے بھی ساکن حرف ہی آ گیا تو ان تین کاموں میں سے کوئی نہ کوئی ساعمل کرنا ضروری ہو جائے گا تا کہ ساکنین کے ثقل سے بچا جا سکے۔

پہلا طریقہ حذف کر دینا:

یہ کل حروفِ ھجائی میں سے صرف تین حروف میں ہوتا ہے اور وہ ہیں: **الف، واو، یاء**۔ جو کہ بعض کلمات کے اخیر میں آتے ہیں، اور یہ حذف اِلتقاءِ ساکنین کی صورت میں وصل میں ہوگا وقف میں نہیں۔

اَلف کی مثالیں : جیسے: قُلْنَا احْمِلْ (۱۱:۴۰) میں "قُلْنَا" اور- **قالا الحمد لله** (۱۵:۲۷) میں "قَالَا" اور- كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ (۱۸:۳۳) میں "كِلْتَا" (ان کلمات کے اخیر کا الف پڑھنے میں حالتِ وصل میں گر جائے گا اور اگر ان کلمات پر وقف کیا جائے تو حرف مدّہ کو پڑھا جائے گا)۔

واو کی مثالیں : جیسے: يَمْحُوا اللّٰهُ (۱۳:۳۹) میں "يَمْحُوْا"۔ اور- جَابُوْا الصَّخْرَ (۸۹:۹) میں "جَابُوْا" اور- مُرْسِلُوْا النَّاقَةِ (۵۴:۲۷) میں "مُرْسِلُوْا" (ان کلمات کے اخیر کا واو پڑھنے میں حالت وصل میں گر جائے گا حالتِ وقف میں ثابت رہے گا۔)

یاء کی مثالیں : جیسے: وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ (۲:۷۱) میں "تَسْقِي" اور – حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (۲:۱۹۶) میں "حَاضِرِي" اور- غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ (۵:۱) میں "مُحِلِّي" (ان کلمات کی یاء پڑھنے میں حالت وصل میں حذف ہو جائے گی، حالت وقف میں ثابت رہے گی، مثلاً اس آخری کلمے کو لے لیجئے اس میں "مُحِلِّي" کے لام کے بعد یاء ساکن ہے، اس کے بعد لام ہے وہ بھی ساکن ہے اور اسکا ادغام صاد میں ہو گیا، لہٰذا پڑھنے میں اب نہ ی رہی اور نہ الصید کا الف لام رہا، ہ "مُحِلِّيْلُ" ہو گیا،

یعنی دو ساکن جمع ہو گئے یْ اور لْ اسلئے یْ کو حذف کر دیا گیا اور ص شمسی حرف ہے اس پر لام آ گیا ہے اس لئے پڑھنے کی شکل یہ بن گئی "مُحِلِّصَّیْدِ"۔ ہم نے یہ شکل صرف سمجھانے کے لئے لکھ دی ہے، ورنہ یہ نہ لکھنے کا طریقہ ہے اور نہ حالتِ وقف میں پڑھنے میں یہ طریقہ ہوگا۔)

دوسرا طریقہ حرکت دے دینا:

یعنی کلمے کے اخیر میں اگر ساکن حرف آ رہا ہے اور اسکے بعد والے کلمے کا پہلا حرف بھی ساکن ہے تو پہلے کلمے کے آخری حرف کو حرکت دیدی جاتی ہے۔

کسرہ کی حرکت: یہ حرکت عموماً کسرے کی ہوتی ہے[۶]، جیسے قَالَتِ الْاَعْرَابُ (۴۹:۱۴) میں "قَالَتْ" اور- قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ (۴:۱۲۷) میں "قُلْ" اور- اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ (۴:۱۳۱) میں "اَنْ" (ان تینوں کلمات میں آخری حرف اصلاً ساکن ہے اس کو کسرے کی حرکت التقاءِ ساکنین سے بچنے کی خاطر دی گئی ہے)۔

ضمہ کی حرکت: (التقاءِ ساکنین سے بچنے کے لئے کلمے کے آخری حرف کو کبھی ضمہ بھی دیا جاتا ہے) اور یہ دو صورتوں میں ہوتا ہے:

(۱) پہلی صورت، جب وہ (پہلا کلمہ جسکو اگلے کلمے سے ملانا ہے اس کا) آخری حرف جمع کا میم (یعنی هُمْ یا كُمْ کا میم) جیسے: وَ یُلْقُوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ (۴:۹۱) میں "اِلَیْكُمْ" اور- وَ اِذَ اقِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوا (۳۶:۴۵) میں "لَهُمْ" اور- وَ سَخَّرَ لَكُمُ اللَّیْلَ وَ النَّهَارَ (۱۴:۳۳) میں "لَكُمْ"۔

(۲) دوسری صورت واولین میں، جیسے: اَلَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی (۲:۱۶) میں "اشْتَرَوُا" اور- فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (۶۲:۶) میں "فَتَمَنَّوُا" اور- وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ (۴:۴۲) میں "عَصَوُا"۔

---

۶ عام قاعدہ یہی ہے کہ حرفِ ساکن کو جب کسی ضرورت سے حرکت دی جاتی ہے تو وہ کسرے ہی کی دی جاتی ہے، لیکن اسمیں استثناء بھی ہے جیسے هُمْ، كُمْ کا میم مِنْ کا نون، اسکا قاعدہ آئندہ سطروں میں آ رہا ہے۔ (طارق)

فتحہ کی حرکت: حرفِ ساکن کو فتحہ کی حرکت تین مواقع پر دی جاتی ہے:

(۱) "مِنْ" جو حرفِ جر ہے یہ قرآن مجید میں جہاں بھی آئے گا اور اسکے بعد والے کلمے کا پہلا حرف ساکن ہوگا تو ملانے کی شکل میں اس کے نون کو فتحہ دیا جائے گا جیسے: مِنْ الْخَيْرِ (۷:۱۸۸) اور مِنَ الشَّاكِرِيْنَ (۶:۶۳) اور مِنَ الْعَالَمِيْنَ (۳۸:۷۵)

(۲) سورہ ال عمران کے شروع میں الٓمّٓ اللّٰهُ (۳:۱،۲) اور یہ حالتِ وصل میں ہوگا، یعنی آپ اس کو یوں پڑھیں گے "مِيْمَ اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ" (یعنی حرف "میم" کا دوسرا میم جو ساکن ہے اور وقف کرتے تو ساکن ہی رہتا وصل کرنے کی صورت میں اس کو فتحہ دیا جائے گا)۔[۷]

(۳) (فعل ماضی کی) تاء تانیث (جو کہ ہمیشہ ساکن ہوتی ہے) اس کے ساتھ جب تثنیہ کا الف بڑھایا جائے گا تو اس وقت اس کو بھی فتحہ دیا جائے گا، جیسے: كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ (۶۶:۱۰) (میں "كَانَتَا" ہے، یہ اصل "كَانَتْ" تھا اسمیں تثنیہ کا الف لگایا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تاء تانیث سکون پر مبنی ہے اور تثنیہ کا الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور الف (کا ہم جنس فتحہ ہی ہے اسلئے اس) سے پہلے علاوہ حرف مفتوح کے کچھ آنہیں سکتا لہٰذا التقاء ساکنین سے بچنے کے لئے کوئی اور حرکت دینے کے بجائے فتحہ دیا گیا ہے۔

تیسرا طریقہ بدل ڈالنا:

(التقاء ساکنین سے بچنے کے تین طریقوں میں سے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ (اسے

---

[۷] (جیسا کہ اوپر ابھی بیان ہوا تھا اور اس سے پہلے بھی یہ ذکر آچکا ہے کہ ساکن) حرف کو جب بھی کسی ضرورت سے حرکت دی جاتی ہے تو اصل قاعدہ اسے کسرہ دینے ہی کا ہے لیکن یہاں التقاء ساکنین سے بچنے کے لئے (کسرے کے بجائے) فتحہ کو اس لئے ترجیح دی گئی ہے کہ فتحہ کی صورت میں ہی کلمہ "اللّٰہ" کو پُر کیا جاسکتا ہے جو معنوی عظمت و فخامت کے مطابق ہے، (اسکا ذکر نویں فصل میں مدوں کے بیان میں بھی آچکا ہے) اور بعض حضرات نے فتحہ دینے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ حرف ساکن سے قبل کسرۂ اصلی آگیا اور کسرۂ عارضی کسرۂ اصلی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا اسلئے ساکن کو (عام قاعدے کے برخلاف (کسرے کے بجائے) فتحہ کی حرکت دی گئی ہے۔

بدل ڈالا جائے (اور یہ تنوین میں ہوتا ہے) یعنی تمام حرکات کی تنوین کو نونِ مکسور بنا دیا جائے، جیسے: اَحَدٌ (۱:۱۱۲) کے ساتھ وصل کی حالت میں کیا جاتا ہے، یعنی (دال کی تنوین کو نون بنا کر اسے کسرہ دیدیا جائے گا اور دال پر صرف ایک پیش رہنے دیا جائے گا، یعنی) اسے یوں پڑھا جائے گا "اَحَدُنِ اللّٰہ"، اسی طرح عَادًا الْاُوْلٰی (۵۰:۵۳) کو حالتِ وصل میں اس طرح پڑھیں گے: عَادَ نِ الْاُولٰی، (اسی طرح کلمۂ "یَوْمَئِذٍ" (۳۰:۷۵) کو اسطرح پڑھیں گے: "یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاق" (چنانچہ پاک وہند کے نسخوں میں ایسے مقامات پر ایک چھوٹا سا نون بنا دیا جاتا ہے تا کہ عام قاری جو قواعد سے واقف نہیں اس کو سہولت ہو، اس نون کو نونِ قُطبی بھی کہتے ہیں)۔

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆☆

☆

تکملہ

تلاوتِ قرآن مجید سے متعلق چند ضروری مباحث

(۱) پہلی بحث سجدۂ تلاوت:

یعنی ان آیات کو پڑھنے کے بعد یا سننے کے بعد سجدہ کرنا جہاں یہ ثابت ہے کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سجدہ کرتے تھے۔

سجدۂ تلاوت کا ثبوت:

اللہ تعالیٰ نے سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت کی ہے، فرمایا ہے: وَ إِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لاَ يَسْجُدُوْنَ (۲۱:۸۴) ''اور جب اِن کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو یہ لوگ سجدہ نہیں کرتے۔''

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں متعدد احادیث ثابت ہیں ہم ان میں سے صرف ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے (قرآن مجید کی) سورت پڑھتے فَيَقْرَأُ السَّجْدَةَ، فَيَسْجُدُ وَ نَسْجُدُ مَعَهُ، حَتّٰى مَا يَجِدُ اَحَدُنَا مَكَانًا لِمَوْضِعِ جَبْهَتِهٖ[1] ''آپ سجدے کی آیت پڑھتے پھر سجدہ کرتے، ہم بھی سب سجدہ کرتے تھے اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی تھی کہ ہم میں سے بعض لوگوں کو پیشانی ٹکانے کی جگہ بھی نہیں ملتی تھی''۔

---

[1] بخاري، أبواب سجود القرآن، باب ازدحام الناس، ومسلم، كتاب المساجد باب سجود التلاوة۔ (و روى نحوه الطبراني في الكبير عن مخرمة بن نوفل كما في مجمع الزوائد ۲/۲۸۴)

اس کا حکم:

اس سجدے کے متعلق اس بات پر تو علماء کا اتفاق ہے کہ یہ حکم شرعی ہے،[۲] لیکن اس بات میں رائیں مختلف ہیں کہ یہ سنت ہے یا واجب؟ جمہور علماء کا کہنا یہ ہے کہ یہ پڑھنے والے کے لئے بھی سنت ہے اور سننے والے کے لئے بھی، اور انکی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے جمعہ کے دن منبر پر سورۂ نمل پڑھی، جب سجدے کی آیت آئی تو حضرت عمر بن الخطابؓ (منبر سے اُترے اور سجدہ کیا اور تمام لوگوں نے سجدہ کیا، پھر جب اگلا جمعہ آیا تو حضرت عمرؓ نے پھر یہی سورت پڑھی اور جب آیت سجدہ پر پہنچے تو حضرت عمرؓ) نے فرمایا:

''لوگو! ہم لوگ سجدے کی آیت سے گزر رہے ہیں، جس شخص نے سجدہ کرلیا اس نے بہتر کیا اور جس نے نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے''۔

(اور اِس دفعہ حضرت عمرؓ نے خود سجدہ نہیں کیا)

چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا یہی مسلک ہے اور یہی مسلک حضرات مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے، (اور دلیل انکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا ہے: فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ (۸۴:۲۰-۲۱) ''آخر اِن لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے، اور جب انکے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو یہ سجدہ نہیں کرتے'' یہاں اللہ تعالیٰ نے تلاوت کے وقت سجدہ نہ کرنے کو مذمت کے ساتھ بیان فرمایا ہے) امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاوی میں کہا ہے کہ ''میرے سامنے جہاں تک (دلائل سے) ظاہر ہوتا ہے یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے''۔

---

۲ امام نوویؒ لکھتے ہیں علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ سجدۂ تلاوت کیا جائے، اختلاف اسکے درجۂ تاکید میں ہے۔ دیکھئے التبیان ص ۷۷ (طارق) (۳) التبیان للنووي ص ۷۸ (طارق)

اس کی شرطیں:

چاروں مذاہبِ فقہ اس بات پر متفق ہیں کہ سجدۂ تلاوت کے درست ہونے کے لئے بدن کا کپڑوں کا جگہ کا پاک ہونا، باوضو ہونا، نیت کرنا، قبلہ کا رُخ ہونا، جسم کا ضروری حصہ چھپا ہوا ہونا یہ سب چیزیں ضروری ہیں، اور جو چیزیں نماز کو توڑ دیتی ہیں ان تمام چیزوں سے سجدۂ تلاوت بھی باطل ہو جاتا ہے۔

اس کی کیفیت:

یہ صرف ایک سجدہ ہوتا ہے دو تکبیروں کے درمیان [۳] (یعنی سجدے میں جاتے وقت بھی "اللہ اکبر" کہیں اور سجدے سے اٹھتے وقت بھی) اور مستحب یہ ہے کہ قیام بھی ہو، اور آدمی کھڑے [۴] سے سجدے میں جائے (تاکہ عظمت خداوندی کے سامنے عبد کی عبدیت کا پورا نقشہ کھنچ جائے، قرآن مجید میں انبیاء کرام کی اور اللہ کے مقبول بندوں کی شان یہی بیان کی گئی ہے کہ ان کے سامنے جب اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا (۱۹:۵۸) "وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں، اسی طرح سورۂ سجدہ (۳۲:۱۵) میں فرمایا گیا ہے، اسی طرح حضرت داود علیہ السلام کے متعلق بھی (۳۸:۲۴) میں یہی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "جب تیرے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اسے "ریزہ ریزہ کر ڈالا وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے" (۷:۱۴۳) اور ہر جگہ "خَرَّ" کا ہی لفظ آیا ہے۔

(خَرَّ عربی زبان میں دراصل کسی چیز کے "آواز کے ساتھ اوپر سے نیچے گرنے" کے لئے ہی بولا جاتا ہے، چنانچہ پانی جب چشمے وغیرہ سے آواز سے نیچے گرے یا ہوا

---

[۳] یہ حنفیہ کا مسلک ہے، شوافع یہ اضافہ کرتے ہیں کہ نماز سے باہر تلاوت کرنے والا سجدہ کرے تو سجدے سے اٹھنے کے بعد جلسہ بھی کرے (یعنی جس طرح نماز کے دو سجدوں کے درمیان ذرا سا بیٹھنا ہوتا ہے اسی طرح بیٹھے بھی) اور اس کے بعد سلام بھی پھیرے، اور نماز میں سجدے کی آیت آئے تو بس سجدے میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت تکبیر کہے جلسہ اور سلام نہیں۔

[۴] تاکہ گرنے کا پورا مفہوم پایا جائے، یہی حضرت عائشہؓ سے منقول ہے اور اصحاب شافعیؒ و احمد وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں، ملاحظہ ہو مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ ۲۳/ ۱۷۳۔

سنسناہٹ کے ساتھ چلے تو اسوقت یہ لفظ بولتے ہیں۔ خرَّ الماءُ والریحُ والبناء، خَرّاً وَّ خُرُوْرًا: سقط مِن عُلو اِلیٰ سُفلٍ بصوتٍ۔)

(لہٰذا خَرَّ کی پوری معنویت حاصل کرنے اور عاجزی وپستی کے مکمل اظہار کے لئے بہتر یہی ہے کہ سجدے سے قبل آدمی کھڑا ہوجائے اور پھر تکبیر کہتا ہوا سجدے میں جائے۔ واللہ اعلم)

اسی طرح اس سجدے میں (نماز کے سجدے ہی کی طرح) سجدے کی تسبیح بھی پڑھی جائے، نماز میں تو اسی پر اِکتفاء کرے، نماز سے باہر اگر سجدۂ تلاوت کرے تو ذیل کی منقولہ دعاؤں میں سے (یا ان کے علاوہ بھی جو جی چاہے) دعاء کرلے۔

(۱) مثلاً یہ دعاء پڑھے (جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدۂ تلاوت میں پڑھتے تھے): سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ، وَ صَوَّرَهٗ وَ شَقَّ سَمْعَهٗ وَ بَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَ قُوَّتِهٖ، فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الخَالِقِيْنَ[۵]۔ ''سجدہ کیا میرے چہرے نے (اور جھک گئی میری پیشانی) اس ذات گرامی کے لئے جس نے اسے پیدا کیا، اس کی تصویر کشی کی، اسکے کان بنائے، اسکی آنکھیں بنائیں صرف اپنی ہی قوت وطاقت سے، بس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو تمام کاریگروں اور ہنرمندوں سے اچھا کاریگر اور اعلیٰ درجے کا ہنرمند ہے۔''

(۲) یا یہ دعاء پڑھے: اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ عِنْدَكَ بِهَا اَجْرًا، وَضَعَ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا، وَ اجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا، وَ تَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ عليه السلام۔[۶]

''اے اللہ! اس سجدے کا اَجر تو میرے لئے اپنے پاس لکھ لے، اور اس کے

---

۵ یہ دعاء ترمذی، ابوداود، نسائی نے حضرت عائشہؓ کے حوالے سے روایت کی ہے، صرف فتبارک اللہ آخر تک مستدرک حاکم ۱/۲۲۰ سے ماخوذ ہے، حاکم اور ذھبی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ (طارق)

۶ رواه الترمذي و ابن حبان في صحيه والحاكم في المستدرك ۱/۲۰۲، عن ابن عباسؓ و صححه و وافقه الذهبي ورواه بمعناه أبو يعلىٰ والطبراني عن أبي سعيد الخدري و هو حديث حسن۔ لیکن امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ دوسری دعاء سورۂ ص کے سجدے کے لئے مخصوص ہے، واللہ اعلم (طارق)

ذریعے میرے گناہ بخشدے، اور اسے میرے لئے اپنے پاس ذخیرہ بنا کر رکھ لے، اور میری طرف سے بھی اِسے اُسی طرح (اپنے کرم سے) قبول فرمالے جس طرح تو نے اپنے بندے داود علیہ السلام کا سجدہ قبول فرمایا تھا۔''

(۳) سجدۂ تلاوت میں مشہور تابعی سعید بن ابی عروبہؒ سے اور امام شافعیؒ سے ایک اور دعاء بھی منقول ہے: سُبْحَانَ رَبِّنَا اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلاً ''پاک ہے ہمارا رب، اسکا وعدہ تو لازماً پورا ہونا ہی ہے''۔

یہ دعاء دراصل قرآن مجید کی ہی آیت ہے ماخوذ ہے اور اسکا سجدۂ تلاوت میں پڑھنا چاہے کسی ارشادِ نبوی سے ثابت نہ ہو لیکن اس لحاظ سے سجدۂ تلاوت کے لئے یہ بہت موزوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سجدے ہی کی ایک آیت (۱۷:۱۰۷-۱۰۸) میں ارشاد فرمایا ہے کہ ان کے سامنے جب قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو وہ منھ کے بل سجدوں میں گر پڑتے ہیں اور پکار اُٹھتے ہیں کہ ''پاک ہے ہمارا رب، اس کا وعدہ تو لازماً پورا ہونا ہی ہے''[۷]

کیا یہ سجدہ فوراً کیا جائے؟

حضراتِ حنفیہ کے یہاں یہ سجدہ نماز میں ہو تو فوراً کرنا ضروری ہے، اور نماز سے باہر ہو تو اسمیں مہلت ہے اور اس مہلت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے (تاہم اگر وقتِ مکروہ نہ ہو تو تاخیر نہ کی جائے چنانچہ صاحبِ مراقي الفلاح نے تاخیر کرنے کو مکروہ لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ زیادہ وقت گزرنے پر بھول جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ احناف سے بعض روایات علی الفور واجب ہونے کی بھی ہیں۔)[۸]

دیگر ائمہ حضرات فرماتے ہیں کہ بے توجہی کرنے یا لمبا فاصلہ کرنے سے یہ فوت ہو جاتا ہے۔

---

۷ كتاب الأذكار للنووي مع شرحه لابن علانؒ ۲/۲۷۸، والتبيان للنوويؒ ص ۸۸، ۸۹ (طارق)

۸ مراقي الفلاح مع شرحه للطحطاوي صفحة ۲۶۱۔ (طارق)

سجدے قرآن مجید میں کتنے اور کہاں کہاں ہیں؟

قرآن مجید میں پندرہ مقامات پر سجدے ہیں،[9] حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید میں پندرہ مقامات پر سجدے تعلیم فرمائے ہیں،[10] ان میں سے تین مُفَصَّل میں ہیں اور دو سورۂ حج میں[11]۔ اس حدیث سے سجدوں کی کل تعداد پندرہ معلوم ہوتی ہے۔

سجدۂ تلاوت کے مقامات:

قرآن مجید میں سجدہائے تلاوت کہاں کہاں ہیں؟ یہ اِس نقشے سے ظاہر ہوتا ہے:

---

9 احناف کے نزدیک سورۂ حج کے دوسرے سجدے کو چھوڑ کر (جو آیت نمبر ۷۷ میں ہے) اور سورۂ ص کے سجدے کو باقی رکھتے ہوئے بلکہ اسکو بہت تاکیدی اِنتہائی لازمی مانتے ہوئے کل چودہ سجدے ہیں، اور مالکیہ کے یہاں دو روایتیں ہیں زیادہ مشہور گیارہ کی ہے وہ نجم، انشقاق اور علق کے سجدے کو حذف کرتے ہیں۔
شافعیہ کے یہاں بھی چودہ ہی سجدے ہیں لیکن وہ (سورۂ حج کا دوسرا سجدہ باقی رکھتے ہیں اور) سورۂ ص کا حذف کرتے ہیں، سورۂ ص کا سجدہ انکے یہاں مستحب کا درجہ رکھتا ہے۔
امام احمدؒ سے دو روایتیں ہیں ایک امام شافعیؒ کی طرح اور دوسری سورۂ ص کا تسلیم کرتے ہوئے پندرہ کی اس طرح اختلاف پانچ سجدوں میں رہا: (۱) سورۂ حج کا دوسرا (۲) ص کا (۳) نجم کا (۴) انشقاق کا (۵) اور علق کا۔
سعودی حکومت نے قرآن مجید کے جو نسخے شائع کئے ہیں ان میں بھی سجدے پندرہ ہی ہیں، اور یہی نسخے عام مسلمانوں میں زیادہ مروج ہیں۔

10 قرآن مجید کی سورۂ حجرات سے شروع کر کے اخر کی سات سورتیں، ملاحظہ ہو حواشی سنن ابی داود ۱/۱۱۸، وغیرہ (طارق)

11 رواہ ابو داود رقم ۱۴۰۱، وابن ماجہ ۱۰۵۷، والحاکم فی المستدرک ۱/۲۲۳۔ (طارق)

سجدوں کے مقامات کا نقشہ

نمبر شمار	سورت کا نام	سورت کا نمبر	آیت نمبر
۱	اَعراف	۷	۲۰۶
۲	رَعد	۱۳	۱۵
۳	نحل	۱۶	۴۹
۴	اسراء (بنی اسرائیل)	۱۷	۱۰۷
۵	مریم	۱۹	۵۸
۶	حج	۲۲	۱۸
۷	حج (یہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہے)	۲۲	۷۷
۸	فرقان	۲۵	۶۰
۹	نمل	۲۷	۲۵
۱۰	سجدہ	۳۲	۱۵
۱۱	صٓ	۳۸	۲۴
۱۲	فصلت (حم السجدہ)	۴۱	۳۷
۱۳	نجم	۵۳	۶۲
۱۴	انشقاق	۸۴	۲۱
۱۵	علق	۹۶	۱۹ [۱۲]

[۱۲] علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے الاتقان ۱/ ۳۰۴، میں ابن الغرس کی کتاب الاحکام کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعض حضرات نے سورۂ حجر (۱۵) کے اختتام کو بھی سجدہ کا مقام قرار دیا ہے۔ (طارق)

اوپر ذکر ہوئی آیت جب پوری ہو جائے تو اس کے بعد سجدہ کر لیا جائے، البتہ بعض مقامات ایسے ہیں جہاں قرآن مجید میں (حاشیہ پر دی ہوئی) علامتِ سجدہ کو دیکھ کر سجدہ کرنا چاہئے۔

(مثلاً سورۂ نمل ۲۷ میں سجدہ کا ذکر ۲۵ ویں آیت میں آیا ہے اور آیت سجدہ وہی ہے، لیکن علامتِ سجدہ ۲۶ ویں آیت پر ہے اسلئے ۲۶ ویں آیت پڑھ کر ہی سجدہ کیا جائے۔ اس سے پہلے سورۂ اسراء (۱۷) میں سجدے کا ذکر صراحتہً آیت نمبر ۱۰۷ میں آیا ہے اور آیت ۱۰۸، ۱۰۹ میں بھی اسی مضمون کی تکمیل ہے، اسلئے آیتِ سجدہ تو پہلی ہی آیت مانی گئی ہے لیکن دوسری آیت کے مفہوم کی رعایت کرتے ہوئے علامتِ سجدہ قرآن مجید میں دوسری آیت پر لگائی گئی ہے، اسلئے دونوں آیتیں پڑھنے کے بعد ہی سجدہ کیا جائے۔)

یہی معاملہ سورۂ "حٰمٓ سجدہ" (۴۱) کا ہے، اس میں سجدے کا مضمون تو آیت نمبر ۳۷ میں آیا ہے لیکن قرآن مجید کے نسخوں میں سجدے کا نشان آیت نمبر ۳۸، کے اخیر میں "لَا یَسْئَمُوْنَ" پر دیا گیا ہے۔ اور یہ بات ائمہ کرام اور علماء قراءت کے اختلاف رائے کی وجہ سے ہوتی ہے، چنانچہ اس آخری مثال میں ائمہ اور علماء کا ایک بڑا طبقہ "اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ" یعنی آیت ۳۷، پر سجدہ مانتا ہے اور دیگر بہت سے ائمہ "یَسْئَمُوْنَ"، یعنی آیت ۳۸، پر سجدے کے قائل ہیں، مزید تفصیل امام نووی کی التبیان ص ۷۹ میں دیکھی جاسکتی ہے۔)

(ایسے مقامات پر قرآن مجید کے نسخوں میں سجدے کا نشان لگاتے وقت یہ رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے کہ دونوں رایوں پر عمل ہو جائے۔ واللہ اعلم)

(۲) دوسری بحث تکبیر کہنا:

(یعنی قرآن مجید کی بعض مخصوص سورتوں کو پڑھنے کے بعد "اللہ اکبر" کہنا) اس بحث کی چار ذیلی بحثیں ہیں:

(۱) اس کا سبب (۲) اس کا حکم (۳) اس کے الفاظ (۴) اس کی ابتداء اور انتہاء۔

پہلی بحث : تکبیر کا سبب: (یعنی تکبیر کہنے کی وجہ کیا ہوئی؟)

جمہور علماء کا کہنا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آنے کا سلسلہ کچھ دن کے لئے رُک گیا تھا،[۱۳] اس پر مشرکین یہ کہنے لگے کہ "اِنَّ مُحَمَّدًا وَدَّعَهُ رَبُّهُ وَ قَلَاهُ" محمد (صلی اللہ علیہ والہ واتباعہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے اور وہ ان سے ناراض ہو گیا ہے۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام (اس وقفے کے بعد پہلی وحی) لے کر آئے سورۂ وَالضُّحٰی وَ الَّیْلِ اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی (۹۳:۱-۳) "قسم ہے دمکتے ہوئے روزِ روشن کی، اور تاریکی کی چادر اُڑھاتی ہوئی رات کی، (اے نبی!) آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑ دیا ہے اور نہ آپ سے ناراض ہوا ہے۔" تو اسپر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کی خوشی اور (پوری سورت کے مضمون کی) تصدیق کے طور پر اور مشرکین کی فتنہ پردازی کو جھٹلانے کے طور پر "اللہ اکبر" فرمایا تھا[۱۴]

دوسری بحث: تکبیر کا حکم:

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ سنت ہے، (مشہور قاری ابوالحسن) بیان کرتے ہیں کہ میں نے عکرمہ بن سلیمانؒ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں اسماعیل بن عبداللہ مکیؒ کے سامنے قرآن مجید پڑھ رہا تھا، جب میں سورۂ والضحی پر پہنچا تو انہوں نے فرمایا: یہاں سے آگے قرآن مجید کے ختم ہونے تک ہر سورت کے اختتام پر اللہ اکبر کہتے رہو، میں نے عبداللہ بن کثیرؒ کے سامنے جب قرآن مجید پڑھا تھا مجھے انہوں نے یہی ہدایت فرمائی تھی، اور ابن کثیرؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں نے مجاہد کے سامنے قرآن مجید پڑھا تھا تو انہوں نے بھی مجھے یہی حکم دیا تھا اور مجاہدؒ نے بھی بیان کیا تھا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے قرآن مجید پڑھا تھا تو انہوں نے یہی ہدایت فرمائی تھی اور

---

[۱۳] بارہ دن یا پندرہ دن یا ایک رائے کے مطابق چالیس دن۔ واللہ اعلم۔

[۱۴] حوالہ آئندہ حاشیہ میں دیکھئے (طارق)

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی بتایا تھا کہ میں نے حضرت اُبی بن کعبؓ کے سامنے قرآن مجید پڑھا تھا تو مجھے بھی انہوں نے اس بات کا حکم دیا تھا، اور حضرت اُبی بن کعبؓ نے یہ بھی بتایا تھا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن مجید پڑھا تھا تو آپؐ نے مجھے یہی حکم فرمایا تھا۔[۱۵]

بزیؒ فرماتے ہیں مجھ سے امام شافعیؒ نے فرمایا تھا کہ اگر تم نے یہ تکبیر چھوڑ دی تو تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دی، اور اَھوازیؒ کہتے ہیں کہ اہل مکہ کے یہاں تو یہ تکبیر برابر رواج میں چلی آرہی ہے، وہ اپنی تلاوت میں، پڑھانے میں اور نماز میں سب جگہ اسپر عمل کرتے ہیں، البتہ بہتر یہ ہے کہ نماز میں تکبیر آہستہ ہو، خواہ نماز سرّی ہو یا جہری۔ واللہ اعلم۔

تیسری بحث: تکبیر کے الفاظ کیا ہوں؟

قاری کو بسم اللہ سے (سورت شروع کرتے وقت) اللہ اکبر کہنا چاہئے، اور بعض روایات میں اس سے پہلے تہلیل کا اضافہ بھی ہے یعنی یوں کہنا چاہئے۔ ''لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ''۔ بعض حضرات نے ابن مجاہدؒ کی روایت سے اسکے بعد تحمید کا بھی اضافہ کیا ہے، یعنی یوں کہنا چاہئے: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْد— اور جس طرح بھی کوئی کہہ لے سب درست ہے۔

چوتھی بحث تکبیر کی ابتداء اور اِنتہاء:

اس سلسلے میں دو قول ہیں:

پہلا یہ کہ سورۂ ضُحیٰ کی ابتداء سے تکبیر کہنا شروع ہوگا اور سورۂ ناس پر ختم ہوجائے گا۔

---

۱۵ بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن خزیمہ نے موقوفاً اور بیہقی نے ایک دوسری سند سے اور حاکم نے مستدرک میں مرفوعاً یہ روایت بیان کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ سیوطی نے الاتقان ۱/۳۰۶، میں کہا ہے کہ یہ بزیؒ سے متعدد سندوں سے مروی ہے۔ نیز دیکھئے الدر المنثور ۶/۳۶۰۔ (طارق)

دوسرا قول یہ ہے کہ سورۂ ضحیٰ کے اخیر سے تکبیر شروع ہوگی اور سورۂ ناس کے اخیر میں ختم ہوجائے گی۔

اور اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے جب آکر آپؐ کو سورۂ ضحیٰ سنائی تھی تو حضرت جبریل علیہ السلام کے سورت ختم کرنے پر آپؐ نے اللہ اکبر فرمایا تھا اور پھر آپؐ نے خود پڑھنا شروع کیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوگیا کہ آپؐ کا اللہ اکبر کہنا حضرت جبریلؑ کے پڑھنے (کے اختتام) پر تھا یا خود اپنے پڑھنے (کی شروعات) پر؟

جو لوگ تکبیر کو سورت کے اخیر کے لئے کہتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کی قراءت پر تکبیر کہی تھی، اور جو لوگ سورت کے شروع میں تکبیر کہنے کی رائے رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے جو تکبیر ارشاد فرمائی تھی وہ خود اپنی قراءت شروع کرنے کی وجہ سے تھی۔

اور یہ دونوں ہی قول صحیح اور معمول بہ ہیں، اور اس تکبیر کے وجوب کا کوئی قائل نہیں ہے بلکہ قاری کو اختیار ہے وہ کہے یا نہ کہے، وہ کوئی قرآن مجید کا حصہ تو ہے نہیں وہ تو ایک ذکر اللہ ہے، جسکی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے طرز عمل کے ذریعہ ہمیں) دعوت دی ہے۔ اور مذکورہ (تفصیلات دیکھئے) سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہی ہے تکبیر کہنے کا مقام سورتوں کا اخیر ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) تیسری بحث قرآن مجید کا ختم:

(قرآن مجید کی تلاوت عظیم طاعت اور بڑی خوش بختی کی علامت ہے جب آدمی کا قرآن مجید پورا ہو تو اس موقع کے لئے علماء اسلام نے بہت ساری ہدایات لکھی ہیں یہاں اختصار کے ساتھ صرف چند ہدایات لکھی جاتی ہیں:)

۱۔ سنت یہ ہے کہ جب قرآن مجید پورا ہو تو پڑھنے والا سورۂ ناس ختم کرتے ہی سورۂ فاتحہ پڑھے اور پھر سورہ بقرہ شروع کرکے اس کی پانچ آیتیں اُلْمُفْلِحُوْنَ تک پڑھے،

(اور اس کے بعد دعاء کرے۔[16] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہترین عمل کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: **الحَالُّ المُرْتَحِلُ**[17] (سفر سے آکر فوراً پھر نکل کھڑا ہونے والا)

اس شخص نے پھر پوچھا کہ اللہ کے رسول اس سے کیا مراد ہے؟

آپؐ نے فرمایا: **الَّذي يضربُ مِن أوَّلِ القُرآنِ إلى آخرِهِ، كُلَّمَا حَلَّ ارْتَحَلَ** ''یہ وہ قاری ہے جو قرآن مجید کے شروع سے چلتا ہے اور اخیر تک پہنچ جاتا ہے، اور جیسے ہی یہ سفر پورا کرتا ہے فوراً اگلا سفر شروع کر دیتا ہے'' یعنی ایک بار قرآن مجید پورا کرتے ہی اگلا قرآن مجید (ساتھ کے ساتھ) شروع کر دیتا ہے۔

(کوئی کام پورا کر کے یا کوئی سفر مکمل کر کے آدمی کو ایک طرح کی بے فکری اور فراغت کا احساس ہوا کرتا ہے اور پھر جب وہی کام دوبارہ بھی کرنا ہو تو وہ سوچتا ہے کہ اب شروع کروں! جب شروع کروں! اور اس اب اور جب اور لیت ولعل میں تاخیر ہوتی رہتی ہے، جبکہ تلاوتِ قرآن مجید مؤمن کی روحانی غذا ہے اسمیں دیر کرنا اور ناغہ ہونا اسکے باطن کے لئے نقصان دہ ہے، اسلئے ایک قرآن مجید ختم کرتے ہی دوسرا شروع کر دینا اس ٹال مٹول اور سستی وغفلت کا بہترین علاج ہے کہ اب اور جب کا معاملہ ہی کچھ نہیں رہا ہاتھ کے ہاتھ شروع کر دیا گیا، اب تو بس تلاوت کا جاری رکھنا ہے شروع کرنے کا مرحلہ تو ختم کے ساتھ ہی طے کرا دیا گیا ہے۔)

۲۔ قرآن مجید کی تلاوت اس کے سیکھنے سکھانے (اور اسکے ختم کے موقع) پر لوگوں کو جمع کرنا مستحب ہے اور بہتر یہ ہے کہ وہ مسجد میں ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جب کچھ لوگ اللہ کے کسی گھر (یعنی مسجد) میں جمع ہو کر قرآن مجید کی

---

[16] سنن دارمي میں بسند حسن حضرت ابی بن کعبؓ کے حوالے سے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بعینہٖ یہی معمول بیان کیا گیا ہے۔ دیکھئے الاتقان ۱/۳۰۷ (طارق)

[17] أخرجه الترمذي من حديث صالح المرّي عن قتادة عن زرارة۔

تلاوت کرتے ہیں اور اسے سیکھتے سکھاتے ہیں تو ضرور ان کے اوپر سکینہ (سکونِ دل) نازل ہوتا ہے اور ان کے اوپر (اللہ کی) رحمت چھا جاتی ہے اور ان کے چاروں طرف فرشتوں کا ہالہ بن جاتا ہے اور ان (مبارک بندوں) کا ذکر اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود (فرشتوں) کے سامنے (تعریف کے ساتھ) فرماتا ہے''۔[۱۸]

(حضرت ابن عباسؓ کا معمول تھا کہ وہ ایک آدمی مقرر کر دیتے تھے جو یہ نظر رکھتا تھا کہ کب کس کا قرآن مجید پورا ہو رہا ہے، جب وہ آدمی انہیں اطلاع دیتا کہ فلاں کا آج ختم ہے تو وہ وہاں پہنچ جاتے تھے،[۱۹] حضرت انسؓ کا طریقہ تھا کہ جب ان کا قرآن مجید پورا ہوتا تو اپنے تمام گھر والوں کو جمع کر لیتے اور دعاء کرتے تھے۔)[۲۰]

(جلیل القدر تابعی حکم بن عیینہؒ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس مجاہدؒ نے اور عتبہ بن لبابہؒ نے بلاوا بھیجا، میں جب پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ إنَّا أرسلنا إليك لأنَّ أردنا أن نختم القرآن ''ہم نے آپ کو اسلئے بلایا ہے کہ ہم قرآن مجید ختم کرنا چاہ رہے ہیں'')[۲۱]

۳۔ جس روز قرآن مجید ختم ہو رہا ہے مستحب یہ ہے کہ اس دن روزہ بھی رکھا جائے، سوائے اسکے کہ کوئی ایسا دن ہو جس کا روزہ رکھنا ممنوع ہو۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ طلحہ بن مطرف، حبیب بن أبي ثابتؒ اور مسیّب بن رافعؒ تینوں جلیل القدر تابعی ہیں ان تینوں کا معمول تھا کہ جس دن انکا قرآن مجید پورا ہونے والا ہوتا اس دن وہ روزہ بھی رکھتے تھے۔)[۲۲]

۴۔ قاری کے لئے یہ بھی مستحب (بلکہ تاکیدی ہدایت)[۲۳] ہے کہ قرآن مجید

---

۱۸ رواه مسلم عن ابي هريرة رضي الله عنه في باب فضل الإجتماع على تلاوة القرآن و على الذكر۔

۱۹ التبيان في آداب جملة القرآن، للنووي ص ۹۴ (طارق)

۲۰ حوالہ بالا۔ ۲۱ حوالہ بالا ۲۲ حوالہ بالا ص ۹۳

۲۳ امام نوویؒ نے ''مستحب استحباباً مؤكّدًا'' کے الفاظ لکھے ہیں۔ (طارق)

جب پورا ہوتو دعاء کرے، حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو قرآن مجید پڑھتا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک مقبول دعاء ہوتی ہے، چاہے وہ اسے دنیا ہی میں عطا فرمادے یا آخرت کیلئے اٹھا رکھے۔[۲۴]

حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت انسؓ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی ختم قرآن مجید کے موقع پر دعاء کا اہتمام فرماتے تھے، حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ختم قرآن مجید کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ (حمید اَعرجؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے اور پھر دعاء کرتا ہے تو اسکی دعاء پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں)[۲۵]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ رمضان المبارک کی پہلی شب میں ان کے احباب اور شاگرد ان کے پاس جمع ہوجاتے تھے اور وہ ہر رکعت میں دس دس آیات پڑھا کرتے تھے اور ختم قرآن مجید تک ان کا یہی معمول رہتا تھا اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر ختم قرآن مجید پر ایک دعاء قبول ہوتی ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں (قرآن مجید میں بار بار) دعاء کا حکم دیا ہے، (اور ختم قرآن مجید کا وقت دعاء کا خاص موقع ہے، امام بیہقیؒ نے **شعب الایمان** میں حضرت انسؓ سے ارشاد نبوی نقل کیا ہے کہ جس نے قرآن مجید پڑھا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا اور پھر استغفار کیا تو اس نے خیر کا سوال برمحل اور بروقت کیا ہے۔)[۲۶] اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اُدْعُوْنِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ ''تم مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا''[۲۷] دوسری جگہ وہ ارشاد فرماتا ہے: وَاِذَا

---

۲۴ أخرجه الطبراني (في الأوسط) والبيهقي وقال : في إسناده ضعف (و ذكره الهيثمي في مجمع الزوائد ۱۶۲/۷)

۲۵ التبيان ص ۹۴ (طارق)

۲۶ الاتقان في علوم القرآن للسيوطي ۳۰۷ (طارق)

۲۷ آیت کا یہ حکم اگرچہ عام ہے لیکن خصوصیت سے ختم قرآن مجید کے موقع کی ہدایت وتعیین حدیث نبوی نے کی ہے۔

سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (۲:۱۸۶)۔
''اے نبی مکرم! اگر میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو آپ انہیں بتا دیجئے کہ میں انکے نزدیک ہی ہوں، مجھے جب پکارنے والا پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کو (سنتا ہوں اور) قبول کرتا ہوں، اس لئے انہیں بھی چاہئے کہ وہ بھی میری پکار کو سنا کریں اور مان لیا کریں، یہی ان کی ہدایت کا ذریعہ ہے۔''

(بہتر یہ ہے کہ خوب گریہ وزاری کے ساتھ اور جم کر دعاء کی جائے اور اپنے تمام مقاصد کے علاوہ تمام اہل اسلام کی فلاح و بہبود کے لئے بھی دعاء کی جائے۔ مشہور محدث امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوریؒ نے حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ کے متعلق لکھا ہے وہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو ان کی زیادہ تر دعاء عام مسلمانوں اور مومنین ومؤمنات کے لئے ہوا کرتی تھی، اور یہی دیگر اکابر اُمّت کرتے رہے ہیں۔)[۲۸]

۶۔ دعاء کے لئے کوئی حد بندی نہیں ہے جو بھی جی چاہے مانگے، افضل یہ ہے کہ مسنون دعائیں (جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہیں وہ) مانگی جائیں (وہ انتہائی جامع ہیں اور دین ودنیا کی ہر بھلائی ان میں بہت بہتر طور پر مانگ لی گئی ہے۔)

ختم قرآن مجید کی چند مسنون دعائیں یہ ہیں:

(۱) اللّٰهُمَّ إنَّا عَبيدُك وأبناءُ عبيدِك و أبناءُ إمائِك، نَوَاصِينَا بِيَدِك، ماضٍ فِينا حُكمُك، عَدْلٌ فِينا قضاؤُك، نَسألُك بكلِّ اسمٍ هُوَ لَكَ سمَّيْتَ بِهِ نَفسَكَ أوْ أنْزَلْتَهُ فِي كتابِك أو عَلَّمْتَهُ أحداً من خلْقِك، أو استأثَرْتَ بِهِ في علمِ الغَيْبِ عِنْدَك، أن تَجعلَ القرآنَ العظيمَ ربيعَ قُلُوبِنَا و نُورَ أبْصارِنا، و شِفاءَ صُدُورِنا، و جِلاءَ أحْزانِنا، و ذَهابَ هُمُومِنا و غُمُوْمِنَا، وسائِقَنا و قائِدَنَا إلَيك، و إلى جَنَّاتِك جَنَّاتِ النَّعِيْم، ودارِك دارِ السّلام، مع الَّذين أنعمتَ عليهم مِنَ النَّبيِّينَ

۲۸۔ التبيان للنوويؒ ص ۹۵۔ (طارق)

والصديقين و الشهداء والصالحينَ برحمتك يا أرحمَ الراحمين۔

(ترجمہ) ''اے اللہ! ہم تیرے بندے اور غلام ہیں اور تیرے غلاموں اور باندیوں کی اولاد ہیں، ہماری پیشانیاں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں، ہمارے بارے میں تیرا ہی حکم چلتا ہے، اور ہمارے بارے میں تیرا ہر فیصلہ (چاہے ہم اسکی مصلحتوں کو نہ سمجھ سکیں لیکن وہ) حق و انصاف پر مبنی ہے۔

ہم تیرا ہر وہ نام لے کر جس سے تو نے اپنا ذکر کیا ہو، یا تو نے اپنی کسی کتاب میں وہ نازل کیا ہو، یا اپنی کسی مخلوق کو وہ نام بتایا ہو، یا اسے تو نے اپنے پاس علم غیب میں محفوظ رکھا ہو (اُن تمام ناموں کے ذریعہ) ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو قرآن عظیم کو ہمارے دلوں کی سرسبز و شاداب کیاری، ہماری آنکھوں کا نور، سینوں (کی جملہ بیماریوں) کے لئے شفاء، ہماری تمام بے چینیوں کا حل اور ہمارے تمام رنج وغم کا مداوا بنادے۔

اور (اے پروردگار! قرآن مجید کو) ہمارے لئے اپنی طرح لے کر چلنے والا قائد و رہنما اور اپنی جنتوں اور اپنی نعمتوں تک پہنچانے والا اور اپنے (مقربین کے) ٹھکانے دارالسلام تک لیجانے والا رہبر بنادے۔ ان انبیاء کرام، صدیقین شہداء اور نیک لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے انعامات سے نوازا ہے۔

(الٰہی!) اے ارحم الراحمین اپنی رحمت سے (میری یہ دعاء قبول فرمالے)۔

(۲) اسی طرح ایک دعاء یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے:

اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَ إليكَ الْمُشْتَكىٰ، و أنتَ المُستعان، ولاَ حوْلَ ولاقوَّة إلا بالله العليّ العظيم اللّٰهمَّ إنّي أعوذُبك من الجُوعِ، فإنّه بِئسَ الضَّجيعُ، و أعوذبك من الخِيانةِ، فإنَّهَا بئستِ البطانةُ۔

اللّٰهُمَّ عافني في جَسَدِي، وعافني في بَصَري، واجعَلْه الوارثَ منّي۔

اللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عاقِبَتنا في الأُمُورِ كُلِّها، و أَجِرْنَا مِن خِزْيِ الدُّنيا و عذابِ الآخرة۔

اللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عَمَلِي آخِرَه، و خيرَ عَمَلِي خَوَاتِمَه، و خير أيَّامِي يَوْمَ أَلْقاكَ فيه۔

(ترجمہ) ''اے اللہ! ہر تعریف تیرے ہی لئے ہے، ہر شکایت لے کر پہنچنے کا ٹھکانہ تو ہی ہے، مدد طلبی کا بھی آخری ٹھکانہ تو ہی ہے، کوئی پناہ گاہ اور کوئی قوت وحمایت بھی خدائے بزرگ وبرتر کے علاوہ کہیں سے نہیں ہے۔

اے اللہ! میں بھوک سے تیری پناہ چاہتا ہوں یہ بڑی ہی جھکا ڈالنے اور پست کر ڈالنے والی چیز ہے، اور میں تجھ سے خیانت سے پناہ مانگتا ہوں یہ بڑا برا راز دار اور (بہت منحوس) دوست ہے۔

اے اللہ! مجھے جسمانی عافیت وسلامتی عطا فرما، میری آنکھیں سلامت رکھ، اور انکو اخیر تک برقرار رکھ، اے اللہ! ہمارے تمام معاملات کا انجام بخیر فرما، اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

اے اللہ! میری زندگی کے سب سے بہتر اعمال میری اخیر عمر میں رکھدے اور میرے اعمال کا اختتام بہتر فرما، اور میرے تمام دنوں میں سب سے بہتر دن وہ ہو جبکہ میں تجھ سے ملاقات کروں۔''

ان کے علاوہ بعض دعائیں وہ بھی اچھی ہیں جو قرآن مجید کے نسخوں کے اخیر میں لکھی ہوئی ملتی ہیں۔

مستحب یہ ہے کہ قرآن مجید کے اختتام پر سورۂ صافات کی یہ آخری آیات بھی پڑھ لی جائیں:

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ العِزَّةِ عمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِيْنَ (۳۷:۱۸۰-۱۸۲)

''پاک ہے تیرا رب جو عزت و غلبے کا مالک ہے ان باتوں سے جو یہ (مشرک

لوگ) بناتے رہتے ہیں، اور سلام ہے پیغمبروں پر، اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالموں کا رب ہے۔''

۷- اہل اسلام کے اوپر یہ بھی واجب ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حفظِ قرآن مجید کی دولت سے نوازا ہے یا اسکا کچھ حصہ اسے یاد ہے وہ اسکی حفاظت کرے (اسے بھول نہ جائے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد گرامی ہے: تَعاهَدوا هٰذَا القُرآنَ فَوَ الَّذي نفسُ محمدٍ بيدهِ لَهُو أشدُّ تفلُّتًا من الإبل في عُقُلِها [۲۹]

''اس قرآن مجید کی حفاظت کرو (بھول نہ جاؤ) اس ذات گرامی کی قسم جسکے قبضے میں محمد کی جان ہے! وہ اس سے زیادہ نکل جانے والا ہے جتنا اونٹ اپنی رسیوں سے نکل بھاگتا ہے''۔

اسی طرح آپؐ نے (اسکا گناہ بیان کرتے ہوئے ایک لمبی حدیث میں) ارشاد فرمایا کہ وَعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوبُ أُمَّتِي فَلَم أَرَ ذَنبًا أَعْظَمَ مِن سورة مِن القرآنِ او أية أُوتِيَهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا۔ [۳۰]

''آپؐ نے اِس ارشاد نبوی میں پہلے اُمت کی کچھ نیکیوں کا ذکر فرمایا ہے، پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے سامنے میری اُمت کے گناہ بھی پیش کئے گئے میں نے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی بندۂ مومن نے قرآن مجید کی کوئی سورت یا کوئی آیت یاد کی ہو اور پھر اُسے (اپنی لاپرواہی کی وجہ سے) بھلا دیا ہو۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

: أفضَلُ عِبَادَةِ أُمَّتِي قِرَاءَةُ الْقُرآنِ۔ [۳۱] (و زاد الحكيم الترمذي

---

۲۹ رواه أحمد و البخاري ومسلم عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه۔

۳۰ رواه أبو داود والنسائي عن أنس رضي الله عنه۔

۳۱ رواه الحاكم في التاريخ والبيهقي في شعب الإيمان و أبو نعيم في فضائل القرآن عن النعمان بن بشيرؓ۔ كما في الجامع الصغير مع شرحه فيض القدير ۲/ ۵۲ (طارق)

فیه عن عبادة بن الصامتؓ مرفوعاً: نَظَرًا)[۳۲]

''میری اُمت کی سب سے بہتر عبادت فرائض و واجبات کے بعد قرآن مجید کی تلاوت ہے۔(اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: سب سے بہتر عبادت دیکھ کر تلاوت کرنا ہے۔)

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆☆

☆

۳۲ حوالۂ بالا۔

آخری کلمات

(مؤلف کی طرف سے)

الحمد لله و كفى، وسلام على عباده الذين اصطفى

الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله

امابعد:

محترم قارئین کرام! اخیر میں میں اسکے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اپنی کوتاہی اور کمزوری کا اعتراف کروں، اور اللہ تعالیٰ سے اس کوشش کی کامیابی اور مقبولیت کی اور اپنے جیسے مبتدیوں کے لئے اس کے نفع بخش ہونے کی دعاء کروں۔ اللہ کرے یہ کتاب ان کے لئے رہنما اور فن کے اصول ومبادی معلوم کرنے کا عمدہ ذریعہ ثابت ہو۔ اور مجھے اسکے ذریعے تجارةً لن تبور (ایسی تجارت جسمیں کوئی خسارہ نہ ہو) عطا ہوجائے۔

اس کتاب میں اگر کسی کو کوئی غلطی نظر آئے تو اسکی اصلاح کردے اور مجھے معذور سمجھے، شریف لوگوں کے یہاں ہمیشہ معذرت قبول کی جاتی ہے۔ اور میں ان تمام حضرات سے جو اس سے فائدہ اٹھائیں اپنے لئے اپنے والدین کے لئے اور تمام اہل خانہ کے لئے دعاء خیر کا اُمیدوار ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ میرے اس عمل کو پُرخلوص بنالے اور اسے عام مسلمانوں کے لئے علم نافع کا ذریعہ اور میرے خاندان کے لئے (دارین کے لئے) میراث بنادے۔ آمین۔

اخیر میں گزارش ہے کہ میں نے جہاں تک ہوسکا (فن کی) مفید معلومات جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس کام سے اواخر رمضان سن ۱۴۱۳ھ مطابق اپریل ۱۹۹۲ء میں فراغت ہوئی، اور اس کتاب کی تیاری میں مجھے تقریباً پانچ سال لگے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اسکو آخری شکل دینے اور طباعت کے لئے تیار کرنے کی توفیق شب جمعہ ستائیس شعبان سن چودہ سو اٹھارہ ہجری مطابق چھبیس دسمبر سن ۱۹۹۷ء کو اور اس پر یہ آخری سطریں میرے مکان پر شہر "زائـــد" میں لکھی گئیں جو متحدہ عرب امارات کے دارالخلافہ ابوظبی کے وسط میں واقع ہے۔

اور میں اپنی بات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شان یہ ہے کہ **ما ینطق عن الھوی** (وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں بولتے) کے ارشاد گرامی پر ختم کرتا ہوں کہ:

"تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، اور ہر شخص کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی اس نے (اپنے عمل کے وقت) نیت کی ہوتی ہے۔"[۳۳]

والصلوة والسلام على صفوة الصفوة من خلقه أجمعين وعلى سادتنا آله وصحبه والتابعين۔

وآخر دعوانا أنِ الحمد لله رب العالمين۔

.....☆☆☆.....

۳۳ بخاري ومسلم و أصحاب السنن عن عمر بن الخطابؓ مرفوعاً۔

کتاب کے اہم مصادر و مراجع

جس سے مؤلف نے اپنی کتاب میں استفادہ کیا ہے:

١ – إتحاف فضلاء البشر بالقراء ات الأربعة عشر۔ للشيخ:
أحمد بن محمد البنا۔

٢ – الإتقان في علوم القرآن للسيوطي۔

٣ – أحكام تجويد القرآن۔ للشيخ محمد سعيد محمد علي ملحس۔

٤ – أحكام قراء ةالقرآن الكريم۔ للشيخ محمود خليل الحصري۔

٥ – إرشاد الطالبين إلى ضبط الكتاب المبين۔ للدكتور محمد سالم محيسن

٦ – الإرشادات الجلية في القراء ات السبع عن طريق الشاطبية۔
للشيخ محمد سالم۔

٧ – الإضاء ة في بيان أصول القراء ة۔ للشيخ علي محمد الضباع۔

٨ – إعراب القرآن الكريم وبيانه۔ للشيخ محي الدين الدرويش۔

٩ – البدور الزاهرة في القراء ات العشر المتواترة۔ والأربعة الشاذة
للشيخ عبدالفتاح القاضي۔

١٠ – البرهان في تجويد القرآن۔ للشيخ محمد الصادق قمحاوي۔

١١ – البرهان في علوم القرآن، للإمام الزركشي،
تحقيق محمد أبو الفضل إبراهيم۔

١٢ – بعض المفيد في علم التجويد۔ للشيخ محمود توفيق محمد۔

١٣ – البيان لحكم قراء ة القرآن بالألحان۔ للشيخ أيمن السويد۔

۱۴- تاريخ القراء العشرة و رُوَاتِهم. للشيخ عبدالفتاح القاضي.
۱۵- التبيان في آداب حملة القرآن. للنووي.
۱۶- التبيان في تجويد القرآن. للشيخ عبداللطيف، والشيخ نجيب خياطة.
۱۷- التبيان في علوم القرآن. لمحمد علي الصابوني.
۱۸- التجويد الميسر للشيخ عبدالعزيز عبدالفتاح القارئ.
۱۹- تحفة العصر في علم القراءات المتواترة العشر. للشيخ شكري.
۲۰- الترغيب والترهيب للمنذري.
۲۱- تسهيل القواعد في التجويد . للشيخ فتحي محمد. مع حاشية الشيخ محمد طاهر رصيمي.
۲۲- التمهيد في علم التجويد. للإمام ابن الجزرى.
۲۳- تيسير التجويد. للشيخ عبدالوارث سعيد.
۲۴- التيسير في القراءات السبع. للإمام الداني.
۲۵- التيسير في القراءات السبع المشهورة وتوجيهاتها للشيخ صابر حسن أبو سليمان.
۲۶- الجديد في أحكام التجويد. مقرر وزارة المعارف السعودية.
۲۷- جمال القراء وكمال الإقراء. للإمام السخاوي، تحقيق علي حسين البواب.
۲۸- حق التلاوة. للشيخ حسني شيخ عثمان.
۲۹- دروس في ترتيل القرآن الكريم. للشيخ فائز عبدالقادر شيخ الزور.
۳۰- الرعاية لتجويد القرآن وتحقيق لفظ التلاوة. للشيخ مكي بن أبي طالب.
۳۱- السلسبيل الشافي في أحكام التجويد الوافي. للشيخ عثمان سليمان مراد.

۳۲- سنن الترمذي۔
۳۳- سنن الدار قطني۔
۳۴- سنن الدارمي۔
۳۵- سنن أبي داود۔
۳۶- سنن الكبرى للبيهقي۔
۳۷- سنن ابن ماجه۔
۳۸- سنن النسائي۔
۳۹- الشافي في علم التجويد للشيخ زهير سليمان عودة۔
۴۰- شرح الشاطبية للشيخ علي محمد الضباع۔
۴۱- صحيح البخاري بشرح فتح الباري۔ لابن حجر العسقلاني۔
۴۲- صحيح ابن حبان۔
۴۳- صحيح مسلم بشرح النووي۔
۴۴- صريح النص في الكلمات المختلف فيها عن حفص۔
للشيخ علي محمد الضباع۔
۴۵- العقد الفريد في فن التجويد۔ للشيخ علي بن أحمد صبره۔
۴۶- علم التجويد للأستاذ محمد محمود عبدالله۔
۴۷- علم التجويد للشيخ هشام البرهاني
۴۸- العميد في علم التجويد، للشيخ محمود علي بسه۔
۴۹- غاية المريد في علم التجويد۔ للشيخ عطية قابل نصر۔
۵۰- الفريد في إعراب القرآن المجيد۔
للشيخ المنتجب حسين بن أبي العز الهمداني۔
۵۱- الفريد في فن التجويد۔
للشيخ عبدالرؤوف محمد سالم (وزارة الأوقاف الكويتية)۔

۵۲- الفريد في فن التجويد .
تأليف الشيخين محمود صطفى الحبال و أكرم محمود خضري.
۵۳- فن التجويد. للشيخ عزة عبيد دعاس.
۵۴ - القراء ات و أثرها في التفسير و الأحكام. للشيخ محمد عمر سالم بازمول.
۵۵- قصة الإعراب للأستاذ أحمد الخوص.
۵۶- الكوكب الدري في شرح طيبة ابن الجزري.
للشيخ محمد الصادق قمحاوي.
۵۷- كيف تجود القرآن وترتله ترتيلاً؟ الشيخ محمد عبد العزيز الهلاوي.
۵۸- كيف تقرأ القرآن كما أنزله الرحمن؟ الشيخ محمود رأفت بن حسن زلط.
۵۹- كيف يتلىٰ القرآن؟ للشيخ عامر بن السيد عثمان.
۶۰- مباحث في علوم القرآن - مناع القطان.
۶۱- المختار المفيد في علم التجويد. للشيخ أمين سعيد باوزير.
۶۲- مدخل إلى علم التجويد. للأستاذ عبد الودود الزراري.
۶۳- مسند الإمام أحمد بن حنبلؒ.
۶۴- مسند البزار.
۶۵- المصحف الميسر في القراء ات الأربعة عشر. للشيخ محمد فهد خاروف.
۶۶- معالم الاهتداء إلى معرفة الوقف والابتداء. للشيخ محمود الحصري.
۶۷- معجم الطبراني.
۶۸- الملخص المفيد في علم التجويد. الشيخ محمد أحمد معبد.
۶۹- منجد المقرئين ومرشد الطالبين. للإمام ابن الجزري.
۷۰- الموطأ للإمام مالك بن أنس.

۷۱- النجوم الطوالع في شرح الدرر اللوامع في أصل مقرأ الإمام نافع۔ للشيخ المارغني التونسي۔

۷۲- النشر في القراء ات العشر۔ للإمام ابن الجزري۔

۷۳- نهاية القول المفيد في علم التجويد۔ للشيخ محمد مكي نصر۔

۷۴- هداية القارئ۔ للشيخ عبدالفتاح المرصفي۔

۷۵- هداية المستفيد في أحكام التجويد۔ للشيخ محمد المحمود۔

۷۶- الوافي في شرح الشاطبية۔ للشيخ عبدالفتاح القاضي۔

۷۷- الوجيز في أحكام تلاوة الكتاب العزيز۔ للدكتور: محمد توفيق۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مصادر و مراجع ہیں جو عمومی لائبریریوں یا شخصی ذخیرہ ہائے کتب میں موجود ہیں (جن سے استفادہ کیا گیا ہے) ان سب کے نام اور ان کے مؤلفین کے نام اس وقت ذہن میں نہیں ہیں، ان کے علاوہ بہت سے جلیل القدر علماء سے مشورے بھی رہے ان کی نصائح اور ان کی رہنمائیاں بھی مددگار ثابت ہوئیں، وہ حضرات اپنے ناموں کا ذکر کرنا پسند نہیں کرتے، میں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق خیر و سعادت اور حسن خاتمہ کی دعاء کرتا ہوں۔ آمین۔

و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

مزید مصادر و مراجع

کتاب کے اُردو ترجمہ کے دوران میرے پیش نظر مذکورہ مصادر کے علاوہ مزید یہ مصادر بھی رہے ہیں جن میں سے اکثر کا ذکر خود ترجمے یا حاشیہ میں بھی آچکا ہے۔

محمد عبداللہ طارق

۱ – تاج العروس شرح القاموس۔ للعلامة الزبيدي

۲ – تفہیم الوقوف (اُردو) از قاری محمد اسماعیل صاحب امرتسری

(لاہور ۱۳۹۵ھ، ۱۹۷۵ء)

۳ – تنویر شرح تیسیر (اُردو) از قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی

(شائع کردہ مدرسہ تجوید القرآن دہلی ۱۳۷۲ھ ۱۹۵۳ء)

۴ – الجامع الصغير للشيخ جلال الدين السيوطي

۵ – جامع الوقف ومعرفۃ الوقوف (اُردو) از قاری محبّ الدین احمد الہٰ آبادی

(دیوبند ۱۴۰۷ھ)

۶ – جمال القرآن (اُردو) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

مع حاشیہ قاری محمد طاہر رحیمی مدنی صاحب

۷ – طحطاوي على المراقي

۸ – فوائد مکیہ (اُردو) از قاری عبدالرحمٰن پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

۹ – فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناويؒ

۱۰ – مجمع الزوائد لعلي بن أبي بكر الهيثميؒ

۱۱ – مراقي الفلاح للشرنبلاليؒ

۱۲- المرقاة شرح المشكوة

۱۳- مشكوٰة المصابيح للخطيب التبريزي

۱۴- المعجم الوسيط (عربي لغت) مجمع اللغة العربية ـ القاهرة

۱۵- النفحۃ العنبریۃ شرح المقدمۃ الجزریۃ (اردو) از قاری ابوالحسن اعظمی (۱۴۰۲ھ)

۱۶- وقوف المبتدی (اُردو) از قاری محمد اسماعیل صادق خورجوی (۱۴۰۷ھ)

.....☆☆☆☆☆☆☆.....

☆☆☆☆☆

☆

ناشر
محمد معین الدین غوری
این آر آئی وینجیرس مینار ٹیر ایجوکیشنل سوسائٹی
۴۰-۲-۱۶، اکبر باغ، حیدر آباد (انڈیا)